قصص الحدیث

تصنیف
مولانا محمد زکریا اقبال
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

تصنیف

مولانا محمد زکریا اقبال

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

اردو بازار، ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 021-2213768

www.besturdubooks.net

عرض ناشر

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم امابعد

حق تعالیٰ کا بڑا انعام و کرم ہے کہ ایک دیرینہ خواہش کے مطابق کتاب ''قصص الحدیث'' تیار ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ احقر جب چھوٹا تھا تو والد ماجد جناب الحاج محمد رضی عثمانی صاحبؒ نے کئی بار اس خواہش کا اظہار میرے سامنے مختلف حضرات سے کیا کہ اس موضوع پر کوئی تصنیف ہو جائے جیسا کہ ''قصص القرآن'' ہے۔ لیکن یہ کام اس وقت نہ ہو سکا، پھر خود میں اس کا خواہشمند مستقل تھا کہ اسی اثنا میں عربی میں کچھ متفرق کتب سے مواد دستیاب ہوا تو احقر نے یہ خیال ''مولانا زکریا اقبال'' سے ذکر کر کے درخواست کی کہ ذخیرہ حدیث سے اس مواد کے علاوہ بھی جو دستیاب ہو سکے لیکن ان واقعات کو بطور قصے کہانیوں کے تصنیف کرنا مناسب نہ ہو گا اس لئے جو واقعات ہوں اور اس میں جو سبق یا عبرت و نصیحت کا پہلو ہو وہ واضح ہو جائے تا کہ اس حدیث کے مقصد کو پانے کی کوشش کر کے عمل کا راستہ اختیار کیا جا سکے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انھوں نے نہ صرف فوری یہ کام بڑی خوشی سے کرنے کا ارادہ کر لیا بلکہ بڑی محنت سے کافی کتب سے مراجعت اور عربی شروحات اور علمائے کرام کی تصانیف سے استفادہ کر کے اس کتاب کی تصنیف مکمل کی، ماشاء اللہ مصنف نہ صرف حافظ اور عالم دین ہیں بلکہ حدیث میں ہی تخصص بھی کیا ہے، اس سے پہلے بھی ان کی کئی کتب شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔

امید ہے قارئین ہماری اس کوشش کی پذیرائی کریں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دنیا و آخرت میں مقبول ہو۔ آمین

ناشر

خلیل اشرف

فہرست قصص الحدیث

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۲۹۔	﴿حصہ سوم﴾ اعمال حسنہ کی دنیاوی برکات وفوائد	۱۷۷
۳۰۔	موت کا غار	۱۸۷
۳۱۔	رحمتِ حق بہانہ می جوید	۱۹۱
۳۲۔	بادل بھی ہے حکم الٰہی کا پابند	۱۹۵
۳۳۔	وہ بندہ خدا کا محبوب ہے جو......	۱۹۹
۳۴۔	یہ نکتہ نوازی مالکِ بے نیاز کی	۲۰۳
۳۵۔	ایک سنگین غلطی مگر خوفِ خدا سے......	۲۰۷
۳۶۔	کرو مہربانی اہلِ زمیں پر۔	۲۱۱
۳۷۔	ایمان کا ادنیٰ درجہ...... تعلیم معاشرت	۲۱۵
۳۸۔	عظیم قاتل	۲۲۱
۳۹۔	گم شدہ اونٹنی اور بندہ کی توبہ	
۴۰۔	﴿حصہ چہارم﴾ ایمان میں اضافہ کرنے والے واقعات	۲۲۵
۴۱۔	ادائیگی حق کے لئے غیبی مدد	۲۲۷
۴۲۔	مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے	۲۳۳
۴۳۔	سونے کا مٹکا اور اس سے بے رغبتی	۲۳۹
۴۴۔	جریج العابد...... ماں کی بددعا	۲۴۳
۴۵۔	آسیہ...... ملکۂ مصر	۲۴۹
۴۶۔	اور میں کیوں ایمان نہ لاؤں؟	۲۵۳
۴۸۔	مشاطۂ بنتِ فرعون......	۲۵۹
۴۹۔	مجھے عزیز میری فقیری ہے	۲۶۷
۵۰۔	اصحاب الأخدود...... آگ کی خندقیں	۲۷۵
۵۱۔	اپنی حقیقت کو نہ بھولو	۲۸۵
۵۲۔	عالم کی اصلاح ایک خاتون سے	۲۹۱
۵۳۔	﴿حصہ پنجم﴾ غلط کاروں کے عبرت انگیز واقعات	۲۹۷
۵۴۔	پدرم سلطان بود	۲۹۹
۵۵۔	جرأت گستاخانہ	۳۰۳
۵۶۔	ایک رسی کی خاطر......	۳۱۰
۵۷۔	بنی اسرائیل کی سرکشی	۳۱۷
۵۸۔	ام الخبائث...... ہر گناہ کی جڑ	۳۲۱
۵۹۔	جبرئیلؑ کی فرعون سے نفرت کا عجیب اظہار	۳۲۷
۶۰۔	لکڑی کی ٹانگیں بنانے والی عورت	۳۳۱
۶۱۔	قومِ عاد کا بدکردار نمائندہ	۳۳۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزارش احوالِ واقعی

تمام تعریفیں اس رب ذوالجلال کے لئے ہیں جس کے علم نے ہر حاضر و غائب کا احاطہ کر رکھا ہے اور جس نے اپنے بندوں کے قلوب کو قرآن و حدیث کے علوم سے منور فرمایا۔

ہر قسم کا درود و سلام ہو اس ذاتِ اشرف و افضل ﷺ پر جس نے علومِ نبوت اور انوار وحی کے ذریعہ غیب کے حقائق کے بیان کے ساتھ ساتھ انبیاءِ سابقین اور امم ماضیہ کے حالات و احوال سے پردے اٹھائے۔

امابعد!

انسانی فطرت میں شروع ہی سے یہ جستجو رہی ہے کہ وہ تہہِ زمین سو جانے والی قدیم تہذیبوں اور مٹی میں مل کر خاک ہو جانے والی قوموں کے حالات سے آگاہی حاصل کرے۔ وہ لوگ جو قدیم تہذیبوں کے امین اور مختلف انسانی اقدار و روایات کے حامل تھے، یہی فطری جستجو تھی جس نے علم آثارِ قدیمہ کو وجود دیا اور اس کی ترقی کا ذریعہ بنی۔ ماہرین آثارِ قدیمہ طویل عرصہ سے، خصوصاً موجودہ دور میں، مدفون تہذیبوں، گم گشتہ امتوں اور خاک فنا کی لپیٹ میں آجانے والی اقوام کے حالات کو جاننے، ان کی تہذیب و ثقافت، اور زندگی کے طور طریقوں، رہن سہن، اور رہائش و طرز معاش جاننے کے لئے ہمہ وقت تحقیق و ریسرچ میں مصروف ہیں۔

لیکن اس حقیقت کے باوجود کہ ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیقات نے انہیں کسی قدر معلومات ضرور دیں، یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ انکی ساری تحقیقات، ریسرچ ورک اور مطالعے، اصل حقیقتوں کو بالکل واضح نہ کرپائے، وہ حقیقتیں جن کی وجہ سے ان اقوام کو بعض اوقات آسمانی آفات کا سامنا کرنا پڑا یا ارضی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ کبھی ان کو صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا گیا، کبھی انکی شکلیں مسخ کردی گئیں اور وہ سور اور بندر بنا دیئے گئے، حتیٰ کہ دور جدید کے سائنسدان انسان کی اصل بندر قرار دینے اور نظریۂ ارتقاء کو ثابت کرنیکی سنگین غلطی کر بیٹھے۔

وہ کیا حقیقتیں تھیں؟ ان حقائق کو آثارِ قدیمہ کے ماہرین اپنی کھدائیوں کے ذریعہ بیان ہی

نہیں کرسکتے، نہ انہیں ماہرینِ ارضیات (GIOLOGISTS) اپنے آلات کے ذریعہ بتلانے پر قادر ہیں، صرف وحیِ الٰہی ہی وہ علم ہے جو ان حقائق پر سے پردہ اٹھاتا ہے، علمِ آثارِ قدیمہ کے اندر اس بات کی استطاعت نہیں کہ وہ ماضی کی اتھاہ گہرائیوں میں مدفون قدیم اقوام کے ان حالات کو کھول سکے جو ان کی تباہی کے اسباب بنے، ماہرین کسی بھی گم گشتہ تہذیب کے رہن سہن، بودوباش، طرزِ معاشرت پر تو کسی قدر روشنی ڈال سکتے ہیں، لیکن یہ معلوم کرنا کہ ان اقوام کے اخلاق کیا تھے؟ ان کا دین کیا تھا؟ وہ کن معاشرتی، اخلاقی اور تہذیبی جرائم اور برائیوں میں مبتلا تھے؟ انکے عروج وزوال کے اسباب کیا تھے؟ یہ سب کچھ بتانا آثارِ قدیمہ کیلئے ممکن نہیں۔ امِ ماضیہ کے حقیقی حالات، ان کے عروج وزوال اور تباہی و بربادی کے اسباب کو صرف وحیِ الٰہی کے ذریعہ ہی معلوم کیا جاسکتا ہے، وہ وحیِ الٰہی جو ایک ایسا خزانہ ہے جس کی کوئی قیمت ممکن نہیں، جو شفاف طریقوں سے حقائق کو کھولتی اور اسرار سے پردہ اٹھاتی ہے کیونکہ وہ ایسی علیم وخبیر ہستی کی جانب سے منزل علم ہے جس پر زمین وآسمان کا کوئی گوشہ اور کائنات ارضی وسماوی کا کوئی کونہ مخفی نہیں، جو سینے میں چھپے رازوں اور زاویۂ نگاہ کی خیانتوں تک سے واقف ہے۔ يعلم خائنة الأعين وما تخفي الصدور۔ وحیِ الٰہی اور اس سے حاصل ہونے والے علوم ایسے اٹل اور یقینی حقائق انسان کو مہیا کرتے ہیں جنکے سامنے دنیا کے سارے حقائق ہیچ اور سارے دنیاوی علوم بے حقیقت ہیں۔

چنانچہ وحی کے ذریعہ جن حقائق تک ذہن انسانی کی رسائی ہوئی وہ ہر زمانہ اور ہر دور میں انسانی عقلوں کو حیران کرتے رہے ہیں۔ دورِ حاضر کی جدید ترین سائنسی موشگافیاں جنہیں سائنسی تحقیق اور ریسرچ کے نام پر دنیا کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، صدیاں گزریں کہ وحی الٰہی ان سارے حقائق کو زبانِ نبوت کے ذریعہ قرآن وحدیث میں بتلا چکی ہے اور آج کی جدید سائنسی تحقیقات درحقیقت انہی حقیقتوں کی تصدیق وتائید کررہی ہیں۔

گویا جدید سائنس وحی الٰہی کے تابع ہے نہ کہ وحی الٰہی سائنسِ جدید کے مطابق یعنی اصل وحیِ الٰہی ہے جب کہ سائنس جدید محض اس کی مؤید ومصدق۔

بعض اربابِ فکر وعمل قرآن وحدیث کے علوم کو سائنس کے تابع بنانے کی جو کوشش کرتے ہیں وہ بالکل مہمل ہے کیونکہ جدید سائنسی تحقیقات ان ابدی اور اٹل حقائق کو پورے طور پر ثابت کررہی ہیں جو قرآن وحدیث نے چودہ صدیاں پیشتر بیان کئے ہیں۔

○ وحیِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں ۱۔ متلو یعنی قرآن کریم ۲۔ غیر متلو یعنی حدیثِ رسول اللہ ﷺ۔ دونوں طرح کی وحی کے ذریعہ اقوامِ سابقہ اور امِ ماضیہ کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن کریم نے

ان واقعات کو ”أحسن القصص“ کہا اور بہت ہی پر اثر انداز میں پچھلی قوموں کے عبرت انگیز واقعات کسی مبالغہ آرائی کے بغیر مقاصدِ حسنہ کے حصول کیلئے بیان کئے' چنانچہ اہلِ ایمان اور اربابِ خرد و اصحابِ دانش کے لئے ان واقعات میں موعظت و عبرت کا بڑا سامان ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لقد كانَ في قَصصِهم عِبرةٌ لأولي الألباب (یوسف ۱۱۱)

”بلا شبہ ان کے واقعات میں عبرت ہے اربابِ دانش کے لئے“۔

چنانچہ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کے حالات' قومِ عاد' قومِ ثمود' مدائن صالح' قومِ شعیب' اصحاب الأیکہ' اصحابِ کہف' ذوالقرنین' واقعہ یوسف علیہ السلام' قوم تبّع' جالوت وغیرہ کے حالات و واقعات مختلف مقامات پر کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً بیان کئے گئے ہیں۔

لیکن چونکہ قرآن کریم اپنی ذات کے اعتبار سے کوئی واقعات اور قصص کی کتاب نہیں ہے نہ ہی اس کا مقصد دلچسپ قصے سنانا ہے بلکہ یہ تو کتاب ہدایت و نصیحت ہے جو واقعاتِ صحیحہ کو عبرت اور موعظت کیلئے بیان کرتی ہے' لہٰذا مذکورہ تمام واقعات کے صرف وہی حصے قرآن کریم میں بیان کئے گئے جو اہلِ عقل کے لئے باعثِ عبرت ہیں اور واقعہ کی متعلقہ جزئیات و تفصیلات جو عبرت آموز نہیں تھیں انہیں خارج از مقصد ہونے کی وجہ سے قرآن کریم نے بیان نہیں کیا' چنانچہ اسکی متعدد مثالیں حضرت موسیٰ اور حضرت یوسف علیہما السلام کے واقعات میں ملتی ہیں۔

حدیثِ رسول اللہ ﷺ چونکہ قرآن کریم کی تفسیر ہے لہٰذا ان واقعات کی تفصیل و تفسیر رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی۔ مزید بر آں یہ کہ ایسے بہت سے دیگر واقعاتِ عبرت بھی رسول اللہ ﷺ نے امت کی تربیت کے لئے بیان فرمائے جنھیں قرآنِ کریم نے بیان نہیں کیا۔

اردو زبان میں قرآن کریم کے قصص اور واقعات کے متعلق تو متعدد کتب موجود ہیں جن میں حضرت مولانا علامہ حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی ”قصص القرآن“ سر فہرست ہے' لیکن حدیثی قصص و واقعات کے متعلق ایسی کوئی مستند اور مفصل کتاب اردو زبان میں موجود نہیں تھی جس پر استناد کے اعتبار سے مکمل اعتماد کیا جا سکے اور وہ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی سلیس اور اہل علم و ادب کے ذوق کے مطابق ہو' ایسی کسی تفصیلی اور مستند کتاب کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی۔

جناب خلیل اشرف عثمانی صاحب (مالک دار الاشاعت کراچی) کو اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ عطا فرمایا ہے کہ وہ اچھوتے موضوعات پر ایسی نت نئی کتب جن کی اہمیت و استنادی حیثیت معتبر ہو اہل علم و عوام کے لئے پیش کریں۔

اسی ضمن میں انہوں نے حرمین کے ایک سفر سے واپسی پر احقر سے اس موضوع پر گفتگو کرتے

ہوئے عربی کی بعض کتب دکھائیں اور کہا کہ اگر انکا اردو ترجمہ ہو جائے تو اردو دان عوام کے لئے ایک قابلِ قدر کام ہو جائے گا۔

احقر نے ان کا مطالعہ کیا تو یہ رائے ہوئی کہ بلاشبہ یہ کتابیں اپنے موضوع پر بڑی قابلِ قدر ہیں لیکن ان میں سے کسی کتاب کا ترجمہ تو بوجوہ ممکن نہیں البتہ اسی اسلوب کو سامنے رکھ کر کام کیا جاسکتا ہے اور کتبِ احادیث میں بکھرے ہوئے ان عجیب وغریب واقعات کو یکجا کیا جاسکتا ہے اگرچہ احقر ان دنوں ایک دوسرے اہم کام میں مشغول تھا لیکن موضوع سے اپنی دلچسپی اور ضرورت کے پیش نظر احقر نے ارادہ کرلیا کہ اس کام کا آغاز کر دیا جائے' ان کتب کے مزید مطالعہ کے بعد دل میں خیال آیا کہ مذکورہ کتب میں واقعاتِ حدیث کا ایک مختصر حصہ ہی شامل کیا گیا ہے جب کہ ذخیرۂ احادیث میں بہت سے ایسے واقعات بھی ہیں جو بڑے مؤثر' عبرت انگیز اور دلچسپ ہیں مگر وہ ان کتب میں شامل نہیں۔ لہٰذا احقر کی رائے یہی ہوئی کہ عربی کی مذکورہ کتب کے اسلوب کو سامنے رکھ کر مزید واقعات کو جمع کر کے ایک مجموعہ تیار کیا جائے الحمدللہ بنامِ خدا اسی نہج پر کام شروع کر دیا گیا۔

بحمدہٖ تعالیٰ! کئی ماہ کی مسلسل کاوش کے بعد واقعاتِ حدیث کا یہ خوبصورت مجموعہ تیار ہو گیا فله' الحمد وله' الشکر۔ اس کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ ابتدا میں ہر قصہ کا مختصر تعارف ''تمہید'' کے عنوان سے بیان کر دیا ہے جس میں زیرِ نظر واقعہ کا پس منظر بھی نمایاں کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد حدیث کی اصل عبارت مع حوالہ جات اور اس کا بامحاورہ ترجمہ پیش کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اہل علم و علماء کے لئے ''تخریج الحدیث'' کے عنوان سے اس حدیث کے تمام حوالہ جات بھی تفصیلاً بیان کر دیئے ہیں۔

اس کے بعد ''شرح الحدیث'' کے عنوان سے حدیث میں بیان کردہ واقعہ کی تشریح و تفصیل اور اس سے متعلقہ احادیث و روایات کو نقل کیا گیا ہے' جن سے انشاء اللہ متعلقہ حدیث کو سمجھنا آسان ہو جائیگا۔

اخیر میں ''فوائد الحدیث'' کے عنوان سے زیرِ بحث حدیث مبارکہ میں بیان کردہ واقعہ سے حاصل ہونے والے فوائد اور عبرت و نصیحت کے پہلوؤں کو بھی ترتیب وار بیان کیا گیا ہے جس سے الحمدللہ کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا۔

ابتداء کتاب میں ایک مقدمہ بھی جزوِ کتاب بنایا گیا ہے جس میں قصص کی تعریف' انکی اہمیت و فوائد' ذہنِ انسانی پر انکے فوری اور دیرپا اثرات اور قرآنی و حدیثی قصوں کی افادیت کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے۔

اس طرح اس کتاب کو اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہر طرح جامع اور مفید بنانے کی ہر ممکن انسانی سعی کی گئی ہے، لیکن مجموعۂ خطا، ظلوم وجہول انسان کا کوئی کام نقص سے پاک اور عیب سے محفوظ نہیں ہوتا کہ یہ صرف ربّ العالمین کی صفت ہے، لہٰذا اس کام میں بھی اس ظلوم وجہول، سراپا تقصیر سے علمی، ادبی، فنی تقصیرات یقیناً ہوئی ہوں گی، اہلِ علم سے عاجزانہ ملتمس ہوں کہ اغلاط سے ناکارہ کو مطلع فرمائیں تاکہ انکی اصلاح کی جا سکے۔ واجر کم علی اللہ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو صاحبِ حدیث نبی مکرم علیہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل ناکارہ مرتب اور اس کے والدین اور ناشر اور ان کے اہلِ خانہ کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور ہمیں اخلاص کے ساتھ دینی وعلمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو قارئین کرام کے لئے مفید ومؤثر بنائے آمین۔

وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب

محمد زکریا اقبال

گلشن اقبال، کراچی

۱۵/ شعبان المعظم ۱۴۲۰ھ

مقدّمہ

اس مقدمہ میں "قصص" کی تعریف، اہمیت و فوائد، قرآنی و حدیثی قصص کے فوائد و خواص بیان کئے جائیں گے۔ لفظِ "قِصص" عربی زبان کا لفظ ہے قاف کے زیر کے ساتھ۔ جو قصہ کی جمع ہے اور عربی زبان میں قصہ کہا جاتا ہے ان روایات شدہ اخبار کو جن میں ماضی کے متعلق کوئی حکایات اور عربی کا پہلو بیان کیا گیا ہو۔ چنانچہ فرمایا کہ:

كذالِكَ نَقُصُّ عليك من أنباءِ ما قَد سَبَق۔ (طہٰ/۹۹)

اسی طرح ہم آپ پر بیان کرتے ہیں گزرے ہوئے واقعات کی خبریں۔

اور فرمایا: نَحنُ نقُصُّ عَلَيكَ أحسَنَ القَصص (یوسف/۳)

ہم بیان کرتے ہیں آپ سے بہترین قصے۔

اہلِ عرب کے ہاں قصص سے مراد سابقہ ادوار اور امتوں میں پیش آمدہ حقیقی واقعات کی تصویر کشی تھی اور ہم دور کی طرح اس زمانہ میں بھی واقعات کو مبالغہ آمیزی کا رنگ چڑھایا جاتا تھا، لیکن قرآن کریم نے ان قصص کو نہ صرف یہ کہ بالکل حقیقی انداز میں بلا کسی رنگ آمیزی اور مبالغہ کے بیان کیا بلکہ قصص کو برائے قصہ بیان کرنے کے بجائے عبرت و نصیحت بیان فرمایا۔

اہلِ عرب نقشِ قدم پر چلنے اور قیافہ شناسی کیلئے "قصص" کا لفظ استعمال کرتے تھے، چنانچہ قیافہ شناس اس شخص کے قدموں کے نشانات پر چلتے تھے جس کی خبر حاصل کرنا ہوتی تھی یہاں تک کہ اس کے قدموں کے نشانات پر چل چل کر اس شخص کو دریافت کر لیا کرتے تھے۔

حکایات و واقعات کے لئے "قصص" کا لفظ اس نسبت سے بولا گیا۔ ہے کیونکہ قصہ گو شخص ان باتوں کے مطابق چلتا ہے جو واقعہ میں پیش آئی تھیں اور واقعہ کو اس کے حقیقی الفاظ و معانی کے مطابق بیان کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں نقشِ قدم پر چلنے کے معنی میں لفظ "قصہ" استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اور یوشعؑ بن نون کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"فار تدّا علیٰ آثارھما قَصَصاً۔ (الکھف/۱۵)

وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر واپس پلٹے۔

قتل کے جرم میں قاتل کو قصاص میں قتل کیا جاتا ہے۔ قصاص بھی اسی سے نکلا ہے کیونکہ قصاص میں قاتل کے فعل قتل کی ہی اتباع کی جاتی ہے، جیسا کام اس نے دوسرے کیساتھ کیا، اسکے ساتھ

بھی ویسا ہی کیا جاتا ہے۔

قصہ گوئی ایک قدیم ادبی فن ہے جو دور اوّل سے لے کر عہدِ جدید تک جاری ہے اور فنون ادبیہ میں قصہ گوئی مختلف مقاصد' اسلوب بیان کی عمدگی اور ذہنِ انسانی کو متأثر کرنے کی صلاحیت کے اعتبار سے منفرد و ممتاز مقام کی حامل ہے' یہی وجہ ہیکہ ہمیں قصہ گوئی کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ملتی ہے جتنی کہ کسی دوسرے ادبی فن کی۔

قصہ کا سب سے اہم فائدہ یہ ہوتا ہیکہ اسکے ذریعہ ایک طرف توانسان کی ذہنی تسکین ہوتی ہے' دوسری طرف اسکا ادبی ذوق پروان چڑھتا ہے اور انسان کے اندر اپنی بات بہتر اور مؤثر انداز میں دوسروں تک پہنچانیکا سلیقہ پیدا ہوتا ہے سوچ اور فکر میں ارتقاء پیدا ہوتا ہے' تجسس کے فطری جذبہ کی تسکین ہوتی ہے' معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور قصہ کے ذریعہ کی گئی بات اوقع فی النفس ہوتی ہے' یعنی دل میں زیادہ بیٹھتی اور راسخ ہوتی ہے' جلدی سمجھ میں آتی ہے۔

ان تمام فوائد کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہی کہ اسکے ذریعہ دین کی دعوت اور تبلیغ کا کام زیادہ مؤثر اور بلیغ انداز میں کیا جاسکتا ہے' یہی وجہ ہیکہ قرآنِ کریم کا ایک بڑا حصہ بلکہ تقریباً ایک تہائی حصہ "قصص اور واقعات" پر مبنی ہے اور اسی لئے قرآن نے انہیں "عبرت' موعظہ اور تذکیر" قرار دیا ہے' چنانچہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

لَقد كانَ فِی قَصَصِهِمْ عِبرةٌ لأولِی الألبابِ(یوسف)

بلا شبہ ان واقعات میں عقل والوں کیلئے عبرت ہے۔

اور ایک مقام پر فرمایا:

وجاءَ كَ فی هٰذهِ الحقُ ومَوعِظةٌوذِكریٰ لِلمؤمنین(یونس)

اور آیاہے اس(کتاب) میں آپکے پاس حق اور نصیحت مومنین کیلئے۔

اسی طرح حدیثِ رسول ﷺ میں بھی واقعات اور قصص کا ایک بڑا ذخیرہ ہمیں ملتا ہے اور انکا مقصد یہی ہیکہ بلیغ انداز میں اسلام کی دعوت لوگوں تک پہنچائی جائے۔

بہر کیف! یہ ایک حقیقت ہیکہ قصہ گوئی ایک بہت مؤثر قوت اور ابلاغ کا ذریعہ ہے جس سے اصلاحِ معاشرہ کا کام بہتر انداز سے لیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اسمیں مبالغہ آرائی سے گریز کیا جائے۔

﴿حصہ اول﴾

انبیاءو پیغمبروں
کے ایمان افروز واقعات

پہلا قصہ ﴿۱﴾

حضرت آدمؑ کے انکار اور بھول کا عجیب قصہ

تمہید

ماہرینِ آثار قدیمہ اس دور میں گم گشتہ تہذیبوں اور عہد رفتہ کی اقوام کے حالات اور ان کی طرز زندگی پر تحقیق کررہے ہیں تاکہ آدم کی موجودہ نسل اپنے آباء واجداد کی زندگی اور ان کے طور طریقوں کو معلوم کرسکے۔ لیکن باوجود اسکے کہ ان کی تحقیقات اور ریسرچ نے انہیں اس بارے میں کسی حد تک معلومات ضرور پہنچائی ہیں یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ علم آثار قدیمہ ایک تخمینی علم ہے جسکی تحقیق یقینی نہیں اور حقیقت حال کو واضح اور قطعی نہیں بتاتی' علاوہ ازیں وہ ان بیشمار آسمانی علوم تک رسائی سے محروم ہے جس تک بغیر وحی الٰہی کی رہنمائی کے انسان کی رسائی ناممکن ہے۔

وحی الٰہی وہ واحد راستہ ہے جو عہد رفتہ کی ان قدیم اقوام کے حالات کو مکمل طور پر تحقیق اور یقین کے ساتھ انسان کے سامنے پیش کرتی ہے' وحی الٰہی کی سادہ مگر قطعی طور پر یقینی باتیں درحقیقت ایک ایسی علم وخبیر ہستی کی طرف سے نازل ہونے والا علم ہے جسکی نظر سے زمین وآسمان کا کوئی گوشہ اور ذرّہ مخفی نہیں ہے۔

زیر نظر حدیث رسول اللہ ﷺ میں بھی بنی نوع انسان کی ابتدا کی تصویر کشی کی گئی ہے یہ حدیث ایک طرف ابوالانسان آدم علیہ السلام اور ان کی جبلّت و خصلت کے متعلق روشنی ڈالتی ہے اور ان کی بعض خصوصیات کو بتلاتی ہے جو بعد میں انسان کے اندر موروثی طور پر پیدا ہوئیں اور دوسری طرف حدیث میں بعض شرائع اور آسمانی دساتیر حیات کا بھی ذکر ہے جو آدم علیہ السلام اور بعد میں ان کی ذریت کیلئے لازم قرار پائے۔

نص الحدیث:

روى الترمذي في سننه عَنْ أَبي هُرَيْرَةَ: قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: (لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ مَسَحَ ظَهْرَهُ، فَسَقَطَ مِنْ ظَهْرِهِ كُلُّ نَسَمَةٍ هُوَ خَالِقُهَا مِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَجَعَلَ بَيْنَ عَيْنَيْ كُلِّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ وَبِيصًا مِنْ نُورٍ، ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى آدَمَ، فَقَالَ: أَيْ رَبِّ، مَنْ هَؤُلَاءِ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ.

فَرَأَى رَجُلًا مِنْهُمْ، فَأَعْجَبَهُ وَبِيصُ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ، فَقَالَ أَيْ رَبِّ مَنْ هَذَا؟ فَقَالَ: هَذَا رَجُلٌ مِنْ آخِرِ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ، يُقَالُ لَهُ: دَاوُدُ، فَقَالَ: رَبِّ، كَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهُ؟ قَالَ: سِتِّينَ سَنَةً، قَالَ: أَيْ رَبِّ، زِدْهُ مِنْ عُمْرِي أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَلَمَّا

قُضِيَ عُمْرُ آدَمَ جَاءَهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَقَالَ: أَوَلَمْ يَبْقَ مِنْ عُمْرِي أَرْبَعُونَ سَنَةً ؟ قَالَ: أَوَلَمْ تُعْطِهَا ابْنَكَ دَاوُدَ ؟ قَالَ: فَجَحَدَ آدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَنَسِيَ آدَمُ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَخَطِئَ آدَمُ فَخَطِئَتْ ذُرِّيَّتُهُ) .

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

وروى الترمذي أيضا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ (لَمَّا خَلَقَ اللهُ آدَمَ، وَنَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ عَطَسَ، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَحَمِدَ اللهَ بِإِذْنِهِ، فَقَالَ لَهُ رَبُّهُ: يَرْحَمُكَ اللهُ يَا آدَمُ، اذْهَبْ إِلَى أُولَئِكَ الْمَلَائِكَةِ، إِلَى مَلَأٍ مِنْهُمْ جُلُوسٍ فَقُلْ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، قَالُوا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَى رَبِّهِ، فَقَالَ: إِنَّ هَذِهِ تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ بَنِيكَ بَيْنَهُمْ.

فَقَالَ اللهُ لَهُ وَيَدَاهُ مَقْبُوضَتَانِ: اخْتَرْ أَيَّهُمَا شِئْتَ، قَالَ: اخْتَرْتُ يَمِينَ رَبِّي، وَكِلْتَا يَدَيْ رَبِّي يَمِينٌ مُبَارَكَةٌ، ثُمَّ بَسَطَهَا، فَإِذَا فِيهَا آدَمُ وَذُرِّيَّتُهُ، فَقَالَ: أَيْ رَبِّ، مَا هَؤُلَاءِ ؟ فَقَالَ: هَؤُلَاءِ ذُرِّيَّتُكَ، فَإِذَا كُلُّ إِنْسَانٍ مَكْتُوبٌ عُمْرُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، فَإِذَا فِيهِمْ رَجُلٌ أَضْوَؤُهُمْ، أَوْ مِنْ أَضْوَئِهِمْ، قَالَ يَا رَبِّ، مَنْ هَذَا؟ قَالَ: هَذَا ابْنُكَ دَاوُدُ، قَدْ كَتَبْتُ لَهُ عُمْرَ أَرْبَعِينَ سَنَةً. قَالَ يَا رَبِّ، زِدْهُ فِي عُمْرِهِ، قَالَ: ذَاكَ الَّذِي كَتَبْتُ لَهُ، قَالَ: أَيْ رَبِّ، فَإِنِّي قَدْ جَعَلْتُ لَهُ مِنْ عُمْرِي سِتِّينَ سَنَةً، قَالَ: أَنْتَ وَذَاكَ.

قَالَ: ثُمَّ أُسْكِنَ الْجَنَّةَ مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ أُهْبِطَ مِنْهَا، فَكَانَ آدَمُ يَعُدُّ لِنَفْسِهِ. قَالَ: فَأَتَاهُ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَقَالَ لَهُ آدَمُ: قَدْ عَجَّلْتَ، قَدْ كُتِبَ لِي أَلْفُ سَنَةٍ، قَالَ: بَلَى، وَلَكِنَّكَ جَعَلْتَ لِابْنِكَ دَاوُدَ سِتِّينَ سَنَةً، فَجَحَدَ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهُ، وَنَسِيَ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهُ، قَالَ: فَمِنْ يَوْمِئِذٍ أُمِرَ بِالْكِتَابِ وَالشُّهُودِ).

قَالَ الترمذي « هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، مِنْ رِوَايَةِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ».

ترجمۃ الحدیث

امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا جس کے نتیجہ میں وہ تمام انسانی جانیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا کرنا مقرر فرمایا تھا نکل پڑیں اور ہر انسان کی آنکھوں کے سامنے روشنی کا ایک ہالہ یا چمک سی تھی۔ پھر ان تمام انسانی جانوں کو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اے میرے رب! یہ سب کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ سب تمہاری اولاد ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کی آنکھوں کے درمیان پیشانی چمک رہی تھی جس نے انہیں تعجب میں ڈال دیا اور فرمایا: اے میرے رب! یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ تمہاری اولاد میں سے وہ شخص ہے جو آخری امتوں میں سے ہوگا اسے داؤد کہا جائے گا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے رب! آپ نے اس کی عمر کتنی متعین فرمائی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ساٹھ برس۔ اس کی عمر میں چالیس برس کا اضافہ میری عمر میں سے کر دیجئے (یعنی میری عمر میں سے چالیس برس کم کر کے اسے دے دیں)۔

پھر جب آدم علیہ السلام کی اجل آپہنچی تو ملک الموت ان کی روح قبض کرنے تشریف لائے۔ آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ: کیا میری عمر کے چالیس برس ابھی باقی نہیں ہیں؟ ملک الموت نے فرمایا کہ کیا وہ آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیئے تھے؟ جواب میں آدم علیہ السلام نے اس سے انکار فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا انکار ان کی پوری اولاد میں آگیا اور وہ بھی منکر ہوئی اور آدم علیہ السلام کو یہ بات بھلادی گئی جس کے نتیجہ میں نسیان کا مرض ان کی اولاد میں بھی پیدا ہو گا اور آدم علیہ السلام نے لغزش کھائی تو ان کی اولاد نے بھی لغزشیں کیں۔ (امام ترمذیؒ نے اس کو "حسن صحیح" فرمایا ہے)۔

اسی طرح ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب اللہ جل شانہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونکی تو وہ چھینک پڑے اور فرمایا کہ الحمد للہ! اور اللہ کے حکم سے ہی الحمد للہ کہا۔ رب کریم نے ان کے جواب میں فرمایا کہ: اے آدم! اللہ تم پر رحم فرمائے۔ جاؤ وہ ملائکہ کی ایک جماعت بیٹھی ہے وہاں جاؤ اور جا کر کہو السلام علیکم (چنانچہ انہوں نے یہی کہا) فرشتوں نے جواب میں کہا کہ: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ حضرت آدم علیہ السلام واپس اپنے رب کے پاس تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا آپس میں سلام ہے"۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی دونوں بند مٹھیوں کی طرف اشارہ کر کے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: ان دونوں میں سے جسے چاہو اختیار کر لو۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ: میں نے اپنے رب کا

دایاں ہاتھ اختیار کیا اور میرے تو رب کے دونوں ہاتھ دائیں ہی ہیں' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مٹھیاں پھیلائیں تو ان میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد تھی۔ انہوں نے پوچھا کہ اے میرے رب! یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ تمہاری اولاد ہے' انہوں نے دیکھا کہ ہر انسان کی عمر اس کی پیشانی پر لکھی ہوئی ہے' ان میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ ان میں سب سے زیادہ روشن اور چمکدار ہے۔ پوچھا کہ اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا کہ یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے میں نے اس کی عمر چالیس برس لکھی ہے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے رب! ان کی عمر میں ساٹھ سال کا اضافہ میری عمر میں سے کر دیجئے فرمایا کہ تم جانو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: تم جنت میں رہو جب تک اللہ چاہے۔ پھر اللہ نے انہیں جنت سے زمین کی طرف اتارا۔ (زمین پر اترنے کے بعد) آدم علیہ السلام اپنی عمر کے سال شمار کرتے تھے۔ پھر ان کے پاس ملک الموت آئے تو آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے آنے میں جلدی کی میری عمر تو ہزار برس مقرر کی گئی ہے۔ ملک الموت نے کہا کہ بالکل کیوں نہیں۔ البتہ آپ نے اپنے بیٹے داؤد کو اپنی عمر میں سے ساٹھ برس دے دیئے تھے۔ آدم علیہ السلام نے ان کی اس بات سے انکار کیا تو (اسکا نتیجہ یہ نکلا کہ) ان کی اولاد نے بھی انکار کی ریت اپنائی' وہ بھول گئے تو نسیان ان کی اولاد میں بھی ہوا اور اسی دن سے حکم ہوا کہ (معاملات کو) لکھ لیا جائے اور گواہ مقرر کر لیئے جائیں (تا کہ بعد میں انکار کی نوبت نہ آئے)۔

تخریج الحدیث

رواہ الترمذی رکتاب التفسیر' باب من سورۃ الأعراف۔ ۴/۲۶۷' باب من سورۃ المعوذتین۔ ۴/۵۴۹

تشریح الحدیث

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کامل اور درست طریقہ سے تخلیق فرمایا' ایسا نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ انسانی ارتقائی سفر طے کرتے کرتے اس موجودہ مرحلہ تک پہنچا ہے' پہلے یہ اس شکل میں نہیں تھا' جیسا کہ بعض مغربی دانشوروں مثلاً ڈارون وغیرہ کی یہی رائے ہے کہ پہلے انسان ابتداً بندر کی شکل میں تھا' پھر آہستہ آہستہ تدریجی مراحل سے گزرتا گزرتا ارتقاء کا سفر طے کرتے کرتے اب موجودہ انسانی شکل تک پہنچا ہے۔ یہ نظریہ سراسر غیر اسلامی اور باطل ہے حقیقت کے خلاف اور تمام آسمانی شرائع کی تعلیمات سے متصادم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے انسان کو مکمل' عاقل' متکلم' باشعور' صحیح وغلط' حق وباطل' نیک وبد میں تمیز کرنے والا اور ہر کہی جانے والی بات کو سمجھنے والا اور دریافت طلب بات کا مناسب جواب دینے والا بنایا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو بنایا اور ان میں روح پھونکی تو اس کے نتیجہ میں انہیں چھینک آئی۔

جس پر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم پر اللہ رحم فرمائے (یہ جملہ خود اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں لیکن چونکہ تعلیم مقصود ہے لہٰذا یوں نہیں فرمایا کہ: میں تم پر رحم کروں بلکہ بطور تعلیم کے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تم پر رحم فرمائے۔ تاکہ آئندہ کے لئے ہر چھینکنے والے کے الحمد للہ کے جواب میں یہی جملہ کہا جائے) پھر ان سے کہا کہ وہ ملائکہ کے ایک اجتماع کی طرف چلیں۔ آدم علیہ السلام نے ملائکہ کے مجمع کو سلام کیا تو انہوں نے اس سے زیادہ بہتر جواب دیا۔ آدم علیہ السلام چلتے پھرتے، سنتے اور گفتگو کرتے تھے، چھینک وغیرہ بھی جو بشری ضروریات میں سے ہے انہیں آتی تھی، عاقلانہ کلام کرتے اور ہر بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

اس حدیث میں جو بات قابلِ غور ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے آدم کے ساتھ کیسی رعایت فرمائی کہ جب آدمؑ نے چھینکنے کے بعد الحمد للہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے آدم! تم پر اللہ رحم فرمائے"۔ اور جس پر اس کا رب رحم فرمادے تو اسے اس کی حفاظت، اس کی تکریم اور رعایت حاصل ہو گئی، اور اللہ تعالیٰ اپنے گناہ گار بندہ کی توبہ کو قبول فرماتا ہے جب کہ وہ اس کی طرف پھر جائے اور اس کی جانب اپنا رخ پھیر لے، اللہ عزّ و جل ہماری تقصیرات کو معاف فرمائے اور ہمیں ایمان و یقین کی قوت عطا فرمائے۔ آمین اور ہمارے دشمن (شیطان) کو ہم سے دور فرمائے۔ آمین

اللہ جل شانہ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد و ذریّت کے لئے جنت میں یہ امر مشروع فرمایا کہ جب چھینک آئے تو اللہ کی تعریف کرتے ہوئے الحمد للہ کہیں اور جب چھینکنے والا الحمد اللہ کہے تو سننے والا تشمیت کرے یعنی یرحمک اللہ کہے۔ ان کیلئے اور انکی اولاد و ذرّیت کے لئے باہمی میل ملاپ کی دعا "سلام" مقرر فرمایا۔

اسی طرح حدیث میں ہمارے رسول ﷺ نے ہمیں بتلایا کہ ہمارے رب نے حضرت آدمؑ کی پشت پر ہاتھ (جیسا بھی اس کی شان کے لائق ہے) پھیرا تو ان کی پُشت میں سے ان کی تمام اولاد جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے نکل پڑی اور اللہ ربّ العالمین نے اس ساری مخلوقات کو دائیں مٹھی میں بند کر لیا اور اللہ ربّ العالمین کے دونوں ہی ہاتھ دائیں ہیں۔ پھر جب اس بند مٹھی کو کھولا تو اس میں آدم علیہ السلام اور ان کی تمام آنے والی اولاد تھی۔

جب حضرت آدمؑ نے اپنے بعد پیدا ہونے والی مخلوق کو دیکھا تو انہیں ہر ایک کی آنکھوں کے درمیان ایک نور (روشنی) دکھائی دی یعنی کہ ان کی پیشانیوں پر ان کی عمریں بھی لکھی دکھائی دیں اور ان میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا نور بہت ہی اچھا ہے۔ انہوں نے اس کے متعلق پوچھا تو بتلایا گیا کہ وہ بھی ان کی اولاد میں سے ایک ہیں جو آخری امت میں سے ہوں گے اور ان کا نام داؤدؑ ہے اور ان کی عمر ساٹھ برس ہے۔ ایک روایت میں چالیس برس کا ذکر ہے لیکن صحیح پہلی ہی روایت ہے۔ آدمؑ کو داؤد کی

عمر کم لگی تو انہوں نے اپنے رب سے مطالبہ کیا کہ ان کی عمر میں اضافہ فرمائیں' اللہ نے فرمایا کہ ہماری طرف سے جو عمر مقرر کر دی گئی ہے وہی ہو گی اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا تو آدمؑ نے اپنی عمر میں سے چالیس برس داؤد کو ہبہ کر دیئے تا کہ ان کی عمر کے سو برس مکمل ہو جائیں۔ حدیث سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو ان کی مقرر عمر بتلادی تھی کہ وہ ہزار برس زندہ رہیں گے۔ چنانچہ جب ان کی عمر کے نو سو ساٹھ ۹۶۰ برس گذر گئے تو ملک الموت ان کی روح قبض کرنے آئے۔ حضرت آدمؑ نے ان کے اوپر اعتراض کیا اور اپنی مقررہ عمر سے قبل روح قبض کئے جانے پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ اپنی عمر کے ماہ و سال شمار کرتے تھے' جب انہوں نے اس پر اعتراض کیا تو ملک الموت نے انہیں یاد دلایا کہ آپ نے اپنی عمر میں سے چالیس برس تو اپنے بیٹے داؤد کو ہبہ کر دیئے تھے' لیکن آدمؑ نے اس کا انکار کیا کہ انہوں نے اپنی عمر کے چالیس برس کسی کو ہبہ کئے تھے اور آدم علیہ السلام بھول گئے تھے اور ان کا انکار نسیاناً تھا عصیاناً نہیں تھا' چنانچہ آدم علیہ السلام کی اس بھول کا توریثی اثر ان کی ذریت پر بھی پڑا اور نسیان بنی آدم کا خاصہ بن گیا۔ انسانوں نے اپنے باپ آدمؑ کی طرح انکار کیا اور جس طرح وہ بھول گئے اسی طرح انسان بھی دنیا میں آکر اللہ کے عہد کو بھول گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ جل شانہ' نے ہر معاملہ کے وقت اسے لکھنے اور گواہ بنا لینے کو لازم فرمایا تا کہ انکار کرنے والوں کا انکار اور بھولنے والوں کی بھول کو دور کیا جا سکے۔

چند عبرت و نصائح

(۱) حدیث سے سب سے پہلا فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ انسان کی تخلیق کے متعلق جو غیر اسلامی اور غیر فطری نظریات مغربی دانشوروں کی جانب سے لوگوں کے ذہنوں میں بٹھائے گئے کہ انسان کی سب سے پہلی اور ابتدائی تخلیق ایسی نہیں تھی جیسے اب ہے بلکہ ابتداءً انسان ایک جانور تھا بندر کی شکل کا۔ پھر رفتہ رفتہ اس نے ارتقائی سفر طے کیا اور تہذیب کے مختلف مراحل سے گزر کر اپنی اس موجودہ شکل تک پہنچا۔ ڈارونی نظریہ کو جو ایک بے دین گمراہ' فلسفی کی اپنی ذہنی اختراع کا نتیجہ ہے' اگرچہ اہلِ مغرب نے بہت زیادہ فروغ دینے کی کوشش کی اور بہت سے ایمان والے مسلمان ذہنوں نے بھی اس کو قبول کیا لیکن حقیقتِ واقعہ تو اللہ رب العالمین جو خالق ہیں انسان کے اور انسان کو اشرف المخلوقات کا شرف عطا فرمانے والے ہیں وہ چودہ صدیاں قبل ہی بتلا چکے ہیں' نبی کریم ﷺ کی زبان اس حقیقت کا اظہار فرمادیا کہ انسان روز اوّل ہی سے مکمل صحیح صورت میں تخلیق کیا گیا' اپنی تمام تر جسمانی و ذہنی و اخلاقی صفات کے ساتھ مکمل پیدا کیا گیا۔ اور انسان کی تخلیق جیسی ابتدا میں تھی وہی انتہا میں بھی ہو گی اور جیسی انتہا میں ہو گی وہی ابتدا میں بھی تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے اعتبار سے کامل فرمایا تھا' ان میں خلقت

کے اعتبار سے کوئی نقص نہ تھا نہ ذہنی نہ جسمانی' بلکہ ان کی کمال خلقت کا عالم یہ تھا کہ ان کا قد ساٹھ ذراع (گز) تھا' اور ان کے بعد سے جتنے بھی انسان آتے رہے ان کے قدامت میں بتدریج کمی آگئی یہاں تک کہ موجودہ قد و قامت پر آکر انسان کا قد ٹھہر گیا اور قیامت کے روز اللہ جل شانہ' تمام اہلِ جنت کو جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں داخل کریں گے یعنی سب کا قد حضرت آدم علیہ السلام جتنا ہوگا۔

چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا: ان کا قد ساٹھ ذراع (گز) تھا' پھر ان سے فرمایا کہ جاؤ ان ملائکہ کو سلام کرو اور جو جواب دیں اسے غور سے سنو کہ وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا باہمی سلام ہے۔ آدم علیہ السلام نے جا کر کہا: السلام علیکم تو فرشتوں نے جواب میں کہا: السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ انہوں نے رحمۃ اللہ کے الفاظ زیادہ کہے اور جنت میں جو شخص بھی داخل ہوگا وہ آدم علیہ السلام کی صورت (قامت) پر داخل ہوگا اور ان کے بعد سے اب تک مسلسل انسان کے قامت میں کمی ہوتی رہی"۔ (بخاری ۱۱/۳= مسلم ۴/۲۱۸۳)

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مرحلہ وار نہیں تھی بلکہ ایک ہی مرحلہ میں کامل تخلیق کی گئی تھی لیکن بعد کے انسانوں کی تخلیق ایک مکمل تدریجی مرحلہ ہے جس کی ابتداء رحمِ مادر میں نطفہ کی صورت ہوتی ہے اور پھر "علقہ' پھر مضغہ" پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کے مراحل سے گذر کر نفخِ روح (جان پڑنے کے مرحلے کے بعد) انسان کی تخلیق پوری ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اسے دنیاوی وجود (جسم) عطا فرماتے ہیں۔

(۲) حدیثِ بالا سے دوسری بات معلوم ہوئی کہ انسانی خصوصیات خواہ وہ مزاجی ہوں یا جسمانی یا ذہنی ان سب کا تعلق موروثی طور پر حضرت آدم علیہ السلام سے ہی ہے۔ مثلاً نسیان اور انکار وغیرہ اور اپنے فائدہ کے لئے بات کو رد کر دینا جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے عمر کی تکمیل کے لئے اپنی ہبہ کی ہوئی عمر کا انکار کیا اگرچہ انکا یہ انکار عصیاناً اور نافرمانی پر مبنی نہیں تھا بلکہ انہیں بھول گیا تھا۔

بہر کیف انسانی خواص و مزاج حضرت آدم علیہ السلام ہی سے موروثی طور پر منتقل ہوتا رہا ہے۔

(۳) تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ باہمی میل ملاقات کے وقت سلام کرنا' چھینکنے پر الحمد للہ کہنا اور اس کا جواب یرحمک اللہ کہنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام ادیان و شرائع میں مشترک ہیں کیونکہ یہ ہمارے باپ آدم علیہ السلام کی میراث میں سے ہے۔

(۴) حدیث سے "ایمان بالقدر" بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ علیم و خبیر ہے ہر ذی روح کی عمر مقرر فرمادی ہے ازاں میں اور کوئی اس سے زائد زندگی نہیں پاسکتا۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء کا ثبوت بھی حدیث سے ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں اللہ جل شانہ کے دائیں ہاتھ کا ذکر ہے۔ لیکن اللہ جل شانہ کا یہ اعضاء انسانوں اور دیگر مخلوقات کے اعضاء کی طرح مادّی نہ ہوں گے کیونکہ وہ مادّہ سے پاک ہے اور جسم کا محتاج نہیں' وہ نور ہے اور نور اعراض میں سے ہے اعراض وہ ہوتے ہیں جنہیں جسم کی حاجت نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کے اعضاء مادّی نہیں ہیں لیکن پھر کیسے ہیں؟ تو کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیسے ہیں بس کما یلیق بشانہٖ (جیسے اس کی شانِ عالی کے مناسب ہوں) یہ یقین رکھنا ضروری ہے۔

اہلِ السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہی ہے کہ احادیث و آثار میں جہاں کہیں اللہ جل جلالہ' کے اعضاء مثلاً ہاتھ' پاؤں' انگلیوں وغیرہ کا ذکر ہے تو ان سے مادّی اعضاء مراد نہیں ہیں' وہ اعضاء اللہ کی شان کے مطابق ہوں گی جن کی کیفیت' کمیّت کو کوئی نہیں جانتا۔ نہ ان کا انکار کرنا جائز ہے۔ جیسے بعض لوگوں نے ان احادیث کا ہی انکار کردیا گویا نہ تکییف (اللہ کے اعضاء کی ظاہری صورت متعین کرنا) جائز ہے نہ ہی تعطیل (کہ ان احادیث کو معطّل مانا جائے اور ان پر یقین نہ رکھا جائے)

لیس کمثلہ شیئی وھو السمیع البصیر۔

(۶) اسی طرح اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کی عظمت کا بھی حدیث سے اظہار ہوتا ہے اور ان کے ایمان کے عظیم ہونے کا بھی جس پر ان کی پیشانی کا قوی اور واضح نور دلالت کرتا ہے۔

(۷) اس کے علاوہ حدیث سے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ عمر کے سال اور حساب شمار کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی عمر کے سالوں کا حساب کر رکھا تھا۔

(۸) معاملات اور لین دین میں تحریر اور گواہی کا اہتمام بھی حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے' قرآن کریم میں بھی اس کو اہتمام سے بیان کیا گیا ہے' چنانچہ شریعتِ اسلامیہ کا حکم یہی ہے کہ باہمی تنازعات اور ناگواری سے بچنے کیلئے کسی بھی معاملہ کے وقت ''کتابت و شہود'' تحریر اور گواہوں کا اہتمام کرنا چاہئے۔

انسانی فطرت وجبلّت میں نسیان (بھولنا) اور انکار کرنا شامل ہے جس میں آدمؑ کی تمام اولاد مشترک ہے اور اسلامی شریعت کے اس حکم کو آج پوری دنیا میں نہ صرف یہ کہ تسلیم کیا گیا ہے بلکہ پوری دنیا میں اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ اگرچہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں آدم کی اولاد نے دھوکہ دہی' جعل سازی' اور لوٹ مار کے نت نئے طریقہ ایجاد کرلئے ہیں لیکن معاملات میں کتابت و شہود کی اہمیت روزِ اول کی طرح آج بھی مسلّم ہے۔

دوسرا قصہ ﴿۲﴾

اللہ کے نبی حضرت آدم علیہ السلام کی موت کا واقعہ

تمہید

حیاتِ آدم کے آخری لحات کے حالات کائنات کے انسانِ اوّل کے آخری وقت کے جاں گداز لحات کا زبانِ نبوت سے بیان جو ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ انسانِ اوّل کی تجہیز و تکفین انسان کے ہاتھوں نہیں بلکہ نوری مخلوق قدسیوں کے ہاتھوں ہوئی اور انسانیت کو پہلی مرتبہ تجہیز و تکفین اور تدفین کا وہ ساوی طریقہ بتلایا گیا جو انسانیت کے احترام اور آدمیت کی عزت و توقیر کا سب سے باعظمت طریقہ ہے' بعد میں انسانیت نے مردہ کو ٹھکانے لگانے کے جتنے طریقے اپنائے' جلا کر راکھ کرنے سے لیکر سوٹ بوٹ پہنا کر زمین میں دفن کرنے تک وہ سب آدمیت کے احترام اور انسانیت کی عظمت کو روندنے والے ہیں۔ جو شریعتِ مقدمہ مُردوں کو اتنا احترام دیتی ہو' زندوں کا کیا کچھ احترام اس نے نہ بتایا ہوگا۔

نص الحدیث:

عَنْ عُتَيٍّ[1] قَالَ رَأَيْتُ شَيْخًا بِالْمَدِينَةِ يَتَكَلَّمُ فَسَأَلْتُ عَنْهُ، فَقَالُوا: هَذَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، فَقَالَ: (إِنَّ آدَمَ عليه السلام، لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ، قَالَ لِبَنِيهِ: أَيْ بَنِيَّ، إِنِّي أَشْتَهِي مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، فَذَهَبُوا يَطْلُبُونَ لَهُ فَاسْتَقْبَلَتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَمَعَهُمْ أَكْفَانُهُ وَحَنُوطُهُ، وَمَعَهُمُ الْفُؤُوسُ وَالْمَسَاحِي، وَالْمَكَاتِلُ.

فَقَالُوا لَهُمْ: يَا بَنِي آدَمَ مَا تُرِيدُونَ وَمَا تَطْلُبُونَ؟ أَوْ مَا تُرِيدُونَ؟ وَأَيْنَ تَذْهَبُونَ؟ قَالُوا: أَبُونَا مَرِيضٌ، فَاشْتَهَى مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، قَالُوا لَهُمُ ارْجِعُوا فَقَدْ قُضِيَ قَضَاءُ أَبِيكُمْ.

فَجَاءُوا فَلَمَّا رَأَتْهُمْ حَوَّاءُ عَرَفَتْهُمْ، فَلَاذَتْ بِآدَمَ، فَقَالَ: إِلَيْكِ إِلَيْكِ عَنِّي، فَإِنِّي إِنَّمَا أُوتِيتُ مِنْ قِبَلِكِ، خَلِّي بَيْنِي وَبَيْنَ مَلَائِكَةِ رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى، فَقَبَضُوهُ، وَغَسَّلُوهُ، وَكَفَّنُوهُ، وَحَنَّطُوهُ، وَحَفَرُوا لَهُ، وَأَلْحَدُوا لَهُ، وَصَلَّوْا عَلَيْهِ، ثُمَّ دَخَلُوا قَبْرَهُ، فَوَضَعُوهُ فِي قَبْرِهِ، وَوَضَعُوا عَلَيْهِ اللَّبِنَ، ثُمَّ خَرَجُوا مِنَ الْقَبْرِ، ثُمَّ حَثَوْا عَلَيْهِ التُّرَابَ، ثُمَّ قَالُوا: يَا بَنِي آدَمَ هَذِهِ سُنَّتُكُمْ).

---

(۱) هو ابن ضمرة السعدي.

ترجمة الحدیث

عُتَی بن ضمرہ السعدی کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ منورہ میں ایک شیخ کو گفتگو کرتے ہوئے دیکھا تو ان کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ اُبیؓ بن کعب (مشہور صحابی) ہیں' انہوں نے فرمایا کہ:

"حضرت آدم علیہ السلام کی موت کا جب وقت ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ: اے میرے بیٹو! میرا دل جنت کے پھل کھانے کو چاہ رہا ہے (دنیا میں آنے سے قبل جنت میں رہتے تھے اور جنت کے پھل میوے کھاتے تھے تو موت کے وقت انہی کی خواہش ہوئی) بیٹے جنت کے پھلوں کی طلب و تلاش میں نکلے تو راستہ میں انہیں فرشتے ملے۔ ملائکہ کے پاس آدم علیہ السلام کا کفن' خوشبو' کلہاڑیاں' تلواریں اور نیزے بھی تھے۔ فرشتوں نے ان سے پوچھا کہ اے آدم کے بیٹو! تم کس چیز کی طلب و تلاش میں ہو؟ تم کیا چاہتے ہو؟ اور کہا جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے والد (آدم علیہ السلام) بیمار ہیں اور ان کا دل جنت کے پھل کھانے کو چاہ رہا ہے۔

فرشتوں نے کہا کہ واپس چلے چلو' تمہارے والد کی قضا آچکی ہے۔ چنانچہ وہ واپس ہو گئے' جب حواء علیہا السلام نے فرشتوں کو دیکھا تو انہیں پہچان گئیں (اور سمجھ گئیں کہ روح قبض کرنے آئے ہیں) تو وہ آدم علیہ السلام سے لپٹ گئیں' آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ: دور ہو جاؤ مجھ سے دور ہو جاؤ۔ تمہاری جانب سے تو مجھے اس سے قبل دھوکہ ہو چکا ہے۔ میرے اور میرے رب کے فرشتوں کے درمیان سے راستہ چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کر لی' انہیں غسل دیا' کفن پہنایا' خوشبو لگائی' پھر ان کے لئے قبر کھودی اور لحد (سیدھی قبر) بنائی۔ پھر ان پر نماز پڑھی پھر ان کی قبر میں داخل ہو کر انہیں قبر میں رکھا' بعد ازاں ان کی قبر پر اینٹیں رکھ کر بند کر دیا' قبر سے نکل آئے اور اس پر مٹی ڈالی بعد ازاں کہنے لگے: اے آدم کے بیٹو! تمہارا یہی طریقہ ہوگا (مردوں کی تکفین و تجہیز کا)۔

تخریج الحدیث:

زوائد المسند/رواہ عبداللہ بن الإمام احمد۔۵/۱۳۶۔

قال ابن کثیرؒ: "اسناد صحیح الیہ"۔ البدایہ والنہایۃ ۱/۹۸۔

قال الہیثمی: "رجالہ رجال الصحیح غیر عتیّ بن ضمرہ وھو ثقۃ"۔ مجمع الزوائد۔۸/۱۹۹۔

تشریح الحدیث

اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جب ان کی موت کا وقت ہوا تو ان کا دل چاہا کہ جنت کے پھل کھائیں جس زندگی کی ابتداء میں جنت کے پھلوں کو کھاتے

رہے اسی زندگی کے اختتام پر دل چاہا کہ جنت کے پھل میوے استعمال کریں' اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی جنت کی صحبت کا اندازہ ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ سب سے اوّلین انسان وہی تھے جو جنت کے باسی بنے جنت کی نعمتوں کو نہ صرف دیکھا بلکہ برتا بھی' ان سے ایک عرصہ تک فائدہ بھی اٹھایا تو جو جنت کی پاکیزہ اور خوبصورت زندگی سے لطف اٹھا چکا ہو وہ کیسے جنت سے غافل ہو سکتا ہے؟

غرض انہوں نے یہ خواہش اپنے بیٹوں سے کی تو وہ اس خواہش کی تکمیل کے لئے نکل کھڑے ہوئے راہ میں انہیں فرشتوں کی ایک جماعت ملی جو انسانی صورتوں میں تھے اور ان کے پاس ہر وہ چیز موجود تھی جس کی کسی ایک میت کو ضرورت ہو سکتی ہے' کیونکہ اس سے قبل موت کا واقعہ انسانی زندگی میں پیش نہیں آیا تھا لہٰذا موت کے بعد میت کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ کس طرح کیا جائے؟ اس کی تعلیم دینے کے لئے اللہ جل جلالہ' نے فرشتوں کی ایک جماعت کو انسانی صورت میں بھیجا تو وہ تمام ضروریات تجہیز و تکفین اور تدفین دے کر آئے مثلاً کفن' خوشبو' قبر کھودنے کے لئے کلہاڑی وغیرہ لے کر آئے۔ بہر کیف جب حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں سے فرشتوں کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ تم کہاں اور کس مقصد کے لئے جا رہے ہو؟ انہوں نے بتلادیا کہ ہمارے والد کی یہ خواہش ہے کہ جنت کے پھل کھائیں تو فرشتوں نے کہا کہ ان کی اجلِ مقررہ آپہنچی ہے اور اب وہ دنیوی زندگی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے' ملک الموت جب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے تو حواء علیہا السلام نے انہیں پہچان لیا کہ یہ موت کے فرشتے ہیں اور آدم علیہ السلام کی روح قبض کرنے آئے ہیں' چنانچہ گھبراہٹ کے مارے بے اختیار وہ آدم علیہ السلام سے چمٹ گئیں' آدم علیہ السلام نے ان کو ڈپٹ کر فرمایا کہ: دور ہو جاؤ مجھ سے دور ہو جاؤ تمہاری وجہ سے مجھے اس سے قبل بھی مصیبت پہنچ چکی ہے' اس سے اشارہ تھا اس بات کی طرف کہ جنت میں شجر ممنوعہ کے کھانے کی وجہ بھی حضرت حواء علیہا السلام ہی تھیں لہٰذا انہوں نے ڈپٹ کر فرمایا کہ مجھ سے دور ہو جاؤ اور میرے اور میرے رب کے فرشتوں کے درمیان حائل نہ ہو وہ مجھے میرے رب سے ملانے کا ذریعہ ہیں۔

غرض اس کے بعد فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کی' اور ان کی تجہیز و تکفین کی' آدم علیہ السلام کے بیٹے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے' فرشتوں نے غسل دیا کفن پہنایا خوشبو لگائی' پھر قبر کھودی جو لحد تھی۔ قبر دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو لحد دوسری شق' جس کو اردو میں بغلی قبر کہا جاتا ہے' عام طور سے جو قبریں کھودی جاتی ہیں وہ "لحد" ہوتی ہیں جب کہ بعض جگہ جہاں سخت زمین ہو یا چھوٹے اور نابالغ بچوں کے لئے شق یعنی بغلی قبر کھودی جاتی ہے جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ قبر کھود کر پھر اس کی بائیں طرف کی دیوار میں ایک دوسرا گڑھا میت کی لمبائی جتنا کھودا جاتا ہے جس میں میت بآسانی سما سکے' اسے شق یا بغلی قبر کہا جاتا ہے۔

بہر کیف! ان کی قبر کھود کر نماز جنازہ پڑھی بعد ازاں انہیں قبر میں رکھا گیا' پھر قبر میں اینٹیں رکھ کر اسے بند کیا اور اس پر مٹی ڈال کر قبر بنادی پھر آدم علیہ السلام کے بیٹوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ: اے بنی آدم! اپنے مردوں کے لئے اللہ نے تمہارے واسطے یہی طریقہ پسند فرمایا ہے' چنانچہ تمام انبیاء ورسل کی شرائع میں تدفین اموات کا یہی طریقہ رائج رہا ہے اور اس کے علاوہ جو بھی طریقہ کسی قوم یا مذہب نے اپنایا وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے خلاف اور انسانیت کے احترام کے منافی ہے۔

ہندوؤں کی طرح جلانا تو انسانیت اور مردہ کی حد سے زیادہ تذلیل اور تعذیب ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام آسمانی مذاہب کے پیروکاروں میں خواہ وہ عیسائی ہو یا یہودی یہی دفن کا طریقہ رائج ہے اگرچہ ان کے ہاں کفن کے بجائے میت کو سلے سلائے بہترین سوٹ میں پیوندِ خاک کیا جاتا ہے جو ظاہر ہے شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہے۔

اسی طرح قدیم زبانوں میں فراعنہ مصر کے یہاں اپنے مردوں کو دفن کرنے کے بجائے بلند ترین محلات میں جنہیں "اہرام" کا نام دیا گیا محفوظ کر دینا اور ان کے ساتھ ان کے تمام جواہرات اور مال و دولت کو بھی محفوظ کر دینا ان کے لئے کھانے پینے کو لوازمات مہیّا رکھنا یہ سب خلاف انسایت طریقے اور فطرت و عقل سلیم کے خلاف باتیں ہیں۔

بعض اقوام میں یہ رواج تھا کہ مُردوں کو لکڑی یا پتھر کے تابوتوں میں بند کر کے دریا میں بہادیتے تھے یا انہیں بھی محفوظ کر دیا جاتا تھا' ظاہر ہے کہ یہ بات نہ صرف یہ کہ انسانی عظمت واحترام آدمیت کے منافی ہے بلکہ انسانی محنت اور دولت کا غلط استعمال بھی ہے۔

اس ضمن میں اللہ ربّ العزت نے جو طریقہ بتلایا وہ ایسا ہے کہ دنیا کے ہر انسان کے لئے تقریباً ہر حالت میں بغیر کسی تکلیف کے اور بغیر کوئی مال وزر خرچ کئے اس پر عمل آسان ہے' ظاہر ہے ہر شخص کے لئے لکڑی کا تابوت بنوانا' یا عمدہ لباس سلوانا' یا بلند محلات بنوانا یا ہندوؤں کی طرح مردوں کو جلانے کے لئے گھی تیل اور خوشبویات و لکڑیاں جمع کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے برعکس دو سادہ اَن سلے کپڑوں میں کفنا کر مٹی میں دفن کرنا ہر جگہ اور ہر شخص کے لئے یکساں آسان اور سہل ہے۔ لیکن مقامِ افسوس ہے کہ آج کے مسلمانوں نے شریعت کی عطا کردہ سہولت اور آسانی کو رسوم ورواج کی قید میں جکڑ کر ایسا مشکل اور تکلیف دِہ بنادیا کہ اب مردوں کی تدفین و تکفین پر ہزاروں نہیں لاکھوں خرچ کئے جاتے ہیں اور انہیں عینِ ثواب اور میت کے حق میں بہت مبارک سمجھا جاتا ہے۔

آج مسلمانوں کے قبرستان میں جائیں تو ہر طرف بلند مزارات' پختہ تعمیرات' گنبد والی عمارات پوری شان وشوکت سے کھڑی نظر آتی ہیں' قیمتی پتھروں پر نقش ونگار کرنے کو قابلِ فخر سمجھ لیا گیا ہے' بلند سے بلند اور عالی شان مزارات تعمیر کرنے کو مردہ کی عظمت وتقدیس کا معیار بنالیا گیا ہے

اور ہمارے قبرستان شہروں سے زیادہ پر شکوہ عمارات کا مرکز بن گئے ہیں۔ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے لاکھوں کی تعداد میں مزارات' ان کی عظیم عمارتیں اور شاندار پر شکوہ گنبد' ان میں لگے ہوئے قیمتی پتھر' جواہرات اور سونے چاندی کے جنگلے جو کسی بھی صاحبِ قبر کو ایک رتی برابر فائدہ پہنچانے پر قادر نہیں' کیا مسلمان کے شرک کی کھلی علامت نہیں؟ کراچی میں شاہ غازی کا مزار ہو یا لاہور کا داتا دربار' سہون میں لال شہباز قلندر کی درگاہ ہو یا بھٹ شاہ میں بھٹائی کا مزار' اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خانقاہ ہو یا پورے برصغیر کے طول و عرض میں پھیلے ہوئی لاکھوں گدیاں' سجادے' خانقاہیں' مزارات جو دین و شریعت کے بجائے شرک و بدعت اور خرافات و رسومات کے اڈے بنا دیئے گئے ہیں کیا ان میں ہونے والے مشرکانہ افعال و اعمال کے باوجود مسلمان مسلمان کہلانے کے قابل ہے؟ کیا یہ وہی فراعنۂ مصر والا طرزِ عمل نہیں؟ یہ بات امتّ اسلامیہ کے ہر فرد کیلئے عموماً اور علمائے دین اور حاملینِ علوم نبوّت کیلئے خصوصاً قابل غور ہے۔

چند عبرت و نصائح

حدیث سے جو فوائد حاصل ہوئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ میت کی تجہیز و تکفین کی مشروعیت

۲۔ میت سے متعلق یہ طریقۂ تدفین تمام مذاہب آسمانی اور تمام انبیاء کی شریعتوں میں رائج رہا۔

۳۔ آدم علیہ السلام کے بیٹوں کو فرشتوں کے ذریعہ علمی تعلیم دی گئی۔

۴۔ اس طریقہ تجہیز و تکفین کے تمام دوسرے طریقوں کا اللہ کے منہج سے منحرف ہونا اور خلاف انسانیت و خلاف فطرت ہونا۔

۵۔ حدیث سے فرشتوں کا انسانی شکل وصورت میں مشتمل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

۶۔ سب سے بڑا فائدہ جو حدیث سے حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ اگر انسان کو اپنے اقارب اور قریبی رشتہ داروں کی وجہ سے دین کے کسی معاملہ میں یا حکمِ الٰہی کی تعمیل میں رکاوٹ درپیش ہو تو ان قریبی عزیزوں سے اور ان کی بات سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیش آیا کہ حوّا علیہا السلام فرشتوں کو دیکھ کر آدمؑ سے لپٹ گئیں اور چاہا کہ آدم علیہ السلام فرشتوں کو واپس کر دیں۔ گویا ایک طرح سے وہ مانع بن رہی تھیں اللہ سے ملاقات سے تو حضرت آدم علیہ السلام نے انہیں فوراً ڈپٹ کر دور کر دیا۔ کیونکہ انسان کے بیوی بچے ہی انسان کے دین و ایمان کے لئے سب سے بڑے فتنہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے اللہ جل شانہ' نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

يأيها الذين آمنوا إنّ من أزواجكم وأولادكم عدوّاً لّكم فاحذروهم (التغابن: ۱۴)

"اے ایمان والو! بلاشبہ تمہاری بعض ازواج اور تمہاری بعض اولادیں تمہارے (دین کی) دشمن ہیں۔ لہٰذا تم ان سے ہوشیار رہو (اور ان کے ایسے امر پر عمل نہ کرو۔ ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"إنّما أموالكم وأولادكم فتنة (الأنفال)

بے شک تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ انسان کے اموال اور ازواج و اولاد انسان کے لئے عموماً فتنہ کا ذریعہ بنتے ہیں اور بہت سے دینی تقاضوں پر عمل کرنے میں مانع بنتے ہیں' انسان کے اندر بخل اور بزدلی پیدا کرتے ہیں' لہٰذا آیاتِ بالا میں یہی ہدایت دی گئی ہے کہ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں اگر وہ رکاوٹ بن رہے ہوں تو ان سے دور رہا جائے اور حکمِ الٰہی پر عمل کیا جائے۔

تیسرا قصہ ﴿۳﴾

نبی اللہ صالح علیہ السلام

تمہید

ایک بار نبی کریم سرورِ دوعالم ﷺ کا گذر دیارِ ثمود یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے تباہ شدہ بستی پر ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں اور سرکشی کے سبب عذاب سے دوچار کیا تھا جب انہوں نے "ناقۃ اللہ" کی پنڈلیاں کاٹ ڈالی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ وہاں پر کچھ دیر قیام پذیر رہے اور اس کنویں پر جہاں وہ اونٹنی پانی پیتی تھی ٹھہرے، اور صحابہ کرام کو صالح علیہ السلام کے واقعہ کے بارے میں بتلایا اور یہ کہ وہ اونٹنی کہاں سے آتی تھی اور کس شگاف میں واپس لوٹ جاتی تھی۔ اور مقصد رسول کریم علیہ السلام کا یہ تھا کہ صحابہ کو متنبہ فرمائیں کہ وہ ایسا کوئی عمل نہ کریں جیسا صالح علیہ السلام کی قوم نے کیا تھا، قومِ صالحؑ کا عمل کیا تھا جو انکے لئے باعثِ عذاب بن گیا؟۔ سطور ذیل میں اسی واقعہ کی بعض تفصیلات زبانِ نبوت نے بیان فرمائی ہیں۔

نص الحدیث:

روى الإمام أحمد في مسنده عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: لَمَّا مَرَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْحِجْرِ قَالَ: (لا تَسْأَلُوا الآيَاتِ، وَقَدْ سَأَلَهَا قَوْمُ صَالِحٍ، فَكَانَتْ تَرِدُ مِنْ هَذَا الْفَجِّ، وَتَصْدُرُ مِنْ هَذَا الْفَجِّ، فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَعَقَرُوهَا، فَكَانَتْ تَشْرَبُ مَاءَهُمْ يَوْمًا، وَيَشْرَبُونَ لَبَنَهَا يَوْمًا، فَعَقَرُوهَا فَأَخَذَتْهُمْ صَيْحَةٌ أَهْمَدَ اللهُ ﷻ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْهُمْ، إِلا رَجُلا وَاحِدًا كَانَ فِي حَرَمِ اللهِ ﷻ، قِيلَ: مَنْ هُوَ يَا رَسُولَ اللهِ ؟ قَالَ: هُوَ أَبُو رِغَالٍ، فَلَمَّا خَرَجَ مِنَ الْحَرَمِ أَصَابَهُ مَا أَصَابَ قَوْمَهُ).

ترجمۃ الحدیث:

امام احمدؒ نے اپنی سند میں حضرت جابرؓ سے روایت نقل کی ہے: فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مقام "حجر" جو قوم ثمود کی بستی تھی پر سے گذرے تو ارشاد فرمایا:

"معجزات کا مطالبہ مت کیا کرو، صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزہ طلب کیا تھا تو (بطور معجزہ جو اونٹنی ان کو دی گئی) وہ اس شگاف (اشارہ فرما کر بتلایا) سے واپس جاتی تھی اور اس شگاف سے آتی تھی، قوم ثمود نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور اونٹنی کی پنڈلیاں کاٹ ڈالیں، اور معمول یہ تھا کہ ایک روز وہ اونٹنی ان کے کنویں کا سارا پانی پی لیتی تھی اور دوسرے روز سب بستی والے اسکا دودھ پیتے تھے، انہوں نے اسکی قدر نہ کی اور چند بدبختوں نے اس اونٹنی کی پنڈلیاں کاٹ ڈالیں تو اللہ عزوجل کی

طرف سے ایک زبردست چیخ نے ان کو تباہ کرڈالا اور آسمان کے نیچے ان کی قوم کا ہر فرد ہلاک ہوگیا سوائے ایک شخص کے جو حرمِ کعبہ میں تھا' آپؐ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! وہ کون ہے؟ فرمایا کہ اس کا نام ابورغال ہے اور جیسے ہی وہ حرم سے باہر نکلا تو اسے بھی اسی عذاب سے دوچار ہونا پڑا جس نے اس کی قوم کو تباہی سے دوچار کیا تھا (غرض اس طرح پوری قومِ ثمود کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کردیا گیا)۔

تخریج الحدیث:

رواه احمد فی مسنده ۲۹۶/۳۔

و ابن كثير فی البدايه والنهايه وقال: هذا الحديث على شرط مسلم (۱۳۷/۱)

وقال الهيثمي: رواه البزار والطبراني في الأوسط' مجمع الزوائد (۱۹۶/۶)

تشریح الحدیث

اس حدیث میں حضور نبی کریم سرور دوعالم ﷺ نے اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم "ثمود" پر ہونے والے عذاب کے متعلق بعض اہم باتیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود قرآن کریم میں کئی مقامات پر کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً بیان کیا ہے چونکہ ہمارا موضوع قصص الحدیث ہے لہٰذا ہم قرآن کریم کے بیان کردہ قصہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہاں اس واقعہ کا مختصراً خلاصہ بیان کرکے حدیث بالا میں بیان کئے گئے اہم نکات کی وضاحت بیان کریں گے۔

اونٹنی کو نقصان پہنچانے کا واقعہ:

قرآن کریم کے بیان کردہ قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"اللہ رب العزت نے حضرت صالح علیہ السلام کو قومِ ثمود جسے "عادِ ثانیہ" بھی کہا جاتا ہے کی طرف مبعوث فرمایا تھا' تمام انبیاءؑ کی طرح حضرت صالح علیہ السلام بھی قوم کی ہدایت اور ایمان کیلئے دعوت دیتے اور اسی کوشش میں لگے رہتے۔

ایک بار ان کی قوم نے ان سے ایک معجزہ طلب کیا وہ یہ کہ اے صالح! اگر تم ایک سخت اور ٹھوس چٹان کے اندر سے ایک حاملہ اونٹنی نکال کر دکھاؤ تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور تمہیں اللہ کا نبی تسلیم کرلیں گے۔

اللہ جل شانہ' نے اپنی قدرتِ کاملہ سے حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے قوم کے سامنے ہی ایک چٹان سے حاملہ اونٹنی نکال دی۔ اس فرمائشی معجزہ کا مشاہدہ کرنے کے باوجود قوم ایمان نہیں لائی بلکہ پہلے سے زیادہ تکذیب کرنے لگی۔

سنت اللہ (اللہ تعالیٰ کا ضابطہ) یہ ہے کہ جب کوئی قوم فرمائشی معجزہ طلب کرتی ہے تو ان کے نبی کی دعا سے اللہ تعالیٰ وہ معجزہ عطا فرما دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود اگر وہ قوم ایمان نہیں لاتی تو پھر اس پر عذاب نازل ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔

غرض ثمود نے معجزہ دیکھنے کے باوجود حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ وہ اونٹنی چونکہ غیر معمولی طور پر پیدا ہوئی تھی لہٰذا اس کا جسم اور قد و قامت بھی غیر معمولی بڑا تھا' نہایت لحیم شحیم تھی اور جس جنگل میں چرتی تھی تو وہاں کے جانور ڈر کر جنگل سے بھاگ جاتے تھے۔

قوم کے کنویں پر پانی پینے آتی تو سارا کنواں خالی کر دیتی تھی' قوم نے جب دیکھا کہ وہ ان کا سارا پانی وغیرہ ختم کر دیتی ہے تو انہوں نے اس کا قصہ پاک کرنے کا منصوبہ بنایا' اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کے ذریعہ انہیں حکم دیا تھا کہ اس اونٹنی کو نقصان نہ پہنچائیں بلکہ اس کی تکریم کریں لیکن وہ نہ مانے اور بالآخر قدار بن سالف نامی شخص نے ایک روز اس اونٹنی کی پنڈلیاں کاٹ ڈالیں اور وہ اونٹنی مر گئی۔ اس کے بعد اسی پر بس نہ کیا بلکہ خود حضرت صالح علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کا منصوبہ بنانے لگے۔

اللہ جل جلالہ نے اسکے نتیجہ میں ان پر ایسا سخت عذاب نازل فرمایا کہ پوری کی پوری قوم صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ اور بلاشبہ نبی کی تکذیب کرنے' معجزاتِ نبی کا انکار کرنے اور حق سے روگردانی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے۔

حدیث میں رسول کریم ﷺ کے قومِ ثمود کے کھنڈرات سے گذرنے کا بیان اور اس کے ضمن میں آنحضرت ﷺ کے بیان کردہ بعض نکات جو قومِ ثمود پر آنے والے عذاب کے متعلق تھے زیر بحث ہیں۔

یہ سفر جس میں آنحضرت ﷺ کا گذر "دیارِ ثمود" پر ہوا غزوۂ تبوک کا سفر تھا' راہ میں دیارِ ثمود جن کا قرآنی نام "حجر" ہے' پر گذر ہوا تو صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہاں پڑاؤ ڈالا۔ بعض صحابہ نے ان کنوؤں سے پانی بھی پیا جن سے قوم ثمود کے لوگ پیتے تھے' اور اس پانی سے آٹا گوندھا' سالن پکائے' جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو حکم فرمایا کہ اپنی ہانڈیاں الٹ دیں اور آٹا اپنے اونٹوں کو کھلا دیں اور اس کے بعد آپؐ فوراً صحابہؓ کو لے کر وہاں سے کوچ کر گئے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ جلدی جلدی وہاں سے نکل جائیں کیونکہ یہ وہ مقام تھا جہاں پر عذابِ الٰہی نازل ہوا تھا اور عذابِ الٰہی سے ڈرتے ہوئے اور گھبرا کر گذرنا چاہیئے کہ کہیں وہی عذاب ہم پر بھی نہ آپڑے۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو حکم فرمایا کہ اس مقام سے روتے ہوئے اور استغفار کرتے گزریں جس کی علت بھی یہی بیان فرمائی کہ:

"إنّی أخشیٰ أن یّصیبکم ما أصابھم (بخاری'مسلم)

"مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر بھی وہی عذاب نہ آجائے جو ان پر (قوم ثمود پر) آیا تھا"۔

غرض جب رسول اللہ ﷺ اس کنویں پر پہنچے جہاں سے وہ اونٹنی پانی پیتی تھی تو آپؐ نے صحابہؓ کو بتلایا کہ وہ اونٹنی کہاں سے آتی تھی؟ اور کس راستہ سے پانی پی کر جاتی تھی؟ اور اس واقعہ کے متعلق بعض باتیں بیان فرمائیں۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ ماہر نفسیات بھی تھے' اور صحابہؓ کے مزاج شناس بھی تھے کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ جب وہ کسی ایسے مقام یا جگہ پر ہوتا ہے جہاں پچھلے زمانوں میں کوئی اہم واقعہ یا حادثہ ہوا ہوتا ہے تو وہ اس کے متعلق جاننا چاہتا ہے۔ اس کے اندر تجسس اور کرید ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کی اس فطری جستجو کا خیال فرمایا اور انہیں اس واقعہ کے متعلق بتلایا کہ وہ اونٹنی کہاں سے آتی تھی؟ اور کس راستہ سے واپس جاتی تھی۔

ایک مصلح اور داعی الی اللہ کا منصب یہی ہوتا ہے کہ وہ ہر ایسے پہلو کو ڈھونڈتا ہے جو اس کی دعوت کے لئے فائدہ مند اور لوگوں کے لئے زیادہ دلچسپی کا باعث ہو۔ جیسے آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کی ایک فطری جستجو کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں اس واقعہ کی بعض باتیں بتلائیں اور اس موقع کو استعمال کرتے ہوئے چند اہم ہدایات بھی ارشاد فرمادیں جن کا ہم آگے ذکر کریں گے۔

قرآن کریم نے یہ بات بتلائی ہیکہ اس "ناقہ" (اونٹنی) کا قاتل قومِ ثمود کا سب سے بدبخت شخص تھا' چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿إذِ انبعَثَ أشقٰھا*فقالَ لھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ناقَةَ اللّٰہِ وَ سُقْیاھا*
فکَذَّبوہُ فعَقَرُوھا﴾(الشمس)

"جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں کا بڑا بدبخت' پھر کہا ان کو اللہ کے رسول (صالحؑ) نے خبردار رہو! اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے' پھر انہوں نے اسکو جھٹلایا اور اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ قومِ ثمود کا سب سے بدبخت شخص وہ تھا جس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹے۔

ایک روایت میں بتلایا گیا ہے کہ اس کا نام قدار بن سالف تھا۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

چنانچہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب اور عمارؓ بن یاسرؓ سے فرمایا کہ:

"میں تمہیں دو سب سے زیادہ شقی اور بدبختوں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور بتلایئے۔ فرمایا کہ: ایک تو قوم ثمود کا وہ سرخ شخص تھا جس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تھے اور دوسرا وہ شخص ہوگا اے علی جو تمہاری پیشانی پر ضرب لگائے گا جس سے کہ تمہاری

ڈاڑھی (خون سے تر) ہو جائے گی۔ (مسند احمد۔ ۴/ ۲۶۳)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ وہ شخص اپنی قوم کا سردار تھا، نہایت ہی تند خو، خبیث اور مُفسِد تھا۔ (بخاری و مسلم)

جب اس شخص نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تو صالح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اب تم اللہ کے عذاب کا انتظار کرو، تین دن کے بعد تم پر عذاب آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ:

﴿"تمتعُوا فی دارِکُم ثلاثۃَ أیّامٍ ذالك وعدٌ غیرُ مکذُوب﴾ (ھود/ ۶۵)

"تم اپنے گھروں میں تین دن تک فائدہ حاصل کرو، یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہے"۔

غرض تیسرے روز ان پر عذاب آیا اور ایک زبردست اور ہولناک چیخ نے ان کے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے اور وہ اس صدمہ سے مر گئے، چنانچہ پوری قومِ ثمود اس عذاب سے ہلاک ہو گئی۔

حدیثِ بالا میں رسول کریم ﷺ نے بتلایا کہ قوم ثمود کا ایک شخص عذاب کے وقت حرمِ کعبہ میں تھا تو وہ عذاب سے محفوظ رہا لیکن جونہی وہ حرم کعبہ سے باہر آیا تو اسے بھی اسی عذاب سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس شخص کا نام ابورغال تھا، حرمِ کعبہ چونکہ اللہ جل جلالہ کی رحمتوں کا مورد و مہبط ہے لہٰذا وہاں پر کسی پر عذاب نہیں آتا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی قاتل حرم میں پناہ لے لے تو اسے بھی حرم میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے حرم سے نکلنے پر مجبور کیا جائے گا۔

اسی طرح حدیثِ بالا میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو معجزات کے مطالبہ سے منع فرمایا جیسا کہ صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزہ طلب کیا تھا، کیونکہ معجزہ کے مطالبہ پر اگر معجزہ دکھادیا جائے اور پھر اس کی تکذیب کی جائے تو اس پر عذاب نازل ہوتا ہے۔

چند عبرت و نصائح

حدیثِ بالا میں بیان کردہ واقعہ سے درج ذیل فوائد حاصل ہوئے:

۱۔ معجزات کے طلب کرنے کی ممانعت۔

۲۔ اللہ کے انتقام اور اس کے عذاب و پکڑ سے انسان کو ڈرنا چاہیئے کہ اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔

﴿إنّ بطش ربّك لشدید﴾ (البروج/ ۳۰) (بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے)۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو جو اونٹنی بطور معجزہ دی گئی تھی وہ اپنی خلقت، جسم و قامت، صورت اور عادات کے اعتبار سے غیر معمولی تھی اور اس کے اندر پائی جانے والی غیر معمولی خصوصیات دوسرے اونٹوں اور اونٹنیوں میں نہیں پائی جاتیں گویا اسکا وجود خود اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ وہ نارمل اور عام حالات کی پیداوار نہیں ہے بلکہ خصوصی حالات میں بطور معجزہ کے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔

۴۔ حدیث سے ان مقامات اور جگہوں پر جانے اور قیام کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ہو تاکہ عبرت و موعظت حاصل کیا جائے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے قومِ ثمود کے کنویں پر قیام اور وہاں پیش آنے والے واقعہ کے متعلق صحابہؓ کو بتلایا تاکہ اس سے عبرت حاصل ہو اور توبہ واستغفار کی طرف توجہ ہو۔

چنانچہ اللہ ربّ العالمین نے خود قرآن کریم میں اس مقصد کے لئے ﴿سیرُوا فی الأرض﴾ (زمین پر چلو پھرو) کا حکم فرمایا ہے تاکہ

﴿فانظرُ کَیۡفَ کانَ عاقِبۃُ المکذّبِین﴾

(جھٹلانے اور تکذیب کرنے والوں کا انجام دیکھنے)

کا موقع ملے اور انسان کے لئے عبرت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ شعور و آگہی کے دَر کھلیں اور وہ اپنے ربّ کریم کی معرفت حاصل کرے۔

۵۔ حدیث سے آنحضرت ﷺ کی وقتِ علم کا بھی پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ کو یہ بتلادیا کہ اونٹنی کس راہ سے آتی اور کس راہ سے جاتی تھی؟ اور اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا علم وہبی اور وحیِ الٰہی سے حاصل کردہ ہے اور اس علیم وخبیر ہستی کی عطا ہے جس کے علم نے ساری کائنات کے قدیم وجدید کا احاطہ کر رکھا ہے۔

۶۔ حرمِ کعبہ کا ہر شخص کے لئے جائے پناہ ہونا بھی حدیث سے ثابت ہوتا ہے خواہ اس میں پناہ لینے والا ظالم ہو یا قاتل' حرمِ کعبہ میں کسی کو نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا حتیٰ کہ اس کے اندر انسان عذابِ الٰہی سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

﴿وَمَنۡ دَخَلَہ' کانَ اٰمِنا﴾ (آلِ عمران)

اور جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے۔

چنانچہ اسی امن کا نتیجہ تھا کہ ابورغال جو قومِ ثمود کا فرد تھا حرم میں ہونے کی وجہ سے عذاب سے بچا رہا اور حرم سے نکلتے ہی اس پر عذاب نازل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر طرح کے عذاب سے محفوظ فرمائے۔ آمین

چوتھا قصہ ﴿۴﴾

سراپابندگی کی دو تصویریں......ہاجرہؑ واسماعیلؑ

تمہید

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور ان کے خاندان کی عظیم قربانیاں ہر صاحبِ ایمان کیلئے روح پرور اور ایمان افروز ہیں' ان کے فرزند صالح سیدنا' ذبیح اللہ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام دین پر فنا ہو جانے میں اپنے عظیم والد کے نقشِ قدم پر تھے اور باپ بیٹے کی اس بے نفسی' فنائیت اور قربانی وایثار نے وہ مثال قائم کی کہ رہتی دنیا تک انسانیت اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہے گی۔

ذبیح اللہ کی والدہ حضرت ہاجرہؑ' حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ اولیٰ حضرت سارہؑ کی باندی تھیں اور جب طویل عرصہ تک ان سے اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے اپنی باندی حضرت ابراہیمؑ کو ھبہ کردی شاید اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اولاد عطا فرمائے۔ اور کاتبِ تقدیر نے اسی باندی کے ذریعہ انسانیت کو ایثار و قربانی' فنائیت و بے نفسی کا وہ پیکر مجسم عطا کیا جسے بارگاہِ الٰہی سے "ذبیح اللہ" کا لقب ملا اور جسے صاحبِ لولاک' فخر انسانیت' محسنِ کائنات' امام الأنبیاء' رحمۃ للعالمین ﷺ رسولہ وسلم کے جدامجد ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

زیرِ نظر حدیث میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کے واقعہ کو تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔

نص الحدیث:

روى البخاري في صحيحه: عن سعيد بن جبير قال: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ (أَوَّلَ مَا اتَّخَذَ النِّسَاءُ الْمِنْطَقَ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، اتَّخَذَتْ مِنْطَقًا لَتُعَفِّيَ أَثَرَهَا عَلَى سَارَةَ، ثُمَّ جَاءَ بِهَا إِبْرَاهِيمُ وَبِابْنِهَا إِسْمَاعِيلَ وَهِيَ تُرْضِعُهُ، حَتَّى وَضَعَهُمَا عِنْدَ الْبَيْتِ، عِنْدَ دَوْحَةٍ فَوْقَ زَمْزَمَ فِي أَعْلَى الْمَسْجِدِ، وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ، وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ، فَوَضَعَهُمَا هُنَالِكَ، وَوَضَعَ عِنْدَهُمَا جِرَابًا فِيهِ تَمْرٌ، وَسِقَاءً فِيهِ مَاءٌ، ثُمَّ قَفَّى إِبْرَاهِيمُ مُنْطَلِقًا، فَتَبِعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، فَقَالَتْ: يَا إِبْرَاهِيمُ أَيْنَ تَذْهَبُ وَتَتْرُكُنَا بِهَذَا الْوَادِي الَّذِي لَيْسَ فِيهِ إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ؟ فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ مِرَارًا، وَجَعَلَ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ لَهُ: أَاللَّهُ الَّذِي أَمَرَكَ بِهَذَا ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَتْ إِذَنْ لَا يُضَيِّعُنَا، ثُمَّ رَجَعَتْ.

فَانْطَلَقَ إِبْرَاهِيمُ، حَتَّى إِذَا كَانَ عِنْدَ الثَّنِيَّةِ حَيْثُ لَا يَرَوْنَهُ، اسْتَقْبَلَ بِوَجْهِهِ الْبَيْتَ، ثُمَّ دَعَا بِهَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ، وَرَفَعَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾، حَتَّى بَلَغَ ﴿يَشْكُرُونَ﴾ [إبراهيم: ۳۷].

وَجَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تُرْضِعُ إِسْمَاعِيلَ، وَتَشْرَبُ مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ، حَتّى إِذَا نَفِدَ مَا فِي السِّقَاءِ عَطِشَتْ، وَعَطِشَ ابْنُهَا، وَجَعَلَتْ تَنْظُرُ إِلَيْهِ يَتَلَوَّى، أَوْ قَالَ يَتَلَبَّطُ، فَانْطَلَقَتْ كَرَاهِيَةَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَوَجَدَتِ الصَّفَا أَقْرَبَ جَبَلٍ فِي الأَرْضِ يَلِيهَا، فَقَامَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ اسْتَقْبَلَتِ الْوَادِيَ تَنْظُرُ: هَلْ تَرَى أَحَدًا، فَلَمْ تَرَ أَحَدًا، فَهَبَطَتْ مِنَ الصَّفَا حَتّى إِذَا بَلَغَتِ الْوَادِيَ رَفَعَتْ طَرَفَ دِرْعِهَا، ثُمَّ سَعَتْ سَعْيَ الإِنْسَانِ الْمَجْهُودِ، حَتّى جَاوَزَتِ الْوَادِيَ، ثُمَّ أَتَتِ الْمَرْوَةَ، فَقَامَتْ عَلَيْهَا، فَنَظَرَتْ هَلْ تَرَى أَحَدًا، فَلَمْ تَرَ أَحَدًا فَفَعَلَتْ ذَلِكَ سَبْعَ مَرَّاتٍ.

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَذَلِكَ سَعْيُ النَّاسِ بَيْنَهُمَا.

فَلَمَّا أَشْرَفَتْ عَلَى الْمَرْوَةِ سَمِعَتْ صَوْتًا، فَقَالَتْ: صَهٍ، تُرِيدُ نَفْسَهَا، ثُمَّ تَسَمَّعَتْ أَيْضًا، فَقَالَتْ: قَدْ أَسْمَعْتَ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ غِوَاثٌ، فَإِذَا هِيَ بِالْمَلَكِ عِنْدَ مَوْضِعِ زَمْزَمَ، فَبَحَثَ بِعَقِبِهِ، أَوْ قَالَ: بِجَنَاحِهِ، حَتّى ظَهَرَ الْمَاءُ، فَجَعَلَتْ تُحَوِّضُهُ، وَتَقُولُ: بِيَدِهَا هَكَذَا، وَجَعَلَتْ تَغْرِفُ مِنَ الْمَاءِ فِي سِقَائِهَا، وَهُوَ يَفُورُ بَعْدَ مَا تَغْرِفُ.

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَرْحَمُ اللهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ، أَوْ قَالَ: لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ، لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِينًا.

قَالَ فَشَرِبَتْ، وَأَرْضَعَتْ وَلَدَهَا، فَقَالَ لَهَا الْمَلَكُ: لا تَخَافُوا الضَّيْعَةَ، فَإِنَّ هَا هُنَا بَيْتَ اللهِ يَبْنِي هَذَا الْغُلامُ وَأَبُوهُ، وَإِنَّ اللهَ لا يُضِيعُ أَهْلَهُ، وَكَانَ الْبَيْتُ مُرْتَفِعًا مِنَ الأَرْضِ كَالرَّابِيَةِ، تَأْتِيهِ السُّيُولُ، فَتَأْخُذُ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ.

فَكَانَتْ كَذَلِكَ حَتّى مَرَّتْ بِهِمْ رُفْقَةٌ مِنْ جُرْهُمَ، أَوْ أَهْلُ بَيْتٍ مِنْ جُرْهُمَ مُقْبِلِينَ مِنْ طَرِيقِ كَدَاءٍ، فَنَزَلُوا فِي أَسْفَلِ مَكَّةَ، فَرَأَوْا طَائِرًا عَائِفًا، فَقَالُوا: إِنَّ هَذَا الطَّائِرَ لَيَدُورُ عَلَى مَاءٍ، لَعَهْدُنَا بِهَذَا الْوَادِي وَمَا فِيهِ مَاءٌ، فَأَرْسَلُوا جَرِيًّا أَوْ جَرِيَّيْنِ، فَإِذَا هُمْ بِالْمَاءِ، فَرَجَعُوا، فَأَخْبَرُوهُمْ بِالْمَاءِ، فَأَقْبَلُوا، قَالَ: وَأُمُّ إِسْمَاعِيلَ عِنْدَ الْمَاءِ، فَقَالُوا: أَتَأْذَنِينَ لَنَا أَنْ نَنْزِلَ عِنْدَكِ؟ فَقَالَتْ: نَعَمْ، وَلَكِنْ لا حَقَّ لَكُمْ فِي الْمَاءِ، قَالُوا: نَعَمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: فَأَلْفَى ذَلِكَ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، وَهِيَ تُحِبُّ الإِنْسَ فَنَزَلُوا، وَأَرْسَلُوا إِلَى أَهْلِيهِمْ، فَنَزَلُوا مَعَهُمْ، حَتّى إِذَا كَانَ بِهَا أَهْلُ أَبْيَاتٍ مِنْهُمْ، وَشَبَّ الْغُلامُ، وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ، وَأَنْفَسَهُمْ، وَأَعْجَبَهُمْ حِينَ شَبَّ، فَلَمَّا

أدْرَكَ زَوَّجُوهُ امْرَأَةً مِنْهُمْ.

وَمَاتَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ فَجَاءَ إِبْرَاهِيمُ بَعْدَمَا تزوَّجَ إِسْمَاعِيلُ يُطَالِعُ تَرِكَتَهُ، فَلَمْ يَجِدْ إِسْمَاعِيلَ، فَسَأَلَ امْرَأَتَهُ عَنْهُ، فَقَالَتْ: خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا، ثُمَّ سَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ، فَقَالَتْ: نَحْنُ بِشَرٍّ، نَحْنُ فِي ضِيقٍ وَشِدَّةٍ، فَشَكَتْ إِلَيْهِ. قَالَ: فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكِ فَاقْرَئِي عَلَيْهِ السَّلامَ، وَقُولِي لَهُ يُغَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِهِ، فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ، كَأَنَّهُ آنَسَ شَيْئًا، فَقَالَ: هَلْ جَاءَكُمْ مِنْ أَحَدٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، جَاءَنَا شَيْخٌ كَذَا وَكَذَا، فَسَأَلَنَا عَنْكَ، فَأَخْبَرْتُهُ، وَسَأَلَنِي: كَيْفَ عَيْشُنَا؟ فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّا فِي جَهْدٍ وَشِدَّةٍ.

قَالَ: فَهَلْ أَوْصَاكِ بِشَيْءٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ السَّلامَ، وَيَقُولُ: غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ، قَالَ: ذَاكِ أَبِي، وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أُفَارِقَكِ، الْحَقِي بِأَهْلِكِ، فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرَى.

فَلَبِثَ عَنْهُمْ إِبْرَاهِيمُ مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ أَتَاهُمْ بَعْدُ فَلَمْ يَجِدْهُ، فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَتِهِ فَسَأَلَهَا عَنْهُ، فَقَالَتْ: خَرَجَ يَبْتَغِي لَنَا. قَالَ: كَيْفَ أَنْتُمْ؟ وَسَأَلَهَا عَنْ عَيْشِهِمْ وَهَيْئَتِهِمْ، فَقَالَتْ: نَحْنُ بِخَيْرٍ وَسَعَةٍ، وَأَثْنَتْ عَلَى اللهِ، فَقَالَ: مَا طَعَامُكُمْ، قَالَتِ: اللَّحْمُ. قَالَ: فَمَا شَرَابُكُمْ؟ قَالَتِ: الْمَاءُ. قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي اللَّحْمِ وَالْمَاءِ.

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ يَوْمَئِذٍ حَبٌّ، وَلَوْ كَانَ لَهُمْ دَعَا لَهُمْ فِيهِ. قَالَ: فَهُمَا لا يَخْلُو عَلَيْهِمَا أَحَدٌ بِغَيْرِ مَكَّةَ إِلا لَمْ يُوَافِقَاهُ. قَالَ: فَإِذَا جَاءَ زَوْجُكِ فَاقْرَئِي عَلَيْهِ السَّلامَ، وَمُرِيهِ يُثْبِتُ عَتَبَةَ بَابِهِ، فَلَمَّا جَاءَ إِسْمَاعِيلُ قَالَ: هَلْ أَتَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَتَانَا شَيْخٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ، وَأَثْنَتْ عَلَيْهِ، فَسَأَلَنِي عَنْكَ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَسَأَلَنِي: كَيْفَ عَيْشُنَا؟ فَأَخْبَرْتُهُ أَنَّا بِخَيْرٍ.

قَالَ: فَأَوْصَاكِ بِشَيْءٍ، قَالَتْ: نَعَمْ، هُوَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلامَ، وَيَأْمُرُكَ أَنْ تُثْبِتَ عَتَبَةَ بَابِكَ. قَالَ: ذَاكِ أَبِي، وَأَنْتِ الْعَتَبَةُ، أَمَرَنِي أَنْ أُمْسِكَكِ.

ثُمَّ لَبِثَ عَنْهُمْ مَا شَاءَ اللهُ، ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذَلِكَ وَإِسْمَاعِيلُ يَبْرِي نَبْلا لَهُ تَحْتَ دَوْحَةٍ قَرِيبًا مِنْ زَمْزَمَ، فَلَمَّا رَآهُ قَامَ إِلَيْهِ، فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ، وَالْوَلَدُ بِالْوَالِدِ، ثُمَّ قَالَ: يَا إِسْمَاعِيلُ، إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي بِأَمْرٍ. قَالَ: فَاصْنَعْ مَا أَمَرَكَ رَبُّكَ. قَالَ: وَتُعِينُنِي؟ قَالَ: وَأُعِينُكَ، قَالَ: فَإِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ هَا هُنَا بَيْتًا وَأَشَارَ إِلَى أَكَمَةٍ مُرْتَفِعَةٍ عَلَى مَا حَوْلَهَا.

قَالَ فَعِنْدَ ذَلِكَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ، فَجَعَلَ إِسْمَاعِيلُ يَأْتِي بِالْحِجَارَةِ، وَإِبْرَاهِيمُ يَبْنِي، حَتَّى إِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ، جَاءَ بِهَذَا الْحَجَرِ، فَوَضَعَهُ لَهُ، فَقَامَ عَلَيْهِ، وَهُوَ يَبْنِي، وَإِسْمَاعِيلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ، وَهُمَا يَقُولَانِ ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ [البقرة: ١٢٧].

قَالَ فَجَعَلَا يَبْنِيَانِ حَتَّى يَدُورَا حَوْلَ الْبَيْتِ وَهُمَا يَقُولَانِ ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ [البقرة: ١٢٧].

وفي رواية أخرى في الصحيح: عن سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ(لَمَّا كَانَ بَيْنَ إِبْرَاهِيمَ وَبَيْنَ أَهْلِهِ مَا كَانَ خَرَجَ بِإِسْمَاعِيلَ وَأُمِّ إِسْمَاعِيلَ، وَمَعَهُمْ شَنَّةٌ فِيهَا مَاءٌ، فَجَعَلَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ تَشْرَبُ مِنَ الشَّنَّةِ، فَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلَى صَبِيِّهَا، حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ، فَوَضَعَهَا تَحْتَ دَوْحَةٍ، ثُمَّ رَجَعَ إِبْرَاهِيمُ إِلَى أَهْلِهِ، فَاتَّبَعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، حَتَّى لَمَّا بَلَغُوا كَدَاءً نَادَتْهُ مِنْ وَرَائِهِ: يَا إِبْرَاهِيمُ، إِلَى مَنْ تَتْرُكُنَا؟ قَالَ: إِلَى اللهِ. قَالَتْ: رَضِيتُ بِاللَّهِ.

قَالَ: فَرَجَعَتْ، فَجَعَلَتْ تَشْرَبُ مِنَ الشَّنَّةِ، وَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلَى صَبِيِّهَا، حَتَّى لَمَّا فَنِيَ الْمَاءُ، قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ، لَعَلِّي أُحِسُّ أَحَدًا. قَالَ: فَذَهَبَتْ، فَصَعِدَتِ الصَّفَا، فَنَظَرَتْ، وَنَظَرَتْ، هَلْ تُحِسُّ أَحَدًا؟ فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، فَلَمَّا بَلَغَتِ الْوَادِيَ سَعَتْ، وَأَتَتِ الْمَرْوَةَ، فَفَعَلَتْ ذَلِكَ أَشْوَاطًا، ثُمَّ قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ، فَنَظَرْتُ مَا فَعَلَ؟ تَعْنِي الصَّبِيَّ، فَذَهَبَتْ، فَنَظَرَتْ، فَإِذَا هُوَ عَلَى حَالِهِ، كَأَنَّهُ يَنْشَغُ لِلْمَوْتِ، فَلَمْ تُقِرَّهَا نَفْسُهَا، فَقَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ، لَعَلِّي أُحِسُّ أَحَدًا، فَذَهَبَتْ فَصَعِدَتِ الصَّفَا، فَنَظَرَتْ وَنَظَرَتْ، فَلَمْ تُحِسَّ أَحَدًا، حَتَّى أَتَمَّتْ سَبْعًا، ثُمَّ قَالَتْ: لَوْ ذَهَبْتُ فَنَظَرْتُ مَا فَعَلَ، فَإِذَا هِيَ بِصَوْتٍ، فَقَالَتْ: أَغِثْ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ خَيْرٌ، فَإِذَا جِبْرِيلُ. قَالَ: فَقَالَ بِعَقِبِهِ هَكَذَا، وَغَمَزَ عَقِبَهُ عَلَى الأَرْضِ، قَالَ: فَانْبَثَقَ الْمَاءُ، فَدَهَشَتْ أُمُّ إِسْمَاعِيلَ، فَجَعَلَتْ تَحْفِزُ.

قَالَ: فَقَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: لَوْ تَرَكَتْهُ كَانَ الْمَاءُ ظَاهِرًا، قَالَ: فَجَعَلَتْ تَشْرَبُ مِنَ الْمَاءِ، وَيَدِرُّ لَبَنُهَا عَلَى صَبِيِّهَا.

قَالَ: فَمَرَّ نَاسٌ مِنْ جُرْهُمَ بِبَطْنِ الْوَادِي، فَإِذَا هُمْ بِطَيْرٍ، كَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا ذَاكَ، وَقَالُوا: مَا يَكُونُ الطَّيْرُ إِلا عَلَى مَاءٍ، فَبَعَثُوا رَسُولَهُمْ، فَنَظَرَ، فَإِذَا هُمْ بِالْمَاءِ، فَأَتَاهُمْ، فَأَخْبَرَهُمْ، فَأَتَوْا إِلَيْهَا، فَقَالُوا: يَا أُمَّ إِسْمَاعِيلَ، أَتَأْذَنِينَ لَنَا أَنْ نَكُونَ مَعَكِ،

أَوْ نَسْكُنَ مَعَكِ ؟ فَبَلَغَ ابْنُهَا، فَنَكَحَ فِيهِمُ امْرَأَةً.

قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ بَدَا لِإِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ لِأَهْلِهِ: إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي. قَالَ: فَجَاءَ فَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيْنَ إِسْمَاعِيلُ؟ فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ: ذَهَبَ يَصِيدُ. قَالَ: قُولِي لَهُ إِذَا جَاءَ: غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ، فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَ. أَنْتِ ذَاكِ، فَاذْهَبِي إِلَى أَهْلِكِ.

قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ بَدَا لِإِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ لِأَهْلِهِ: إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي. قَالَ: فَجَاءَ، فَقَالَ: أَيْنَ إِسْمَاعِيلُ؟ فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ: ذَهَبَ يَصِيدُ، فَقَالَتْ: أَلا تَنْزِلُ فَتَطْعَمَ، وَتَشْرَبَ؟ فَقَالَ: وَمَا طَعَامُكُمْ، وَمَا شَرَابُكُمْ؟ قَالَتْ: طَعَامُنَا اللَّحْمُ، وَشَرَابُنَا الْمَاءُ، قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي طَعَامِهِمْ وَشَرَابِهِمْ، قَالَ: فَقَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ : بَرَكَةٌ بِدَعْوَةِ إِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ.

قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ بَدَا لِإِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ لِأَهْلِهِ: إِنِّي مُطَّلِعٌ تَرِكَتِي، فَجَاءَ فَوَافَقَ إِسْمَاعِيلَ مِنْ وَرَاءِ زَمْزَمَ يُصْلِحُ نَبْلًا لَهُ، فَقَالَ: يَا إِسْمَاعِيلُ، إِنَّ رَبَّكَ أَمَرَنِي أَنْ أَبْنِيَ لَهُ بَيْتًا، قَالَ: أَطِعْ رَبَّكَ، قَالَ: إِنَّهُ قَدْ أَمَرَنِي أَنْ تُعِينَنِي عَلَيْهِ، قَالَ: إِذَنْ أَفْعَلَ، أَوْ كَمَا قَالَ.

قَالَ: فَقَامَا، فَجَعَلَ إِبْرَاهِيمُ يَبْنِي وَإِسْمَاعِيلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ، وَيَقُولَانِ: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ [البقرة: ١٢٧]

ترجمۃ الحدیث

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت سعیدؒ بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"سب سے پہلے جس خاتون نے کمر کا پٹکا بنایا وہ اسماعیلؑ کی والدہ (ہاجرہ) تھیں، انہوں نے یہ پٹکا اس لئے بنایا تاکہ وہ اپنے قدموں کے نشانات کو حضرت سارہؓ کے لئے مٹادے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بیٹے اسماعیل کو جب کہ وہ ابھی حالتِ رضاعت میں تھے لے کر بیت اللہ کے جوار میں آگئے (اس وقت بیت اللہ تعمیری شکل میں نہیں تھا)۔ اور ان دونوں کو مسجدِ حرام میں موجودہ زمزم کے کنویں کے اوپر ایک سائبان میں چھوڑ دیا، مکہ میں اس وقت نہ کوئی ذی نفس تھا نہ پانی کا وجود۔ دونوں کو وہاں چھوڑا، ان کے قریب ایک مٹکا جس میں چند کھجوریں تھیں رکھ دیا، پانی کا ایک مشکیزہ بھی رکھ دیا اور خود الٹے قدموں واپس چلے گئے۔ ہاجرہؓ ان کے پیچھے پیچھے گئیں اور کہا کہ: اے ابراہیم! ہمیں اس (بے آب و گیاہ) وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں جہاں نہ کوئی انسان ہے نہ ہی کوئی دوسری چیز؟

ابراہیمؑ کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا وہ بار بار یہی کہتی رہیں۔ اُدھر ابراہیم علیہ السلام نے ان کی جانب ذرا بھی توجہ نہ فرمائی۔ آخر انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے؟ ابراہیمؑ نے کہا ہاں! تو حضرت ہاجرہؓ نے (ایمان و یقین سے سرشار لہجے میں) فرمایا کہ: تب تو وہ ہمیں ضائع نہیں کریگا"۔ اور واپس لوٹ گئیں۔

اُدھر ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے یہاں تک کہ جب اس گھاٹی پر پہنچے جہاں سے انہیں دیکھا نہ جاسکے تو اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کیا اور ہاتھ اٹھا کر ان کلمات سے دعا فرمائی:

﴿رَبَّنَا إِنِّیٓ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِیٓ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ (ابراہیم/۳۷)

"اے میرے رب! میں نے اپنی اولاد کو اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے جوار میں آباد کیا ہے۔ اے میرے رب! تاکہ یہ نماز قائم کریں۔ پس لوگوں میں سے بہت سوں کے دل کردے کہ وہ ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں پھل میووں سے رزق دے شاید وہ شکر کریں"۔

اُدھر اسماعیلؑ کی والدہ، اسماعیل کو دودھ پلاتی تھیں اور اس مشکیزہ میں سے پانی پی کر گزارہ کرتی تھیں یہاں تک کہ مشکیزہ کا سب پانی ختم ہو گیا تو خود بھی پیاسی رہ گئیں اور بیٹا بھی پیاسا رہ گیا۔ بے چین و مضطرب ہو کر معصوم اسماعیل کی طرف دیکھتیں (جو پیاس سے بلک رہا تھا) حتیٰ کہ ان سے یہ منظر دیکھا نہ گیا اور) اسمٰعیلؑ کی طرف دیکھنے کی ناگواری سے بچنے کے لئے وہاں سے چل پڑیں۔ اس وادی سے قریب ترین پہاڑ صفا کا تھا، ہاجرہ اس پر جا کھڑی ہوئیں پھر وادی کی طرف رخ کر کے دیکھنے لگیں کہ شاید کسی کو دیکھ لیں، لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ پھر صفا سے نیچے اتر آئیں اور جب وادی میں پہنچیں تو اپنی چادر کا کونہ اونچا کیا اور ایک انسان کی جتنی بساط ہو سکتی ہے کوشش کی اور وادیٔ مکہ کو عبور کر کے مروہ پہاڑ پر آگئیں اور اس پر جا کھڑی ہوئیں اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آجائے۔ وہاں بھی کوئی نہ دکھائی دیا۔ سات مرتبہ اسی طرح کیا۔

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

"اسی وجہ سے صفا و مروہ کے مابین لوگوں کے لئے سعی شروع کی گئی"۔

پھر جب وہ مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز انہوں نے سنی تو کہا: خاموش، مراد اپنے آپ کو کہنا تھا۔ پھر دوبارہ کان لگا کر سننے کی کوشش کی تو کہنے لگیں: اگر تمہارے پاس کوئی مدد ہے تو تم نے سنا دیا ہے، دیکھا تو ایک فرشتہ زمزم کی جگہ پر موجود ہے اور اس نے اپنے قدموں یا اپنے پیروں سے کھودنا شروع کیا یہاں تک کہ پانی نکل آیا۔ حضرت حاجرہؓ اس پانی کو حوض کی شکل میں محفوظ کرنے لگیں اور

اپنے ہاتھ کے اشارہ سے کہنے لگیں کہ اس طرح۔ پھر اس پانی کو اپنے مشکیزہ میں ڈالنے لگیں اور جب مشکیزہ بھر جاتا تو وہ ابلنے لگتا تھا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ امّ اسماعیل پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو یونہی چھوڑ دیتیں یا فرمایا اسے محفوظ نہ کرتیں تو زمزم کا چشمہ جاری پانی کی شکل میں بہتا رہتا۔

غرض حضرت ہاجرہؓ نے زمزم کا پانی پیا اور اپنے بچہ کو دودھ پلاتی رہیں، فرشتہ نے ان سے کہا کہ: اپنے ضائع ہونے (ہلاک ہونے) کا خوف مت کرو اس لئے کہ یہاں پر اللہ کا گھر ہے جسے لڑکا اور اس کے والد مل کر تعمیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس کے رہنے والوں کو ضائع نہیں فرماتے۔ اس زمانہ میں بیت اللہ زمین سے اونچائی پر ٹیلے کی مانند واقع تھا، کیونکہ سیلاب آیا کرتے تھے اور بیت اللہ کے دائیں بائیں حصہ کی عمارت کو نقصان پہنچاتے تھے۔

اسی طرح دن گزرتے رہے حتیٰ کہ ایک بار وہاں سے قبیلہ جرہم کے چند لوگ یا جرہم کے گھر والوں میں سے کچھ لوگ گذرے جو کداء کے راستہ سے آرہے تھے، وہ مکہ کے نشیب میں فروکش ہوئے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ منڈلا رہا ہے، وہ کہنے لگے کہ یہ پرندہ تو پانی کے اوپر منڈلاتا ہے جب کہ یہاں اس وادی میں تو کہیں پانی نہیں ہے۔ انہوں نے ایک دو آدمیوں کو مٹکے دے کر بھیجا (کہ پانی کی تلاش کریں) وہ گئے تو دیکھا کہ پانی (زمزم) ہے۔ وہ واپس لوٹے اور انہیں بتلایا کہ پانی ہے وہ سب کے سب پانی کے پاس آگئے۔ اس وقت امّ اسماعیلؑ پانی کے پاس ہی تھیں۔ تو ان لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ ہمیں اپنے قریب فروکش ہونے کی اجازت دیتی ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ ٹھیک ہے لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ وہ کہنے لگے ٹھیک ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ: امّ اسماعیل کو ان کی وجہ سے انس ہوا اور وہ اُنس چاہتی تھیں (اسلئے ان لوگوں کو اجازت دیدی)۔

غرض جرہم کے لوگ وہیں فروکش ہوگئے اور انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی بلا بھیجا، وہ بھی وہاں فروکش ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہاں ان کے کئی گھرانے ہوگئے، اور اسماعیلؑ بھی جوانی کی عمر کو پہنچ گئے، اور انہوں نے بنو جرہم سے عربی بھی سیکھ لی اور جب جوان ہوئے تو تمام قبیلہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ نفیس اور باوقعت تھے۔ چنانچہ وہ بالغ ہوگئے اور شعور کی عمر کو پہنچ گئے تو بنو جرہم نے اپنی ایک عورت سے ان کی شادی کردی۔

اسی دوران امّ اسماعیلؑ (حضرت ہاجرہؓ) بھی انتقال فرما گئیں، حضرت اسماعیلؑ کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی وہاں آئے تاکہ دیکھیں کہ بیوی اور بچہ (جسے وہ بے یار و مددگار چھوڑ گئے تھے) کا کیا حال ہے؟ جب وہ آئے تو اسماعیل علیہ السلام کو نہ پایا۔ آپ ؑ نے ان کی زوجہ سے سوال

کیا تو وہ کہنے لگی کہ: ہمارے لئے کچھ رزق کی تلاش میں گئے ہیں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے ان کی اھلیہ سے ان کی زندگی اور حالات کے متعلق دریافت کیا تو وہ کہنے لگیں: ہم بہت بری حالت میں ہیں' بڑی تنگی اور سختی میں ہیں اور ان سے خوب حالات کا شکوہ کیا۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ: جب تمہارے شوہر آجائیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کرلیں۔

جب حضرت اسماعیلؑ واپس آئے تو انہیں ماحول کچھ مانوس مانوس سا لگا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ وہ کہنے لگیں کہ ہاں اس اس طرح کے ایک شیخ آئے تھے انہوں نے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے انہیں بتلادیا' پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہماری زندگی کیسی گذر رہی ہے؟ تو میں نے انہیں بتلادیا کہ ہم مشقت اور شدّت میں ہیں' اسماعیلؑ نے پوچھا کہ پھر کیا وہ کچھ کہہ کر گئے ہیں؟ کہنے لگیں کہ ہاں' انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کو سلام کہوں اور یہ کہ وہ کہتے تھے کہ: اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کرلیں۔ اسماعیلؑ نے جواب دیا کہ وہ میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے تم سے علیحدگی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ تم اپنے گھر والوں سے جاملو' غرض انہیں طلاق دے کر اسی قبیلہ کی ایک دوسری خاتون سے شادی کرلی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے جبتک اس نے چاہا رکے رہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد دوبارہ اسماعیل علیہ السلام کے پاس آئے تو انہیں پھر موجود نہ پایا' وہ انکی اہلیہ کے پاس گئے اور ان سے اسماعیلؑ کے متعلق سوال کیا' انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں گئے ہیں پھر ابراہیمؑ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کا کیا حال ہے؟ اور ان کی زندگی اور حالات کے متعلق دریافت کیا' وہ کہنے لگیں کہ ہم بہت اچھے حال میں ہیں' خوب فراوانی ہے اور اللہ کی تعریف کی۔ ابراہیمؑ نے پوچھا کہ تمہارا کھانا کیا ہے؟ کہنے لگیں کہ گوشت' پوچھا کہ تمہارا مشروب کیا ہے؟ کہنے لگیں پانی۔ ابراہیمؑ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! انکے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ: اسماعیلؑ کے گھر والوں کے پاس اس وقت ذرا بھی گندم اور غلّہ وغیرہ نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو ابراہیمؑ اس کے لئے بھی دعا کرتے۔

پھر ابراہیمؑ نے ان سے کہا کہ: جب تمہارے شوہر آجائیں تو ان سے سلام کہنا اور انہیں حکم دینا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو برقرار رکھیں۔

جب اسماعیلؑ واپس تشریف لائے تو پوچھا کہ کیا کوئی آیا تھا؟ کہنے لگیں ہاں۔ ہمارے پاس ایک بہت اچھی حالت و صورت والے شیخ آئے تھے اور ان کی خوب تعریف کی۔ انہوں نے مجھ سے آپ کے متعلق دریافت کیا تو میں نے انہیں بتلادیا۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہماری زندگی کیسی

گذر رہی ہے؟ تو میں نے انہیں بتلایا کہ بہت اچھی اسماعیلؑ نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ کچھ کہہ کر گئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ: ہاں وہ آپ کو سلام کہہ گئے ہیں اور آپکو حکم دیا ہے کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بر قرار رکھیں اسماعیلؑ نے فرمایا کہ: وہ میرے والد تھے اور چوکھٹ سے مراد تم ہو' انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اپنے پاس روک رکھوں۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کچھ عرصہ مزید ٹھہرے رہے اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا' پھر اس کے بعد تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت اسماعیلؑ زمزم کے قریب ایک سائبان میں تیر کمان ٹھیک کر رہے ہیں۔ جب اسماعیلؑ نے انہیں دیکھا تو کھڑے ہوگئے اور دونوں نے ایک دوسرے کیساتھ وہی سلوک کیا جو ایک باپ اپنے بیٹے کیساتھ اور بیٹا اپنے باپ کے ساتھ کرتا ہے۔ پھر ابراہیمؑ نے فرمایا:

اے اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حکم فرمایا ہے۔ سعادت مند بیٹے نے جواب دیا کہ تو آپ کے رب نے جو حکم دیا اسے کر گذریئے۔ پوچھا کہ تم میری اعانت کرو گے؟ کہا کہ میں آپ کی بھرپور اعانت کروں گا۔ فرمایا کہ: مجھے اللہ عزّ و جل نے حکم فرمایا ہے کہ وہاں پر ایک گھر تعمیر کروں اور ابراہیمؑ نے ہاتھ سے زمزم کے اردگرد ایک بلند ٹیلہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: پھر اس ٹیلہ کے مقام پر ہی ان دونوں حضرات نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں' اسماعیلؑ پتھر لے کر آئے اور ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر فرماتے یہاں تک کہ جب عمارت بلند ہوگئی تو یہ پتھر (جسے "مقامِ ابراہیم" کہا جاتا ہے اور جسے قرآن کریم میں اللہ رب العالمین نے اپنی نشانی قرار دیا ہے) لائے اور اسے رکھ دیا' حضرت ابراہیمؑ اس پر کھڑے ہو کر تعمیر فرماتے رہے۔ اور حضرت اسماعیلؑ پتھر اٹھا اٹھا کر انہیں دیتے رہے اور دونوں حضرات یہ دعا فرماتے رہے کہ: "اے ہمارے پروردگار! ہماری اس خدمت کو ہماری طرف سے قبول فرمایئے' بلاشبہ آپ بہت سننے والے اور جاننے والے ہیں"۔ (البقرہ/۱۲۷)

غرض دونوں اس کی تعمیر میں لگے رہے یہاں تک کہ دونوں بیت اللہ کے گرد گھومتے رہے (تعمیر کے ساتھ ساتھ) اور (تعمیر سے فراغت پر یہ دعا مانگی کہ):

"اے ہمارے پروردگار! ہماری طرف سے (اس خدمت کو) قبول فرمایئے' بلاشبہ آپ بہت سننے والے اور جاننے والے ہیں"۔ (البقرہ/۱۲۷)

تخریج الحدیث:

رواہ البخاری فی صحیحہ۔ کتاب الأنبیاء ۔۶/۳۹۶)

تشریح الحدیث

جیسا کہ ترجمہ ظاہر ہے کہ حدیثِ بالا میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ ارضِ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے سکونت اختیار کرنے

والے اور اسے آباد کرنے والے یہی دونوں ماں بیٹے تھے' اور ٹھیک اس مقام پر ان کا پڑاؤ ہوا کہ زمین کا وہ حصہ روئے زمین کا سب سے مقدس مقام قرار پایا۔ وہ مقام کہ جہاں بیت الحرام ہے جس کا طواف روئے زمین پر بسنے والے مسلمان تا قیامت کرتے رہیں گے' اور جو قبلہ گاہِ عالم ہے' جہاں سب سے پہلے سیّدنا اسماعیل علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اور سب سے آخر میں سیّدنا حضرت محمد الرسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ جہاں ربّ کبریا کی عظیم نشانیاں' مقامِ ابراہیم' حجر اسود' زمزم' اور صفا و مروہ جیسے شعائر اسلام موجود ہیں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام' اللہ تعالیٰ کے بے حد برگزیدہ پیغمبر اور دینِ حنفی پر قائم تھے ان کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت سارہ' جن سے حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور یہ ملک شام میں آباد تھیں۔ اور حضرت اسحاقؑ نے فلسطین کی سرزمین پر اللہ کا گھر بنایا جسے "القدس" اور "الاقصیٰ" کے نام سے دنیا جانتی ہے۔ اور جسے قبلۂ اوّل ہونے کا شرف حاصل ہے' جو ہزاروں انبیاء کا مولد و مسکن اور مرکز رہی اور جسکے ماحول کو ربّ کریم نے بابرکت بنادیا بارکنا حولہ۔

دوسری حضرت ہاجرۃؑ' جن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوئے' اور انہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے شام سے لاکر ارضِ مقدس حرم مکہ میں اس وقت آباد کیا جب یہاں نہ زندگی تھی نہ زندگی کا کوئی سامان' نہ درخت و سبزہ' نہ کھیت کھلیان' نہ پانی' نہ کوئی انسان' بس ایک بے آب و گیاہ' سنگلاخ چٹانوں پر مشتمل چھوٹی سی وادی میں انہیں لا بسایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شکل میں فرزند عطا کیا تھا جس کی بناء پر حضرت سارۃؑ جو ابراہیمؑ کی پہلی زوجہ تھیں ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اب ہاجرۃؑ کی قدر و قیمت حضرت ابراہیمؑ کے دل میں بڑھ جائے گی اور حضرت ہاجرۃؑ کے دل میں بھی یہی خیال ہوا کہ کہیں حضرت سارۃؑ کی جانب سے انہیں یا ان کے نو مولود اسماعیل کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ جب حضرت ہاجرۃؑ ارضِ فلسطین سے مکہ کی طرف روانہ ہوئیں تو اپنی کمر پر ایسا پٹکا باندھ لیا جو نیچے زمین تک لٹکتا تھا' اور وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ کپڑا زمین پر گھسٹتا جائے گا جس کی وجہ سے ان کے قدموں کے نشانات مٹ جائیں گے اور سارۃؑ کو یہ نہیں معلوم ہو سکے گا کہ ہاجرۃؑ کہاں گئی ہیں؟

اُدھر حق تعالیٰ نے حضرت ابرہیمؑ کو حکم فرمایا کہ ہاجرۃؑ اور ان کے نو مولود اسماعیل کو بیت العتیق کے مقام پر چھوڑ آئیں (بیت اللہ اس وقت تک تعمیر نہیں ہوا تھا لیکن اس کا مقام متعین تھا' کیونکہ اس کی سابقہ تعمیر طوفانِ نوحؑ میں بہہ کر ختم ہو گئی تھی)۔

ارضِ فلسطین سے بیت اللہ کی وہ بے آب و گیاہ وادی اتنی مسافت پر تھی کہ بغیر جان جوکھوں میں ڈالے وہاں پہنچنا بھی مشکل تھا۔

یہاں سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کڑی اور سخت آزمائش کا تصور کیجئے کہ ایک تو بڑھاپے کی اولاد جو بڑی دعاؤں اور مرادوں کے بعد اللہ نے عطا فرمائی' پھر حکم ہو رہا ہے کہ اس بیوی اور نو مولود جگر کے ٹکڑے کو ایک ایسی جگہ جہاں نہ پانی ہے نہ کھانے پینے اور ضروریاتِ زندگی کا کوئی سامان' نہ آدم ہے نہ آدم زاد' چھوڑ کر آجایئے۔

مگر اللہ جل شانہ کی حکمتِ بالغہ اور قدرت کاملہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا' وہ عین اسی مقام سے جہاں سے انسان کو سب سے زیادہ خطرہ ہوتا ہے حفاظت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ وہ فرعون کے سب سے بڑے مخالف (موسیٰ علیہ السلام) کو فرعون ہی کے نفقہ پر اسی کے گھر پرورش کے اسباب مہیا کرتا ہے' اسی آگ کو خلیل اللہؑ کے لئے گلزار بنا دیتا ہے جو انسان کو لمحہ بھر میں جلا کر خاکستر کر دے' یہ سب اس کی قدرت کے ادنیٰ کرشمے ہیں' بہ ظاہر ایک امر میں انسان کو مشقت' مخالفت' نقصان اور خطرہ نظر آتا ہے لیکن اس کے اندر در حقیقت مالکِ حقیقی نے بہت سی خیر اور برکتیں و رحمتیں پنہاں رکھی ہوتی ہیں' اسی کا ارشاد ہے:

عَسٰى أن تكرَهُوا شَيْئاً وَّ هُو خيرٌ لكُم و عسٰى
أن تُحِبُّوا شَيْئاً وَّ هُو شرٌّ لكُم الآية (البقرہ/۲۱۶)

"ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے واسطے خیر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے نقصان دہ اور شر ہو' اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے"۔

چنانچہ خلیل اللہؑ کی اس آزمائش میں جو بہ ظاہر ہلاکت' نقصان اور سراسر خسارہ کی بات تھی' کتنی رحمتیں اور برکتیں انسانیت کے لئے پوشیدہ تھیں' آج پوری بنی نوع انسان پر ظاہر ہے بلکہ ساری امت اس آزمائش کے نتیجہ میں ملنے والی رحمتوں اور برکتوں سے استفادہ کر رہی ہے۔

ذبیح اللہ (اسماعیلؑ) کی اس بے آب و گیاہ وادی میں نشو و نما نے انسانیت کو روئے زمین کا سب سے مقدس شہر' بلد امین عطا کیا۔ وہ شہر عطا کیا کہ جس کی ربّ العالمین نے قسم کھائی' جس میں ربّ ذوالجلال کی تجلّیات وانوارات کا مرکز و منبع بیت اللہ ہے ؎

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

وہ شہر عطا کیا جہاں روئے زمین پر سب سے زیادہ عبادت' طاعات' خیرات اور حسنات کا وجود ہوتا ہے جسے اس احکم الحاکمین نے کفر و کفار اور مشرکین کے ناپاک وجود سے پاک رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ پاک رکھے۔

خلیلؑ اللہ کی قربانی اور ذبیح اللہ کے صبر نے انسانیت کو وہ بلدِ امین عطا کیا جو بنی نوع انسان کی

سب سے عظیم ہستی، محسنِ انسانیت، رحمت کائنات، نبی امی فداہ روحی وابی وامی کا مولد ومنشاء بنا۔

صلی اللہ علیٰ رسولہ وآلہ وسلم سلاماً تسلیماً کثیراً۔

بلاشبہ ان سب خیرات وبرکات اور حسنات کا ذریعہ اللہ نے خلیل اللہ وذبیح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کو بنایا، اور اس کے ذریعہ سے ان کے ذکر کو بلند اور تذکرہ کو دائم فرمایا۔ ذالك فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔ ؎ یہ رتبۂ بلند ملا جسے جاہا ملا۔

سیّدنا ابراہیمؑ نے اس نو مولود اور اس کی والدہ کو نرم ہواؤں، خوبصورت باغات، بہتے ہوئے چشموں اور سرسبز وشاداب چراگاہوں کی سرزمین ارضِ مقدس فلسطین سے نکال کر اس چٹیل وادی میں ایک درخت کے سایہ میں لا بٹھایا کہ میلوں تک انسانی زندگی کا کوئی نام ونشان تک نہ تھا، اور فوراً وہاں سے الٹے قدموں چلد یئے، نہ گھر بنایا، نہ خیمہ لگایا، نہ دیوار کھڑی کی نہ کھانے پینے کا سامان مہیا کیا، نہ جنگلی جانوروں سے حفاظت کا بندوبست کیا اور چل دیئے۔ حکمِ الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم۔

سیّدہ ہاجرۂ کی تہی دامنی اور بے بسی ولاچاری کا تصور کیجئے کہ اجنبی جگہ، ویران بیابان، آدم نہ آدم زاد، پانی نہ کھانا، گھر نہ خیمہ، انسان نہ جانور، ایسے میں نو مود جگر کا ٹکڑا ساتھ، خدا کے بعد دنیا کا سب سے مضبوط آسرا شوہر چھوڑ کر جارہا ہے، کچھ کہہ کر نہیں جارہا، نہ تسلی نہ دلاسے، یہ بے چین ومضطرب پیچھے پیچھے آتی ہیں پوچھتی ہیں؟ ہمیں کہاں چھوڑ کر جارہے ہیں؟ کس کے سہارے چھوڑ کر جارہے ہیں؟ مگر وہاں سے خاموشی کے سوا کچھ نہیں۔ باربار بے چین نگاہیں سوال کرتی ہیں آخر تھک ہار کر پوچھتی ہیں کہ کیا اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جارہے ہیں؟ جواب آیا۔ ہاں۔ ہاجرۂ نے ایمان ویقین سے سرشار لہجہ میں ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: إذن لا یُضَیِّعُنا۔ اسکے حکم سے چھوڑ کر جارہے ہیں تب تو وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ یہی اسلام ہے حکمِ الٰہی کے سامنے ہمیشہ سرنگوں رہنا اور ابراہیم خلیل اللہ نے یہی کرکے دکھلایا، انکی ساری زندگی اسی سے عبارت تھی، اور قرآن نے اس کی گواہی دی۔

إذْ قالَ له، رَبُّه، أسلِمْ قالَ أسلَمتُ لِربِّ العالَمین۔ (البقرہ ۱۳۱)

"جب کہا ابراہیمؑ کو اسکے رب نے کہ حکم برداری کرو، کہا کہ میں ربّ العالمین کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہوں"۔

غرض ابراہیمؑ کے اس جواب سے ہاجرۂ کو سکون ہوا اور ان کے دل کو ٹھنڈک پہنچ گئی کہ یہ سب کچھ حکمِ الٰہی کے تحت ہورہا ہے۔

اُدھر ابراہیمؑ واپس جارہے تھے، بیوی اور نو مولود فرزند کی فطری محبت پر حکمِ الٰہی کو ترجیح دیتے ہوئے واپسی کی راہ اختیار کی، لیکن فطری وپدری محبت کے جذبات بھی اُمڈ رہے تھے، چلتے چلتے جب وادی کے اس مقام پر پہنچے جہاں ٹیلہ تھا اور وہ ہاجرۂ کی نظروں سے اوجھل ہوگئے تو اب ٹیلہ پر چڑھ کر بیت العتیق (کعبہ) کی طرف رخ کرکے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور اپنے

پروردگار سے نہ جانے کس جذب کے عالم میں دعا کی:

رَبَّنَا إِنِّی أسکنتُ من ذُرِّیَتی بوادٍ غیر ذی زرعٍ عند بَیتِكَ المُحرَّم رَبَّنا لِیُقیمُوا الصَّلواةَ فاجْعَلْ أفئِدَةً مِّن النَّاس تَهوِیٓ إِلَیهِم وَارزُقْهُم مِن الثَّمراتِ لَعلَّهُم یشکُرُون۔(إبراهیم/۳۷)

"اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو ایک بے آب وگیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے قریب آباد کیا ہے' اے میرے رب! تاکہ یہ نماز قائم کریں' پس آپ لوگوں میں کچھ کو قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے' اور ان کو (محض اپنی قدرت سے) کھانے کے لئے پھل دیجئے تاکہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا کریں"۔

چنانچہ ربّ کریم نے خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمایا اور ان کی امید بر آئی' امِ اسماعیلؑ (ہاجرہ) کچھ دن تک تو اسی مشکیزہ کا پانی استعمال کرتی رہیں جو ابراہیم علیہ السلام چھوڑ گئے تھے اور انہی کی چھوڑی ہوئی کھجور کھا کر گزارہ کرتی رہیں' نو مولود اسماعیل کو اپنا دودھ پلاتی رہیں' لیکن وہ معمولی سا مشکیزہ اور تھوڑی سی کھجور کب تک ساتھ دیتی' بہت جلد ختم ہو گئی اور ہاجرہؑ بھوکی پیاسی رہ گئیں' پھر اس ویرانہ میں اپنی بھوک پیاس تو لاچار ماں برداشت کر سکتی تھی لیکن اپنے نو مولود کو بھوک و پیاس سے بلکتا تڑپتا کیسے دیکھ سکتی تھی جو نہ پیاس کی شدت زبان سے بیان کر سکتا تھا نہ بھوک کی کلفت' حتیٰ کہ وہ پیاس سے لبِ دم ہو گیا اور ماں کو اس کی طرف دیکھنے کا بھی یارا نہ رہا۔ نہ ہی اس کی تکلیف و کلفت کو مٹانے اور دور کرنے کا کوئی ذریعہ میسر آتا نظر آرہا تھا۔

اس ماں کی بے بسی کا کیا عالم ہو گا کہ ویرانہ اور بیابان میں اپنے نو مولود لختِ جگر کو بھوک پیاس کی کلفت سے تڑپتا دیکھے؟ اضطراری کیفیت میں حضرت ہاجرہؑ صفا پہاڑ جو ان کے آس پاس سب سے قریب بلند جگہ تھی اس پر چڑھیں کہ شاید وہاں سے دور تک حدِ نظر پر کسی پر نظر پڑ جائے' کوئی بھوکا بھٹکا مسافر نظر آجائے' جس کے پاس سے کوئی بھوک یا پیاس کو مٹانے کے لئے کچھ نکل آئے' کوئی زندگی کو باقی رکھنے والی چیز میسر آجائے۔ صفا پر چڑھ کر دور تک نظر دوڑائی' نہ کوئی نظر آیا نہ زندگی کی سانس کو برقرار رکھنے کا کوئی ذریعہ' دور تک وہی بھیانک سناٹا تھا۔ وہاں سے بے بسی کے عالم میں اتریں اور اس دوسرے پہاڑ کی طرف متوجہ ہوئیں جو کچھ ہی فاصلہ پر تھا مروہ پر چڑھیں اور وہاں سے بھی دور تک نگاہ دوڑائی کوئی مددگار' کوئی آسرا' کوئی زندگی کے سانسوں کے برقرار رکھنے والا ذریعہ' کوئی معصوم لختِ جگر کی بقا کا ضامن' کچھ نہیں' اسی بے بسی' لاچاری اور اضطراب کی کیفیت میں کبھی بے قرار ہو کر صفا پر چڑھتیں کبھی بے چین ہو کر مروہ پر جاتیں' یونہی سات چکر پورے کر لئے' جب بھی صفا سے مروہ یا مروہ سے صفا کی طرف جاتیں تو ایک نظر نو مولود پر ڈال لیتیں' سیدہ ہاجرہؑ کے یہ سات

چکر رہتی دنیا تک کے لئے یادگار کے طور پر مشروع کردیئے گئے اور قیامت تک آنے والے مسلمان یونہی صفا و مروہ کے مابین سات چکر لگا کر ''سعی'' کرتے رہیں گے اور دنیا کو سعی و کوشش اور بے چارگی کے عالم میں بھی متحرک رہنے اور جدّو جہد کرنے کا پیغام دیتے رہیں گے۔ سعی کے یہ سات چکر ربّ العالمین نے مناسکِ حج و عمرہ کے اہم رکن قرار دے دیئے۔ اور فرمایا:

إنّ الصَّفا والمَروَةَ مِن شعائِرِ اللّهِ فَمَن حَجَّ البَيتَ أوِاعتَمَرَ فلا جُناحَ عليه أنْ يَطَّوَّفَ بِهما (البقرة)

بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں سو جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان کے مابین چکر لگائے۔

غرض جب سیّدہ ہاجرہؓ کے سات چکر پورے ہوئے تو اچانک انہوں نے ایک آہٹ سنی، وہ چوکنا ہو گئیں اور اپنے آپ کو کہنے لگیں کہ خاموش! اور خوب کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگیں، اسی اثناء میں، دوبارہ وہ آہٹ اور آواز سنی، تو اب انہوں نے آواز کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تمہارے پاس مدد ہے تو تم نے اپنی آواز سنا دی ہے۔ اور انہوں نے بڑی باریکی اور دقّتِ نظر سے آواز کا کھوج لگایا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز تو نومولود کی جانب سے آ رہی ہے، اور وہاں ربّ العالمین کے عظیم فرشتے، سردار ملائک، جبرئیل علیہ السلام موجود ہیں اور اپنی ایڑی یا پروں سے زمین کو کرید رہے ہیں جو زمزم کی جگہ تھی یکایک وہاں سے پانی ابلنے لگا، جس پانی کو وہ بلند ٹیلوں اور پہاڑوں پر تلاش کر رہی تھیں وہ ربّ ذوالجلال نے ان کے نومولود کے قدموں کے نیچے سے جاری فرما دیا۔

اس ماں کی فرحت و خوشی کا کیا عالم ہوگا جو اپنے لختِ جگر کو موت کے منہ سے نکلتا اور پھلتا پھولتا دیکھ رہی ہو، انہوں نے جب پانی دیکھا تو بے اختیار پانی کو جمع کرنے اور محفوظ کرنے کا خیال آیا اور انہوں نے ہاتھوں سے مٹی کا ایک حوض سا بنانے کی کوشش کی تاکہ پانی اس میں جمع ہو جائے اور ضائع نہ ہو، اگر وہ اسے یونہی بہتے رہنے دیتیں تو زمزم ایک جاری چشمہ کی صورت میں بہتا رہتا۔ اور اسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ امّ اسماعیل پر رحم فرمائے، اگر وہ زمزم کو یونہی چھوڑ دیتیں (اور حوض نہ بناتیں) تو زمزم ایک بہتے چشمہ کی صورت میں جاری رہتا''۔

غرض، اللہ تعالیٰ نے امّ اسماعیلؑ کو پانی کی شکل میں حیات عطا فرمائی اور ان کی چھاتی میں دوبارہ دودھ ابلنے لگا اور بچہ کی بھوک پیاس کا بھی بندوبست ہو گیا اور اس وقت جبرئیلؑ نے فرمایا کہ:

''تم اپنے ضائع ہونے کا خوف مت کرو، اور انہیں خوشخبری سنائی کہ یہ بچہ اور اس کے والد عنقریب اللہ کا گھر تعمیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس کے بسنے والوں کو ضائع نہیں فرمائیں گے''۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمائی اور ان کے آس پاس انسیت پیدا کرنے کے لئے کچھ لوگوں کو یہاں ان کے ارد گرد بسایا تاکہ اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کی وحشت کم ہو اور وہ دوسرے انسانوں کی موجودگی کی وجہ سے مانوس رہیں۔

چنانچہ بنو جرھم کا ایک قافلہ وہاں سے گذرا تو وادیٔ مکہ کے نشیب میں فروکش ہوا، انہوں نے دیکھا کہ اس سنگلاخ و بے آب وگیاہ وادی میں فضا میں پرندے اڑ رہے ہیں' وہ جانتے تھے کہ پرندوں کا یہ غول اسی جگہ منڈلاتا ہے جہاں پانی ہو کیونکہ جو پرندے گزرنے والے ہوتے ہیں وہ کسی مقام پر توقف نہیں کرتے' لیکن جس طریقہ پر یہ پرندے منڈلا رہے تھے اور فضا میں مستقل پرواز کر رہے تھے تو وہ کسی پانی پر ہی اس طرح منڈلاتے ہیں۔ لیکن انہیں اپنے اس اندازہ میں کچھ تأمل تھا کیونکہ وہ اس علاقہ سے واقف تھے کہ اس خطۂ زمین میں نہ تو پانی ہے نہ ہی آبادی۔ کیونکہ آبادی کا بڑا گہرا اور لازمی تعلق پانی سے ہے۔ آخر کار انہوں نے ایک آدمی کو اپنے اس اندازہ کی تصدیق کے لئے روانہ کیا اور اس نے آکر ان کے اندازہ کی تصدیق کر دی اور بتلایا کہ اس طرح ایک عورت اور اس کا نومولود بچہ یہاں پر ہے۔

وہ لوگ اسی جانب چلے گئے اور اپنی آنکھوں سے سنگلاخ چٹانوں سے اٹدنے والے چشمۂ کرم کو دیکھا اور بہت خوش ہوئے اور امّ اسماعیل سے اجازت مانگی وہاں قیام کرنے کی۔ انہوں نے اجازت دے دی' لیکن یہ شرط لگادی کہ پانی پر ان کا کوئی حق نہ ہوگا۔ انہوں نے اسے تسلیم کر لیا اور اپنے گھر والوں کو بھی وہیں بلوا لیا۔ کیونکہ یہ لوگ خانہ بدوش قسم کے لوگ تھے جو کسی زرخیز اور پانی والی جگہ پر کچھ عرصہ قیام کرتے تھے پھر وہاں سے نئی منزلوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے تھے۔

غرض اسماعیل علیہ السلام اسی ماحول میں جوان ہوئے' بڑے خوبصورت اور جوان رعنا تھے' ان کی جوانی زندگی اور نشاط سے بھرپور تھی' اس پر مستزاد بہترین کریمانہ اخلاق اور اعلیٰ صفات نے ان کے پڑوسیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور انہوں نے ان کی قدر کرتے ہوئے انہوں نے ان کا نکاح اپنے قبیلہ کی ایک عورت سے کر دیا۔

اسی دوران امّ اسماعیل کا انتقال ہو گیا' جب انہیں اپنے بیٹے کے متعلق کوئی خدشہ و خوف نہیں رہا تو ان کی قضا آگئی اور موت جو ہر زندگی کی انتہا ہے اس نے انہیں بھی اپنی آغوش میں لے لیا۔

اُدھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جو ایک طویل عرصہ سے اپنے بیوی بچہ سے دور تھے ان کی خبر گیری کے لئے تشریف لائے تو اسماعیل علیہ السلام کو گھر میں نہ پایا' وہ اپنے گھر والوں کے لئے رزق کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے' ان کی زوجہ نے ابراہیم علیہ السلام سے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور سخت مشقت و تنگی کا اظہار کیا۔ ابراہیمؑ نے ان سے رخصت ہوتے ہوئے کہا کہ اپنے شوہر کو میرا سلام کہنا اور انہیں حکم دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر لیں (یہ در حقیقت کنایہ تھا زوجہ کی تبدیلی

کی طرف کہ اپنی اہلیہ کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرلیں کیونکہ ان کی طبیعت میں قناعت نہیں اور نبی کی بیوی کو قانع ہونا چاہیئے اور ہر حال میں اللہ کا شکر گذار ہونا چاہیئے) وہ اس بات سے لاعلم تھیں کہ یہ بزرگ اسماعیلؑ کے والد ہیں اور ان کی طلاق کا حکم دے رہے ہیں۔ انہوں نے باپ کا پیغام بیٹے کو پہنچادیا' انہوں نے والد کے پیغام کا مطلب سمجھتے ہوئے انہیں طلاق دے دی۔

ابراہیم علیہ السلام جب دوسری بار آئے تو ایک دوسری عورت کو اسماعیل علیہ السلام کے گھر میں موجود پایا اور اس کا حال پہلی سے بالکل مختلف دیکھا کہ وہ تنگی ترشی کے باوجود شاکر و قانع ہے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے انہیں نکاح میں رکھے رہنے کا حکم دیا' کیونکہ انہوں نے دیکھا لیا تھا کہ جو عورت تنگ دستی و معاشی پریشانی کے باوجود اللہ کی شکر گزار اور قناعت پسند ہو' وہی نبی کی زوجیت کے قابل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔

یہاں یہ عجیب نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ سے پوچھا کہ تمہارا کھانا کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ: گوشت اور پانی! نبی کریم ﷺ نے اس پر ارشاد فرمایا کہ: ان کے یہاں کوئی غلہ اور اناج نہیں تھا کیونکہ اگر اناج ہوتا تو اس کا بھی ذکر کرتیں اور ابراہیم علیہ السلام گوشت اور پانی میں برکت کی دعا کے ساتھ اناج اور غلہ کی برکت کے لئے بھی دعا کرتے۔

چنانچہ یہ بات بڑی عجیب ہے کہ اہلِ مکہ جو اصلاً حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں وہ صرف گوشت اور پانی پر ہی گزارا کرتے ہیں' دیگر اناج اور غلے وغیرہ ان کے یہاں بہت کم استعمال ہوتے ہیں لیکن گوشت کا مسلسل استعمال انہیں نقصان دِہ نہیں ہوتا جب کہ اگر دوسرے لوگ مسلسل ہمیشہ گوشت ہی استعمال کریں تو ان کے لئے نقصان دہ ہے۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام تیسری بار تشریف لائے تو اس بار فرزند سے ملاقات ہوگئی۔ وہ اپنے گھر میں تیر درست کر رہے تھے' دونوں باپ بیٹے ایک طویل عرصہ کے بعد مل رہے تھے' دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو کرنا چاہیئے تھا۔ معانقہ' سلام دعا اور خیر خیریت کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے سعادت مند فرزند کو اللہ ربّ العالمین کے حکم سے مطلع کیا کہ بیت اللہ کی تعمیر کرنی ہے اور یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ وہ (اسماعیلؑ) معاون ہوں گے۔ سعادت مند بیٹے نے فوراً حکم الٰہی کی اطاعت کی اور دونوں حضرات تعمیر کعبۃ اللہ میں مصروف ہوگئے' اور جب اس کی تعمیر کے عظیم مرحلہ سے فارغ ہوئے اور یہ سعادتِ عظمیٰ حاصل کی تو بارگاہِ الٰہی میں دعا فرمائی:

"اے ہمارے رب! اس خدمت کو ہم سے قبول فرمالیجئے بلاشبہ آپ بہت سننے اور جاننے والے ہیں"۔ (البقرہ)

چند عبرت ونصائح

مذکورہ بالا حدیث در حقیقت علوم، حقائق اور فوائد کا ایک مجموعہ ہے۔ اور اگر رسولِ کریم ﷺ یہ تمام حقائق بیان نہ فرماتے تو انسانیت کے پاس بیت اللہ کی تعمیر، اس کی بناء اور اس سے متعلقہ باتیں جاننے کا کوئی دوسرا مستند اور قابلِ اعتماد ذریعہ نہ تھا۔ قرآنِ کریم نے ان تمام تفصیلات کے بجائے چند اہم اور بنیادی نوعیت کی باتیں بیان کی ہیں جب کہ تفصیلات و جزئیات رسول کریم ﷺ نے بیان فرمائی جن میں ہمارے لئے بہت سے اہم فوائد پنہاں ہیں۔

۱۔ حدیث سے سب سے پہلے تو یہ بات معلوم ہوئی کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ ربّ العزت کی طرف سے دیئے گئے حکم پر بغیر ادنیٰ چوں چرا کے فوری عمل فرمایا باوجودیکہ اس حکم پر عمل کرنے سے بظاہر تکلیف و مشقت اور نقصان نظر آرہا تھا، اور بظاہر عقل کے خلاف بات تھی کہ بیوی اور نومولود بچہ کو تن تنہا بے کسی اور بے بسی کے عالم میں ایسے ویرانہ میں چھوڑ کر چلا جائے جہاں نہ گھاس کی پتی اُگے نہ پانی کا قطرہ نکلے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کے طرزِ عمل نے بتلادیا کہ اسلام در حقیقت حکمِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کا نام ہے، حکمِ الٰہی کے عقلی جواز کی تلاش اور جواز سمجھ میں آنے تک عمل کو موقوف کرنے کا نہیں، تقاضائے حکمِ الٰہی یہ ہے کہ بلاچوں چرا عمل کیا جائے۔ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

اور ؎

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیلؑ نے
جو عقل کا ہو غلام وہ دل نہ کر قبول

اسی تسلیم اور فوری عمل کا نام در حقیقت اسلام ہے اور یہی عبدیت و بندگی کا تقاضا ہے۔ حکمِ الٰہی بظاہر کتنا ہی مشکل، ضرر رساں اور سمجھ میں نہ آنے والا ہو، بندہ کی شان نہیں کہ وہ اس کی لِم تلاش کرے اس کے جواز کو ڈھونڈے اور عقل کے معیار پر اسے پرکھے، کیونکہ بقول شاعر مشرق اقبال مرحوم ؎

گرچہ تو زندانی اسباب ہے قلب کو لیکن ذرا آزاد رکھ
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

لہٰذا مقامِ تسلیم و رضا اور مقامِ عبدیت یہی ہے کہ بندہ چوں چرا کے بغیر تعمیل حکم کرے، حکم کی مصلحت اگر سمجھ میں آتی ہے تو بہت اچھا لیکن سمجھ میں نہ آئے تب بھی حکم کو چھوڑنا اور اس وجہ سے ترک کرنا جائز نہیں۔

۲۔ دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ انسان بسا اوقات ایک کام کو اپنے لئے ناگوار' برا اور نقصان دہ سمجھتا ہے لیکن فی الحقیقت اس میں اس کے لئے فوائد اور بہتری پوشیدہ ہوتی ہے جیسا کہ یہاں بظاہر اپنے گھر والوں کو ویرانہ میں بے یار و مددگار چھوڑ کر جانا ایک ناگوار اور غیر دانشمندانہ عمل تھا لیکن حقیقتاً اس میں ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کے لئے اور پوری انسانیت کے لئے بے شمار فوائد اور برکتیں اور مصلحتیں پوشیدہ تھیں جو آج پوری طرح واضح ہیں۔

یہی حقیقت ہر مسلمان کو پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مشیت سے ہونے والے واقعات و حالات ظاہراً ہمارے لئے مشکل اور تکلیف دِہ ہی کیوں نہ ہوں لیکن بالآخر انجام کار کے اعتبار سے اور دیگر مصلحتوں کی بناء پر اس میں ہمارے لئے خیر کے بھی بہت سے پہلو ظاہر ہو جاتے ہیں' مثلاً کوئی شخص کسی پرواز کے لئے سیٹ بک کراتا ہے اور پوری طرح تیاری کرتا ہے کہ مقرر وقت پر ایئرپورٹ پہنچ جائے تاکہ مقررہ پرواز سے اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ لیکن کسی مجبوری کی بناء پر اس کی پرواز چھوٹ جاتی ہے تو وہ بڑا جز بز ہوتا ہے اور اس کے لئے یہ ایک تکلیف دِہ صورتحال ہوتی ہے لیکن اگلے روز اسے اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس پرواز سے اسے جانا تھا وہ کسی حادثہ کا شکار ہو گئی ہے تو پرواز کا چھوٹ جانا بظاہر اس کیلئے تکلیف دِہ معاملہ تھا لیکن اس میں اس کے واسطے خیر پوشیدہ تھی۔ اسی کو قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:

عَسٰی أَن تَکرَهُوا شَیْئًا وَّ هُو خیرٌ لَّکُم وعسٰی أنْ تُحِبّوا شیئًا وَّهُو شرٌّ لَّکُم۔ (البقرہ)

شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تمہیں بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں۔

۳۔ حضرت ہاجرہؓ اور اسماعیل علیہ السلام کے واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حکمِ الٰہی کو تسلیم کرنا اور اس پر عمل کرنا منافیٔ اسباب نہیں ہے بلکہ انسان کو حتی الوسع اسباب و وسائل کو بھی اختیار کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ حضرت ہاجرہؓ بے آب و گیاہ وادی میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی رہیں بلکہ اپنی بساط بھر بھاگ دوڑ کی اور بچہ کی زندگی بچانے کے لئے پانی کے حصول کی جدوجہد کی۔

۴۔ باپ کو اپنی اولاد کے دین کیساتھ ساتھ دنیا کی بھی فکر کرنا چاہئے اور یہ شریعت کے اعتبار سے ضروری ہے' حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کے دین کی پہلے فکر کی اور اس کے بعد ان کی دنیا اور معاش کی بھی فکر رکھی اور ان کی خبر گیری کی اور ان کے معاش کی بہتری اور برکت کے لئے دعا فرمائی اور جس وقت انہیں چھوڑ کر جا رہے تھے اس وقت بھی ان کے دین اور دنیا کے لئے دعا کی۔

۵۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام ایک بہترین تیر انداز تھے کیونکہ وہ اپنی تیر

اور کمان کو درست کر رہے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک موقع پر صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ:

"إرموا بني اسماعيل فإنّ أباكم كان رامياً۔(بخاری/۹۸)

"اے بنی اسرائیل! تیر اندازی کیا کرو (سیکھا کرو) کیونکہ تمہارے جدامجد (اسماعیلؑ) بھی تیر انداز تھے"۔

۶۔ حدیث سے ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اہل اللہ اور صلحاء اور ان کے گھر والوں کے اخلاق کے مناسب یہ بات ہے کہ وہ ہر طرح کے حالات میں صبر و شکر اور قناعت سے کام لیں اور تنگی و ترشی کے حالات میں شکوہ شکایت نہ کریں کہ یہ صلحاء کے شایانِ شان نہیں، جیسا کہ اسماعیل علیہ السلام کی پہلی بیوی نے تنگدستی کا شکوہ کیا تو ابراہیم نے انہیں طلاق دلوادی کہ شکوہ و شکایت کرنا انبیاء کے گھر والوں کے لئے زیبا نہیں ہے۔

پانچواں واقعہ ﴿۵﴾

حضرت ابراہیمؑ وسارہؓ اور جابر بادشاہ

تمہید

اللہ رب العالمین اپنے بندوں کی دشمنوں اور ان کی ایذاؤں سے کس طرح حفاظت فرماتے ہیں یہ واقعہ اس کی ایک مثال ہے، کس طرح اللہ جل شانہ' نے حضرت سارہؓ کی عزت و عصمت کی حفاظت فرمائی جب کہ ایک جابر و ظالم شخص نے ان کی بے چارگی و بے بسی سے فائدہ اٹھا کر حریم نبوت پر حملہ کرنے کی ناپاک و نامراد جسارت کی اور کیسے اللہ رب العزت نے ان بے بس انسانوں کی دستگیری فرمائی۔ یہ واقعہ ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے محبوب و مقرب بندوں کی ہر حال میں حفاظت فرماتے ہیں۔ اور ان کے دشمنوں کو ہمیشہ ذلیل وخوار کر کے رسوا فرماتے ہیں۔

نص الحدیث:

روى البخاري في صحيحه: عن أَبي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: (هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلام بِسَارَةَ، فَدَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ مِنَ الْمُلُوكِ، أَوْ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، فَقِيلَ: دَخَلَ إِبْرَاهِيمُ بِامْرَأَةٍ هِيَ مِنْ أَحْسَنِ النِّسَاءِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ: أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ، مَنْ هَذِهِ الَّتِي مَعَكَ؟ قَالَ: أُخْتِي، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهَا، فَقَالَ لا تُكَذِّبِي حَدِيثِي، فَإِنِّي أَخْبَرْتُهُمْ أَنَّكِ أُخْتِي، وَاللهِ إِنْ عَلَى الأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ، فَأَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ فَقَامَ إِلَيْهَا، فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّي، فَقَالَتْ: اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ، وَأَحْصَنْتُ فَرْجِي إِلا عَلَى زَوْجِي، فَلا تُسَلِّطْ عَلَيَّ الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ).

قَالَ الأَعْرَجُ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمَنِ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: (قَالَتِ: اللَّهُمَّ إِنْ يَمُتْ يُقَالُ: هِيَ قَتَلَتْهُ، فَأُرْسِلَ، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهَا، فَقَامَتْ تَوَضَّأُ تُصَلِّي، وَتَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ، وَأَحْصَنْتُ فَرْجِي إِلا عَلَى زَوْجِي، فَلا تُسَلِّطْ عَلَيَّ هَذَا الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ).

قَالَ عَبْدُالرَّحْمَنِ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقَالَتِ: (اللَّهُمَّ إِنْ يَمُتْ

فَيُقَالُ: هِيَ قَتَلَتْهُ، فَأُرْسِلَ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ، فَقَالَ: وَاللهِ مَا أَرْسَلْتُمْ إِلَيَّ إِلا شَيْطَانًا، ارْجِعُوهَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ، وَأَعْطُوهَا آجَرَ، فَرَجَعَتْ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلام، فَقَالَتْ: أَشَعَرْتَ أَنَّ اللهَ كَبَتَ الْكَافِرَ، وَأَخْدَمَ وَلِيدَةً).

وفي رواية أخرى في صحيح البخاري: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: (لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلام إِلا ثَلاثَ كَذَبَاتٍ: ثِنْتَيْنِ مِنْهُنَّ فِي ذَاتِ اللهِ عزوجل، قَوْلُهُ ﴿ إِنِّي سَقِيمٌ ﴾ [الصافات: ٩٨] وَقَوْلُهُ ﴿ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا ﴾ [الأنبياء: ٦٣]، وَقَالَ: بَيْنَا هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ وَسَارَةُ إِذْ أَتَى عَلَى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ هَا هُنَا رَجُلا مَعَهُ امْرَأَةٌ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَنْهَا، فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ قَالَ: أُخْتِي. فَأَتَى سَارَةَ قَالَ: يَا سَارَةُ لَيْسَ عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ، وَإِنَّ هَذَا سَأَلَنِي فَأَخْبَرْتُهُ عَنْكِ أَنَّكِ أُخْتِي، فَلا تُكَذِّبِينِي. فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا، فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهِ فَأُخِذَ، فَقَالَ: ادْعِي اللهَ لِي، وَلا أَضُرُّكِ، فَدَعَتِ اللهَ، فَأُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأُخِذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ، فَقَالَ: ادْعِي اللهَ لِي وَلا أَضُرُّكِ، فَدَعَتْ فَأُطْلِقَ، فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهِ فَقَالَ: إِنَّكُمْ لَمْ تَأْتُونِي بِإِنْسَانٍ، إِنَّمَا أَتَيْتُمُونِي بِشَيْطَانٍ، فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ، فَأَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي، فَأَوْمَأَ بِيَدِهِ، مَهْيَمْ؟ قَالَتْ رَدَّ اللهُ كَيْدَ الْكَافِرِ أَوِ الْفَاجِرِ فِي نَحْرِهِ، وَأَخْدَمَ هَاجَرَ).

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: تِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ.

ترجمۃ الحدیث

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ کے ہمراہ ہجرت فرمائی اور ایک بستی میں داخل ہوئے جس میں ایک بادشاہ یا ایک جابر شخص تھا' اس سے کہا گیا کہ ابراہیم ایک عورت کے ساتھ جو تمام عوتوں سے زیادہ حسین ہے داخل ہوا ہے۔ اس نے انہیں بلا بھیجا اور پوچھا کہ اے ابراہیم! یہ جو تمہارے ساتھ عورت ہے تمہاری کون ہے؟ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ: میری بہن ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام واپس حضرت سارہ کے پاس لوٹے اور ان سے کہا کہ بادشاہ کے سامنے میری بات کو جھٹلانا مت' میں نے اسے یہی بتلایا ہے کہ تم میری بہن ہو اور اللہ کی قسم! روئے زمین پر اس وقت میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مومن نہیں ہے (لہٰذا تم میری مومن بہن ہوئی ایمانی رشتہ سے)۔

پھر اس نے حضرت سارہ کو بلا بھیجا' اور ان کے سامنے جا کھڑا ہوا' حضرت سارہ کھڑی ہو گئیں اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا مانگی کہ:

"اے اللہ! اگر میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان رکھتی ہوں اور میں نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے سوائے اپنے شوہر کے تو مجھ پر اس کافر کو غلبہ نہ دیجئے"۔

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی اور وہ جابر اپنے قدموں میں زمین میں دھنسا دیا گیا"۔

صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا سوائے تین مرتبہ کے (جھوٹ سے مراد خلاف حقیقت بات ہے جسے توریہ کہتے ہیں کہ ایک بات کے دو مفہوم ہوں ایک مفہوم قریب اور دوسرا البعید۔ شر سے بچنے کے لئے اس قسم کی بات کی اجازت ہے) ان میں سے دو تو اللہ تعالیٰ کی ذات عزّوجل کے بارے میں تھے۔

ایک بار تو فرمایا کہ: إِنِّي سَقِيمٌ (الصافات/۹۸) کہ میں مریض ہوں" اور دوسرا "بَلْ فَعله كبيرُهُم هٰذا" (الأنبياء/۶۳) کہ یہ کام تو ان کے اس بڑے بت نے کیا ہے"۔

اور تیسرا یہ کہ ایک بار ابراہیمؑ اپنی زوجہ سارہ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے کہ بڑے جابر حکمرانوں میں سے ایک جابر حکمران کے ملک میں پہنچے' اس جابر سے کہا گیا کہ یہاں تمہارے علاقہ میں ایک آدمی ہے اس کے ساتھ ایک حسین ترین عورت ہے۔ اس جابر نے ابراہیمؑ کو بلوا بھیجا اور ان سے سارہ کے متعلق دریافت کیا اور کہا کہ یہ کون ہے؟ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میری بہن ہے (اور یہی بات ہے جسے حدیث میں کذب سے تعبیر کیا گیا) پھر وہ سارہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ: اے سارہ! اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مومن نہیں ہے' اور اس شخص نے مجھ سے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے بتلایا کہ تم میری بہن ہو (اور ایمانی رشتہ سے تم میری مومن بہن ہی ہو) لہٰذا میری بات کو اس کے سامنے جھٹلانا مت۔

پھر اس جابر نے حضرت سارہ کو بلوا بھیجا' جب وہ اس کے پاس داخل ہوئیں تو اس نے ازراہ شیطنت ان کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی مگر وہ اللہ کے عذاب میں پکڑا گیا (اس طرح کہ اسے اپاہج و معذور کر دیا گیا) اس نے سارہ سے کہا کہ میرے لئے اللہ سے دعا کرو (کہ مجھے اس عذاب سے نجات دے) تو میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤنگا۔ حضرت سارہ نے دعا کی تو اسے خلاصی مل گئی۔ اس نے پھر بدنیتی سے ان کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو پھر گرفتار عذاب ہوا۔ اور پہلے سے زیادہ سخت اپاہج اور معذور کر دیا گیا۔ کہنے لگا کہ میرے لئے اللہ سے دعا کر دو تو میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا۔ سارہ

نے پھر دعا کی تو اسے پھر خلاصی نصیب ہوئی۔

اس نے اپنے بعض درباریوں کو بلایا اور کہنے لگا کہ: "تم میرے پاس کوئی انسان نہیں لائے بلکہ تم تو کوئی شیطان لائے ہو (نعوذ باللہ) پھر اس نے ہاجرہ نامی باندی سارہ کو بطور خادمہ دے دی' حضرت سارہ' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں تو وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے' انہوں نے ہاتھ کے اشارہ سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ سارہ نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے کافر کے منصوبہ اور سازش کو اس کے حلق میں لوٹا دیا اور اس نے ہاجرہ کو بطور خادمہ دیا ہے"۔

یہ واقعہ سنا کر ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ: اے آسمان کے پانی کی اولاد! وہ (ہاجرہ) ہی تمہاری ماں ہیں"۔

تخريج الحديث:

رواه البخاري.كتاب البيوع/٤/٤١٠۔

كتاب الأنبياء/٦/٣٨٨۔

صحيح مسلم .كتاب الفضائل باب فضائل ابراہیمؑ/٤/١٨٤٠

انبیاءؑ کذب سمیت ہر خطاء سے معصوم ہوتے ہیں۔

ا۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ: حضرت ابراہیمؑ نے تین بار کے علاوہ کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

یہاں کذب (جھوٹ) سے کیا مراد ہے؟ یہ بات تو ظاہر ہے کہ کذب کا لفظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ کیونکہ کسی بھی گناہ کا صدور انبیاء علیہم السلام سے ممکن نہیں کہ وہ باتفاقِ علماء "معصوم" ہوتے ہیں۔

دراصل "کذب" کا لفظ یہاں باعتبار مخاطب اور سامع کے استعمال ہوا ہے کہ سننے والا ان کی بات سے کوئی دوسرا مفہوم سمجھے جو کہ مراد نہ ہو جسے اصطلاح میں "توریہ" کیا جاتا ہے۔

اللہ رب العالمین نے جن باتوں کا ابلاغ انبیاء کے ذمہ رکھا ہے ان میں انبیاء علیہم السلام سے کذب کا احتمال ہی نہیں ہے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔

جہاں تک امور دنیا کا تعلق ہے تو ان میں انبیاء علیہم السلام سے کذب کے احتمال کے متعلق دونوں ہی اقوال ہیں سلف و خلف کے۔ لیکن اصح قول یہی ہے کہ ان میں بھی انبیاء علیہم السلام کذب سے معصوم ہوتے ہیں۔

قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں:

> "صحیح یہ ہے کہ جن باتوں کا تعلق بلاغ سے ہو (یعنی وہ باتیں جنکا امت تک پہنچانا ضروری ہو) تو انبیاء سے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ خواہ صغائر کے متعلق ہم ان کے لئے احتمال کذب کے جواز کا حکم لگائیں یا نہیں.......... اس لئے کہ منصب نبوت ان باتوں سے بہت بلند ہوتا ہے اور اگر انبیاء کے لئے احتمال کذب کا

جوازر کھاجائے تو یہ بات ان کے اقوال سے وثوق اور اعتماد کو ختم کردے گی"۔

بہر کیف! یہاں کذب سے مراد جھوٹ نہیں۔ بلکہ حضرت ابراہیمؑ نے جو بات کی وہ حق اور سچ تھی لیکن اس کے دو مفہوم تھے اور مخاطب یہ سمجھا کہ اس کا قریبی معنی مراد ہے جو عموماً ہوتا ہے' جب کہ حضرت ابراہیمؑ کی مراد بعید معنی تھے۔ اور در حقیقت یہ ایک کنایہ تھا' حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی شان کذب بیانی سے بالاو برتر ہے۔

۲۔ حدیث کے آخر میں حضرت ابوہریرہؓ کا جملہ ہے کہ: وہ (ہاجرہ) ہی تمہاری ماں ہیں اے آسمان کے پانی کی اولاد!"۔

آسمان کے پانی کی اولاد سے کیا مراد ہے؟ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ بنی ماء السماء سے مراد تمام اہل عرب ہیں' اور ان کو اس نقب سے پکارنے کی وجہ انکے انساب کا مکمل خالص اور غیر نسل سے مخلوط نہ ہونا ہے کہ جنکے نسب غیروں کے اختلاط سے ایسے صاف ہیں جیسے آسمان کا پانی دنیا کی نجاستوں اور کثافتوں سے مصفا اور خالص ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد صرف انصار ہیں' اور ان کو اس لقب سے پکارنے کی وجہ ان کا جد امجد عامر بن حارثہ بن امرؤ القیس ہے جس کا عُرف "ماء السماء" تھا یعنی وہ آسمان کے پانی کے عرف سے مشہور و معروف تھا۔ واللہ اعلم

تشریح الحدیث

حضرت ابرہیم علیہ السلام نے جب اپنے علاقے سے ہجرت فرمائی تو ان کے ہمراہ ان کی زوجہ حضرت سارہ بھی تھیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے آگ میں ڈالا اور آگ اللہ کے حکم سے ان کے لئے گل و گلزار بن گئی تو اس کے بعد انہوں نے وہاں سے ہجرت فرمائی اور دور دراز علاقوں میں پڑاؤ کرتے رہے۔ ظاہری بات ہے کہ ان غیر مانوس اور اجنبی علاقوں میں کوئی ان کا مددگار و حمایتی نہ تھا' اور ایسے حالات میں ظالم و سرکش لوگ غریب الدیار لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ آور ہوتے ہیں' چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ایک ظالم و جابر اور اقتدار کے نشہ میں مدہوش فرعون صفت انسان سے واسطہ پڑا۔ اس کے سامنے ذکر کیا گیا کہ ابراہیم اس کی سرزمین پر دنیا کی حسین و جمیل عورت کے ساتھ اترا ہے۔ اس قسم کے ظالم و بدمعاش لوگوں کا وطیرہ اس زمانہ میں یہ تھا کہ اگر کسی عورت کو حاصل کرنا چاہتے تو اس کے شوہر کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیتے تھے اگر وہ عورت شوہر والی ہوتی تھی۔ البتہ اگر وہ کنواری ہوتی یا اپنے باپ یا بھائی کے ساتھ ہوتی اس صورت میں اس سے اور اس کے عزیز و اقارب اور گھر والوں سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس ظالم بادشاہ کے قاصد سے یہی کہا کہ سارہ میری

بہن ہے(تاکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو گرفتار نہ کرے)اور حضرت سارہ کی عزت پر حملہ آور نہ ہو لیکن اس کے باوجود اس ظالم نے اس پر بدنیتی سے حملہ کرنے کی کوشش کی۔ حضرت سارہ کو اس بادشاہ کے پاس بھیج دیا' بحیثیتِ پیغمبر کے انہیں یقینِ راسخ تھا کہ اللہ ربّ العالمین حضرت سارہ کی عزت وعصمت کی حفاظت فرمائیں گے کیونکہ انبیاء علیہم السلام بنی نوع انسان کے سب سے زیادہ مقدس اور پاکیزہ فطرت لوگ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے پاکیزہ اور عفت ماب خواتین ہی منتخب فرماتے ہیں اور یہ تو ممکن ہے کہ کسی نبی کی زوجہ کافرہ ہو لیکن فاحشہ ہرگز نہیں ہو سکتی' ازواجِ نبی کردار کے اعتبار سے ہمیشہ پاکیزہ اور عصمت ماب ہوتی ہیں۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام کو اللہ جل جلالہ' کی ذات پر کامل یقین تھا کہ حضرت سارہ جابر بادشاہ کی شیطنت سے محفوظ رہیں گی لہٰذا انہیں بھیج دیا۔ البتہ انہیں یہ بتلادیا کہ میں نے بادشاہ کو یہ بتلایا ہے کہ تم میری بہن ہو۔ اور در حقیقت یہ "توریہ" تھا ابراہیم علیہ السلام کا۔

توریہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان ایسا ذو معنی کلام کرے کہ مخاطب اس کے کوئی دوسرے معنی سمجھے جب کہ متکلم کی مراد کچھ اور ہو۔ ایسا کرنا جائز ہے خصوصاً جب کہ کسی ظالم کے ظلم سے بچنے یا کسی شر اور نقصان سے بچنے کیلئے کیا جائے تو بلا شبہ جائز ہے اور ایسا کرنا کذب اور جھوٹ نہیں کہلاتا۔

رسول اللہ ﷺ نے اسے کذب سے مخاطب کی نسبت سے تعبیر فرمایا کہ سننے والوں کے لئے یہ کذب جیسا ہے۔

بہر کیف! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے فرمایا کہ میں نے اسے یہی بتلایا ہے کہ تم میری بہن ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین پر اس وقت میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مومن نہیں ہے لہٰذا تم میری ایمانی بہن ہو' اللہ جل جلالہ' کا ارشاد بھی ہے کہ:

"تمام اہلِ ایمان بھائی بھائی ہیں"۔(الحجرات)

یہاں یہ واضح رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق نبی ﷺ کی مذکورہ حدیث میں یہ ہے کہ انہوں نے تین بار کذب سے کام لیا جس کی طرف قرآنِ کریم نے دو مختلف آیتوں میں اشارہ کیا ہے۔

ایک بار تو فرمایا کہ: إنّي سقيم (میں بیمار ہوں) تو یہاں بھی ابراہیم علیہ السلام نے گناہ کے کام میں شرکت سے بچنے کے لئے توریہ سے کام لیا تھا۔ جب ان کی قوم نے انہیں اپنے باطل تہوار جس میں بت پرستی اور بتوں کی نمائش ہوتی تھی میں چلنے کی دعوت دی تو انہوں نے فرمایا کہ میں مریض ہوں' اور اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ میں مضمحل اور رنجیدہ ہوں تمہاری اس بت پرستی کی وجہ سے کیونکہ سقیم کے ایک معنی رنجیدہ کے بھی ہیں۔

اسی طرح دوسری بار جب انہوں نے قوم کی غیر موجودگی میں سارے بتوں کو توڑ ڈالا اور

آخر میں جس کلہاڑے سے سب کو توڑا تھا اسے بڑے بت کی گردن میں ڈال دیا' بعد میں جب قوم نے پوچھا کہ یہ کس ظالم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا تو جواب میں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ: بل فَعَلَه' کبیرھم ھٰذا (الأنبیاء) کہ یہ کام تو تمہارے اس بڑے بت کا ہے تم اسی سے پوچھ لو' تو یہ بھی بظاہر خلافِ حقیقت بات تھی مگر ابراہیم علیہ السلام نے قوم پر حجت پوری کرنے کے لئے یہ بات فرمائی اور اس کام کی نسبت بڑے بت کی طرف اسناد مجازی کے طور پر کی...... کیونکہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی بات کے جواب میں یہ کہا کہ (یہ تم کیسی احمقانہ بات کر رہے ہو) تم تو جانتے ہو کہ یہ پتھر کے بت کیسے بول سکتے ہیں؟ تو ان کی اسی بات سے استدلال کرتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "تف ہے تم پر اور تمہارے ان باطل معبودوں پر" (کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ پتھر کے بت نہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں' نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان پھر بھی ان کی پوجا و پرستش کرتے ہو؟۔

غرض یہ تینوں باتیں بظاہر خلافِ حقیقت تھیں لیکن فی الواقع کذب اور جھوٹ نہیں تھیں' لیکن قاعدہ ہے کہ حسناتُ الأبرار سیّئاتُ المقربین کہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقرب بندوں کے حق میں برائی شمار ہوتی ہیں۔

یعنی خلافِ اولیٰ کام اگر عام آدمی سے صادر ہو تو اس پر نہ کوئی مؤاخذہ ہے نہ گرفت و ملامت' لیکن چونکہ انبیاء علیہم السلام حق سبحانہ و تقدس کے مقرب بندے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے خلافِ اولیٰ کا صدور بھی باعثِ تنبیہ اور باعثِ پشیمانی ہوتا ہے' لہٰذا حدیث میں آتا ہے کہ روزِ قیامت جب مخلوق ساری میدانِ حشر کی سختیوں سے بلبلا اٹھے گی تو وہ مختلف انبیاءؑ کے پاس سفارش کیلئے جائیگی کہ حق تعالیٰ سے سفارش کر دیں کہ وہ حشر کی سختی ختم فرما دیں اور حساب و کتاب شروع فرمائیں تو تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے خلافِ اولیٰ کاموں کو یاد کر کے ان سے توبہ و استغفار کریں گی اور سفارش کرنے سے معذرت کر لیں گے۔ اس موقع پر ابراہیم علیہ السلام بھی معذرت فرمائیں گے اور اپنے انہی تین خلافِ واقعہ باتوں کو اپنے حق میں سخت اور گناہ سمجھتے ہوئے توبہ کریں گے اور سفارش سے معذرت کر لینگے۔

بہر حال! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کو بھیج دیا اور خود نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اپنے رب سے ملاقات و دعا میں لگ گئے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے خلیل کی دعا قبول فرمائی اور حضرت سارہ کی عزت و عصمت کی ظاہری اسباب کے بغیر حفاظت فرمائی اور خود حضرت سارہ کی دعا اور بے بسی کے عالم میں کی گئی مناجات کی برکت سے حق تعالیٰ نے انہیں پاکیزہ و محترم رکھا۔ حضرت سارہ نے دعا مانگی کہ: اے اللہ! اگر میں آپ پر اور آپ کے رسول پر ایمان رکھتی ہوں اور میں نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے تو مجھ پر کافر کو مسلط نہ کیجئے۔

چنانچہ جب حضرت سارہ اس سرکش شیطانی صفت بادشاہ کے پاس پہنچیں تو اس نے ازراہِ

شیطنت ان کی طرف ہاتھ بڑھایا' ہاتھ کا بڑھانا تھا کہ قدرت کی غیبی قوتیں حرکت میں آئیں اور وہ ظالم شیطان عذابِ الٰہی کی گرفت میں آگیا اور اور حق تعالیٰ نے اسے معذور واپاہج کر دیا۔ حضرت سارہ کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے اس نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ اُدھر اس شیطان نے حضرت سارہ سے کہا کہ تم اللہ سے دعا کرو کہ مجھے اس عذاب سے نجات دے تو میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں گا اور تم سے کوئی تعرض نہ کروں گا۔

حضرت سارہؓ نے دعا کی تو اسے اس عذاب سے نجات مل گئی۔ لیکن عذاب سے خلاصی ملتے ہی اس کی شیطانیت پھر عود کر آئی اور اس نے دوسری بار از راہِ خباثت شیطانی ہاتھ بڑھایا' مگر قدرت کی غیبی طاقتوں کی مدد ساتھ تھی' وہ پہلے سے زیادہ شدّت کے ساتھ اپاہج و معذور کر دیا گیا' وہ پھر رونے گانے لگا کہ تم دعا کرو کہ اس مصیبت سے چھٹکارا مل جائے تو تمہیں کوئی تکلیف نہ دوں گا۔ حضرت سارہ نے پھر دعا کی کہ اے اللہ اگر یہ مر گیا تو مجھ پر الزام لگے گا کہ اس نے بادشاہ کو قتل کر دیا۔ لہٰذا اسے چھوڑ دیجیے۔ غرض اسے نجات دے دی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنے دربانوں اور مددگاروں کو بلایا اور انہیں کہا کہ تم تو میرے پاس کسی شیطان کو لے آئے ہو (وہ سمجھتا تھا کہ غیبی قوت کے خزانے شیطان کے پاس ہیں) اسے لے جاؤ اور بالکل صحیح سالم ابراہیمؑ کے پاس پہنچادو' کیونکہ وہ جان گیا تھا کہ ان کی حفاظت تو کہیں اور سے کی جارہی ہے اور وہ ہر بے آبروئی سے محفوظ ہیں اور اس نے بطورِ خادمہ ہاجرہ بھی ہدیۃً پیش کی اور یہی ہاجرہ ہیں جو اسماعیلؑ کی والدہ بنیں کہ حضرت سارہ نے انہیں اپنے شوہر ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دیا تھا اور انہوں نے ان سے نکاح کر لیا تھا (جنکا قصہ اس سے قبل گذر چکا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں تخریج کیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''تم عنقریب مصر کو فتح کرو گے اور اس سرزمین میں قیراط سکہ چلتا ہوگا (قیراط مصری کرنسی کو کہا جاتا تھا) جب تم اسے فتح کر لو تو اسکے باشندوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ انکا تم پر رشتہ اور دامادی کا حق ہے یا فرمایا کہ رشتہ کا حق ہے۔ (مسلم ر ۲۵۴۳)

اس سے مراد یہ ہیکہ حضور علیہ السلام حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہیں جو حضرت ہاجرہ کے بیٹے ہیں اور حضرت ہاجرہ نسلی اعتبار سے مصر سے تعلق رکھتی تھیں گویا وہ رسول اللہ ﷺ کی اور اہلِ عرب کی ماں ہوئیں اس نسبت سے فرمایا۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ سب سے اہم بات تو اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات ہر طرح سے عزت و عصمت کے اعتبار سے محفوظ و مامون ہوتی ہیں اور اگر کبھی کوئی فاجر و بدطنیت

شخص اپنی شیطنت سے ان کی عزت و عصمت سے کھیلنا چاہے تو حق تعالیٰ شانہ‘ کی غیبی قوتوں کی کرشمہ سازی سے وہ فاسق و فاجر اپنی شیطنت سمیت عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتا ہے اور انبیاء کی ازواج مطہرات محفوظ رہتی ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا طبقہ بنی نوع انسان میں سب سے مقدس اور پاکیزہ طبقہ ہے اور بموجب قاعدہ الٰہی کہ :

الطّیبٰت للطیّبین (النور) پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں

ان کی ازواج بھی مطہّرات اور عفیفات ہوتی ہیں‘ جیسا کہ حضرت سارہ کی عزت کی حفاظت غیبی طور پر اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور اس فاجر حاکم کو عذاب میں پکڑ لیا۔

۲۔ دوسری اہم تعلیم جو اس واقعہ سے حاصل ہوئی وہ یہ کہ مؤمن کو ہر ابتلاء و مصیبت میں فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور نماز کے ذریعہ اس سے مدد و نصرت طلب کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پریشانی کی گھڑی میں نماز اور دعا و مناجات کی طرف توجہ فرمائی اور خود حضرت سارہ نے اللہ سے گڑگڑا کر دعا کی جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب و وسائل مخالف ہونے کے باوجود غیر متوقع طور پر امداد فرمائی اور ہر نقصان و شر سے محفوظ رکھا۔

۳۔ مذکورہ بالا واقعہ سے ایک زبردست تعلیم یہ ملتی ہے کہ انسان کو عملی زندگی میں بعض ایسے کڑے اور کٹھن حالت سے دوچار ہونا پڑتا ہے جہاں وہ اپنی خواہش کے مطابق کام نہیں کر سکتا بلکہ اسے کسی عظیم قوت کے سامنے جھک جانا پڑتا ہے‘ نہ جھکنے کی صورت میں وہ اپنا تحفظ کر سکتا ہے نہ مخالف قوت کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے تو ایسے وقت میں مخالف قوت سے ٹکرانے کے بجائے حق تعالیٰ شانہ‘ کی قدرتِ کاملہ پر یقین اور بھروسہ کرتے ہوئے حالات کو اسی پر چھوڑ دینا اور وقتی طور پر جھک جانا خلافِ شریعت نہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سرکش شیطان بادشاہ کے مقابلہ میں اس سے ٹکرانا مناسب نہ سمجھا کہ اکیلے تنِ تنہا اسکو نقصان نہ پہنچا سکتے تھے بلکہ خود بھی نقصان اٹھائے جانے کا اندیشہ قوی تھا۔ لہٰذا انہوں نے حالات کو مکمل طور پر اللہ ربّ العالمین کے سپرد کر دیا اور اسی سے کامل یقین اور بھروسہ کیساتھ دعا کی کہ وہ ہر طاقت سے بڑھ کر ہے اور سرکش کی سرکشی کو ختم کرنے اور ہر بد طینت کی بداطواری کو روکنے والا ہے‘ اور اسی نے انکی مدد کی۔

بہت سے لوگ اس قسم کے حالات میں جھکنے کے بجائے ٹکرانے اور مقابلہ کرنے کو مردانگی اور عزیمت سمجھتے ہیں‘ اس لئے کہ دنیاوی زندگی میں انسان ہر وقت ہر قسم کے حالات میں ہمیشہ دین پر علی وجہ الأتم عمل کرنے پر قادر نہیں اور نہ ہی اپنی زندگی کو اپنی منشاء کے مطابق کامل طریقہ پر بسر کرنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ اسے کہیں نہ کہیں‘ کسی نہ کسی مقام پر اپنی خواہش کے برعکس حالات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورتحال میں بعض اوقات مخالف سے ٹکرانا جب کہ وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہو تو صلح اور عدمِ ٹکراؤ کی پالیسی پر عمل کرکے انسان اپنے لئے کوئی نسبتاً بہتر اور پُرامن راہ

تلاش کر سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مقدس زندگی میں صلحِ حدیبیہ کا واقعہ اس کی ایک اہم اور واضح مثال ہے' بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ اس میں کشت و خون سے بچنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ مسلمان ہر کافر و سرکش کے سامنے جھک جائے یا موت سے ڈر کر یا مادی نقصان کے خوف سے ہمیشہ کافر و مشرکین کا باجگزار بن جائے ہر گز نہیں۔ اسلام تو عزت و وقار کے ساتھ جینا سکھاتا ہے اور اسی عزت و وقار کے ساتھ جینے کیلئے اسلام نے اپنے پیروکاروں کو "جہاد" جیسے مقدس فرض سے روشناس کرایا ہے کہ جب کوئی طاغوتی قوت اور سامراجی عفریت مسلمانوں کے ایمان' عزت و آبرو اور ان کے دین پر حملہ آور ہونے کی جسارت کرے یا انہیں عزت و شوکت کے ساتھ رہنے نہ دے یا اسلام کی غالبیت اور باطل کی مغلوبیت کو تسلیم نہ کرے تو مسلمان کے سامنے جہاد کا راستہ کھلا ہے اور عزت کی زندگی کے حصول کیلئے عزت کی موت اور سعادت مندانہ شہادت اس کی آرزو بن جاتی ہے۔

مذکورہ بالا تعلیم ان مخصوص حالات کے لئے ہے جہاں ٹکرانا مصلحت کے منافی ہو' اور اس کی کئی مثالیں ہمیں حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس زندگیوں اور سیر و مغازی کے واقعات میں مل جائیں گی۔

مثلاً ایک صحابی ایک جنگ میں اپنے کئی صحابہ ساتھیوں کے ہمراہ دشمن کی قید میں چلے گئے۔ دشمن بادشاہ نے انہیں اسلام سے منحرف کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اصحابِ عزیمت و استقامت ایمان پر ڈٹے رہے' تنگ آکر اس نے ایک زبردست آگ جلوائی اور اس میں ایک بہت بڑا تیل سے بھرا ہوا برتن رکھا' جب وہ تیل کھولنے لگا تو ان صحابہ کو بلوایا' وہ صحابی جو ان کے امیر تھے ان سے کہا کہ اگر تم اسلام ترک کرتے ہو تو ٹھیک ورنہ میں اس خوفناک دہکتے ہوئے تیل میں ڈلوا دوں گا۔ انہوں نے حسبِ سابق انکار کیا تو نے مزید دہشت بٹھانے کیلئے انہی کے ایک ساتھی کے بارے میں حکم دیا کہ انہیں ڈال دیا جائے انہیں اس کڑھاؤ میں ڈال دیا گیا' لمحوں میں وہ جل کر خاک ہو گئے' اس کے باوجود ان امیر صحابی نے انکار کیا تو بادشاہ نے حکم دے دیا کہ انہیں بھی ڈال دیا جائے' جب انہیں لے جایا گیا تیل میں ڈالنے کے لئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' بادشاہ یہ سمجھا کہ موت کے خوف سے گھبرا گئے' اس نے واپس بلایا اور کہ کہ اب بھی وقت ہے اس المناک موت سے بچنے کے لئے' انہوں نے فرمایا کہ تیرا خیال ہے کہ موت سے ڈر کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے' ہر گز نہیں! بلکہ مجھے تو اس پر رونا آیا کہ میری تو صرف ایک جان ہے جو ابھی چند لمحون میں ختم ہو جائے گی کاش کہ میری ہزار جانیں ہوتیں اور وہ سب اسی طرح اللہ کی راہ میں قربانی کر دی جاتیں۔ اللہ اکبر

یہ جواب سن کر بادشاہ پر رعب طاری ہو گیا کہ یہ کون سی مخلوق ہے جو موت کے منہ میں

بیٹھ کر بھی موت کو اتنا محبوب رکھتی ہے کہ اتنا تو ہم زندگی کو بھی نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان کو موت کی سزا دینا تو نہایت کم سزا ہے' انہیں کوئی ایسی سزا دینی چاہیئے کہ جس سے ان کے اندر کی غیرت کو ٹھیس پہنچے' اس نے کہا کہ اچھا میں تمہیں ایک شرط پر رہا کرنے کے لئے تیار ہوں اگر تم میرے سر کو بوسہ دو' ان صاحبِ استقامت صحابی نے کچھ سوچا اور کہا کہ ہاں میں تیار ہوں بشرطیکہ میرے تمام ساتھیوں کو بھی رہا کیا جائے۔ بادشاہ نے وعدہ کر لیا تو انہوں نے بادشاہ کے سر کو بوسہ دیا اور اپنے تمام ساتھیوں کو صحیح سلامت واپس لے آئے' حضرت عمرؓ کو جب سارا واقعہ معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئے اور ان کی مومنانہ فراست و بصیرت کی تعریف فرمائی۔

تو دیکھئے! کس طرح اپنی استقامت' آہنی عزم اور ہمت کی بنیاد پر بصیرت سے کام لے کر تمام ساتھیوں کو رہا کروالیا۔ اب ان کے سامنے ایک صورت تو یہ تھی کہ بادشاہ کا مقابلہ کرتے اور خود مر جاتے' لیکن ظاہر ہے خلافِ مصلحت بات تھی' جہاں انہوں نے استقامت کا مظاہرہ کرتا تھا وہاں ایسی استقامت دکھائی کہ کافر بادشاہ بھی مرعوب ہو گیا اور جہاں بصیرت سے کام لینے کا موقع تھا وہاں بصیرت سے کام لے کر سب ساتھیوں کی جان بخشی کروالی۔ درحقیقت یہی ایمانی فراست اور بصیرت ہے جسے ہر مسلمان کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے اور دین کی فہم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

۴۔ چوتھا فائدہ مذکورہ حدیث سے یہ حاصل ہوا کہ مسلمان کیلئے کسی کافر اور ظالم شخص کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے (بشرطیکہ اس ہدیہ سے اپنے دین و ایمان میں کسی خلل اور کوتاہی کا اندیشہ نہ ہو) حضرت سارہ کو اسی شیطان صفت کافر و ظالم بادشاہ نے خادمہ ہبہ کی تو حضرت سارہ نے اس ہدیہ کو قبول کیا اور پھر حضرت ابراہیمؑ نے بھی اس کی توثیق فرمائی بلکہ حضرت سارہ نے ہاجرہ نامی وہ باندی حضرت ابراہیم کو ہبہ کر دی اور پھر وہی ام اسماعیل بنیں۔

۵۔ جب کوئی نعمت حاصل ہو یا کسی مشکل سے خلاصی ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی نعمت کو بیان بھی کرنا چاہیئے جسے "تحدیثِ نعمت" کہا جاتا ہے' حضرت سارہ نے اس ظالم سے نجات پانے پر حضرت ابراہیمؑ کے سوال کے جواب میں یہی کہا کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے کافر کا مکر و تدبیر اسی پر لوٹا دی اور اس کے شر سے نجات دی۔

چھٹا قصہ ﴿۶﴾

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ

تمہید

اللہ کے نبی حضرت لوط علیہ السلام ان اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں جن کا واسطہ ایک ایسی قوم سے پڑا جس کی سنگدلی و قساوت اپنی انتہاؤں تک پہنچ چکی تھی، جنکی فطرت اور طبیعت مسخ ہو چکی تھی اور انسانیت کے دامن کو تار تار کر چکے تھے' اخلاقیات کی دھجیاں بکھیر چکے تھے' ننگِ انسانیت اور روئے زمین کے مکروہ ترین لوگ اپنی حیوانی جبلت میں اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ اللہ کے نبی کی پیہم دعوت بھی ان کے قلوب پر اثر انداز نہ ہوتی تھی۔ ان کی حیوانیت کے سامنے حیوانیت کو حیا آتی تھی اور ان کی بہیمیت' بہائم کیلئے باعثِ شرم و عار تھی' ان کی مکروہ ترین حرکت نے پوری تاریخ انسانیت کو داغدار کر دیا تھا' اس بہائم سے بدتر قوم کا مقابلہ حضرت لوط علیہ السلام نے ایک عرصۂ دراز تک کیا' لیکن جب...... پانی سر سے اونچا ہو گیا' اور...... ہر حد توڑ دی گئی تو پھر...... خالقِ فطرت کا عذاب کا کوڑا برسا اور جس قدر اس قوم نے تاریخِ انسانیت کو داغدار کیا تھا اتنا ہی شدید عذاب ان کی تقدیر بنا اور پوری قوم صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی۔

نص الحدیث:

روى الحاكم في مستدركه عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال:

« لَمَّا جَاءَتْ رُسُلُ اللهِ لُوطاً ظَنَّ أَنَّهُمْ ضِيفَانٌ لِقَوْمِهِ، فَأَدْنَاهُمْ حَتَّى أَقْعَدَهُمْ قَرِيباً، وَجَاءَ بِبَنَاتِهِ وَهُنَّ ثَلاثٌ، فَأَقْعَدَهُنَّ بَيْنَ ضِيفَانِهِ وَبَيْنَ قَوْمِهِ، فَجَاءَ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا رَآهُمْ قَالَ: ﴿ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي﴾ [هود: ۷۸]، قالوا: ﴿ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ﴾ [هود: ۷۹]، قال: ﴿ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴾ [هود: ۸۰].

فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ جِبْرِيلُ عليه السلام فَقَالَ: ﴿ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ﴾ [هُود: ۸۱]، قَالَ: فَطَمَسَ أَعْيُنَهُمْ فَرَجَعُوا وَرَاءَهُمْ يَرْكَبُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً، حَتَّى خَرَجُوا إِلَى الَّذِينَ بِالْبَابِ، فَقَالُوا: جِئْنَاكُمْ مِنْ عِنْدِ أَسْحَرِ النَّاسِ قَدْ طَمَسَ أَبْصَارَنَا، فَانْطَلَقُوا يَرْكَبُ بَعْضُهُم بَعْضاً، حَتَّى دَخَلُوا الْقَرْيَةَ، فَرُفِعَتْ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ، حَتَّى كَانَتْ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ، حَتَّى إِنهم لَيَسْمَعُونَ أَصْوَاتَ الطَّيْرِ، فِي

جَوّ السَّماء، ثُمَّ قُلِبَتْ فَخرَجَتْ الأَفكَةُ عَلَيْهِمْ فمِنْ أَدْرَكَتْهُ الأفكَةُ قتَلتْه، وَمَن خَرَجَ اتْبعَتْهُ حَيْثُ كانَ حَجَراً فقَتَلتْهُ .

قَالَ: فَارْتحلَ بِبَنَاتِه وَهُنَّ ثَلاث، حَتّى إذا بَلَغَ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا من الشام فَمَاتَتْ ابْنَتُهُ الكُبْرَى، فَخرَجَتْ عندها عَيْنٌ يُقَالُ لها الوَرِيَّةَ، ثُمَّ انْطَلَقَ حَيْثُ شَاء اللّٰہ أن يَبْلُغَ فَمَاتَتْ الصُّغْرَى، فَخرَجَتْ عِنْدَها عَيْنٌ يقال لها الرعزِيّة فَمَا بَقِيَ مِنْهُنَّ إلاّ الوُسْطَى ».

ترجمۃ الحدیث

حاکم نے مستدرک علی الصحیحین میں حضرت ابنِ عباسؓ سے نقل کیا ہیکہ انہوں نے فرمایا:

"جب اللہ کے قاصد (فرشتے) لوط علیہ السلام کے پاس (انسانی شکل میں) آئے تو انہوں نے خیال کیا کہ وہ مہمان ہیں جو ان سے ملنے آئے ہیں' انہوں نے ان کو اپنے قریب بٹھایا اور ان کی تین بیٹیاں آگئیں تو انہیں اپنے مہمانوں اور قوم کے درمیان بٹھالیا' ان کی قوم ان کے پاس بے اختیار دوڑتی ہوئی آئی۔ لوط علیہ السلام نے جب قوم کو دیکھا تو (ان کی خبیث فطرت سے واقف ہونے کی وجہ سے) فرمانے لگے کہ: یہ میری بیٹیاں ہیں' یہ تمہارے لئے ان (مہمانوں سے زیادہ) پاک ہیں (اگر نکاح کرنا چاہو) سو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے درمیان مجھے رسوانہ کرو"۔ (ہود ۷۸) تو ان کی قوم کہنے لگی: "ہمیں تیری بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں' اور تو خوب جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں"۔ (ہود ۷۹) لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ: "کاش! مجھے تمہارے مقابلے میں قوت حاصل ہوتی یا میں کسی مضبوط پناہ کی آڑ لیتا"۔ (ہود ۸۰)

یہ سب مکالمہ سن کر جبرئیل علیہ السلام (جو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے تھے اور ابھی تک لوط علیہ السلام نے انہیں پہچانا نہیں تھا) کہنے لگے کہ:

"اے لوط!" بلاشبہ ہم آپکے رب کے فرستادہ ہیں' یہ لوگ آپ تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے۔ (ہود ۸۱) چنانچہ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے (اللہ کے حکم سے) ان کی آنکھوں کو مٹادیا اور وہ سب کے سب ایک دوسرے کے پیچھے ایک دوسرے پر سوار واپس پلٹے' یہاں تک کہ ان لوگوں تک جا پہنچے جو دروازہ میں موجود تھے اور ان سے کہنے لگے کہ: ہم تمہارے پاس سب سے بڑے جادوگر کے پاس سے آرہے ہیں اس نے ہماری نگاہوں کو خیرہ کردیا' چنانچہ وہ سب (افراتفری میں) ایک دوسرے پر سوار واپس پلٹے یہاں تک کہ بستی میں داخل ہوگئے' پھر رات کے درمیانی حصہ میں وہ پوری بستی (اپنے باشندگان سمیت اوپر اٹھالی گئی اور آسمان وزمین کے درمیان معلق ہوگئی' یہاں تک کہ وہ لوگ فضا میں پرندوں کی آوازیں سن رہے تھے' پھر (اتنی اونچائی سے) اس پوری بستی کو زمین پر پلٹ دیا گیا' اور ایک

زبردست ہوا مختلف سمت سے ان پر چلی اور جو اس کی لپیٹ میں آگیا اسے مار دیا اور جو اس کی لپیٹ سے نکل گیا تو اس کے پیچھے پتھر لپکا اور اس پتھر نے اسے جہنم واصل کر دیا۔

اُدھر...... حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی تینوں بیٹیوں کے ہمراہ بستی سے کوچ کیا یہاں تک کہ جب شام کے فلاں فلاں مقام تک پہنچے تو ان کی بڑی بیٹی انتقال کر گئی اور وہاں سے "وریہ" نامی چشمہ بہہ پڑا، پھر اللہ کی مشیت کے مطابق چلتے رہے یہاں تک کہ ایک منزل پر پہنچ کر چھوٹی بیٹی بھی انتقال کر گئی اور وہاں سے بھی ایک چشمہ جاری ہو گیا جسے "رعزیہ" کہا جاتا تھا اور تینوں میں سے صرف منجھلی بیٹی ہی باقی بچی۔

تخریج الحدیث:

أخرجه الحاكم'المستدرك على الصحيحين/كتاب التفسير/٢-٣٧٥۔

وقال:هذا حديثٌ صحيحٌ علىٰ شرط الشيخين ولم يخرجاه.ووافقه الذهبي علىٰ تصحيحه.

تشریح الحدیث

حضرت لوط علیہ السلام کا مذکورہ واقعہ دراصل قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اجمالاً و تفصیلاً دونوں طرح بیان کیا گیا ہے، سورۂ ہود میں یہ واقعہ دیگر مقامات کی نسبت تفصیلاً مذکور ہے اور حدیثِ بالا میں اسی واقعہ کی چند ایسی جزئیات کی نشاندہی کی گئی ہے جو قرآنِ کریم میں مذکور نہیں۔

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اخلاقی پستی کی انتہاؤں کو پہنچی ہوئی تھی، اللہ رب العالمین کی وحدانیت کو نہ تسلیم کرنا، اس کے نبی کی رسالت کو نہ ماننا تو ان کے جرائم تھے ہی اور اس کے علاوہ بھی بہت سے گناہوں کے عادی تھے لیکن ان کا جو جرم تاریخِ انسانیت کو داغدار کر گیا اور جس نے ابلیس کو بھی شرمندہ کر دیا وہ "ہم جنس پرستی" (HOMOSEXUALITY) تھا کہ وہ اپنی شہوانی خواہشات کی تکمیل فطری طریقہ سے جنسِ مخالف سے کرنے کے بجائے لڑکوں سے اور بے ریش بچوں سے کرتے تھے اور اس عادتِ خبیثہ میں اتنے آگے نکل گئے تھے کہ بقول بعض مفسرین ان میں عورتوں کی خواہش ہی ختم ہو گئی تھی اور پوری قوم بے شرمی اور ڈھٹائی سے اس مکروہ فعل کو اپنائے ہوئے تھی۔

اللہ سبحانہ، وتقدس نے صفحۂ ہستی کو ان مکروہ ترین انسانوں کی گھناؤنی بے شرمیوں سے پاک کرنے کا فیصلہ فرمایا اور عذاب کے فرشتے ان کی اجل مقرر پر آپہنچے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام دیگر فرشتوں کے ہمراہ بے ریش، امرد اور خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے، وہ ابتداً نہیں سمجھے کہ یہ فرستادۂ الٰہی ہیں، انہوں نے جب خوبصورت لڑکوں کو دیکھا تو مہمان سمجھ کر گھر میں بٹھایا لیکن یہ خوف دامن گیر ہوا کہ قوم کو پتہ نہ چل جائے، ان کی خوئے بد سے واقف تھے، لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا، ظالم حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کی دیوار توڑ کر یا پھاند کر داخل ہوئے

اور جتھے کے جتھے مطالبہ کرنے لگے کہ ان لڑکوں کو ہمارے حوالے کرو ہم ان سے جو چاہیں کریں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہتیرا سمجھایا کہ ظالمو! اس حرکت سے باز آؤ اور تمہیں اگر اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کرنی ہے تو یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کرلو اور جائز طریقہ سے خواہش پوری کرو اور میرے مہمانوں کے سامنے مجھے رسوا نہ کرو۔ مگر وہ کہ جن کی فطرت مسخ ہو چکی تھی کہاں باز آنے والے تھے۔ کہنے لگے کہ اے لوط! تم جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں تمہاری بیٹیوں سے ہم کو کوئی سروکار نہیں۔ بس تم ان لڑکوں کو ہمارے حوالے کردو۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی یہ بے شرمی دیکھی تو بے اختیار و بے بس ہو کر فرمایا کہ: کاش تمہارے مقابلہ میں مجھے طاقت و قوت ہوتی یا کوئی مضبوط ٹھکانہ ہوتا تو وہاں پناہ لے لیتا۔ (مقصد یہ تھا کہ میرا بھی کوئی مضبوط خاندان، قبیلہ یا جتھا ہوتا تو تمہیں اس بے شرمی کا مزہ چکھاتا) اس موقع پر غیر اختیاری طور پر بشری تقاضے سے حضرت لوط علیہ السلام کی نگاہ حق تعالیٰ کی غیبی نصرت سے ہٹ گئی اور انبیاء علیہم السلام کیلئے یہ بات بھی خلافِ اولیٰ تھی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "یَرحمُ اللّٰہُ لوطاً لقد کان یأوی إلیٰ رکنٍ شدیدٍ"۔ (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہؓ)

اللہ میرے بھائی لوط پر رحم فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ: معاف فرمائے کہ وہ مضبوط ٹھکانہ کی پناہ کے طلبگار ہوئے (حالانکہ اللہ کی پناہ سب سے مضبوط ہے)

شیخ الإسلام علامہ عثمانیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ: حضرت لوطؑ کے بعد جو انبیاءؑ مبعوث ہوئے سب بڑے جتھے اور قبیلے والے تھے"۔ (تفسیر عثمانی ر سورۃ ہود ر ۲۹۸)

غرض! جب ملائکہ نے حضرت لوط علیہ السلام کے یہ بے بسی دیکھی تو لوط علیہ السلام سے (تسلی کے طور پر) فرمایا کہ: اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں (فرشتے ہیں) اور یہ لوگ ہرگز آپ تک پہنچ نہ سکیں گے۔

صاحبِ تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ: پھر جبرئیلؑ نے اپنے رب سے عذاب نازل کرنے کی اجازت طلب کی، اجازت مل گئی تو انہوں نے اپنی حقیقی صورت اختیار کرلی، پر پھیلا دیئے، موتیوں کا ہار پہنے، چمکدار دانت، جھلکتی پیشانی، سر کے بال گھنگھریالے اور برف کی طرح سفید، دونوں پاؤں سبزی مائل۔ پھر اپنا ایک پَر ان لوگوں کے منہ پر مارا جس کی وجہ سے ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اور فوراً یہ کہتے ہوئے پلٹے کہ: بھاگو! لوطؑ کے گھر روئے زمین کے سب سے بڑے جادوگر آئے ہوئے ہیں جنہوں نے ہم پر جادو کردیا۔ پھر حضرت لوطؑ سے کہنے لگے کہ ذرا ٹھہرو، صبح ہونے دو، کل صبح ہم تم سے سمجھیں گے، صبح کو تم کو پتہ چل جائے گا۔

لوط علیہ السلام نے فرشتوں سے فرمایا کہ: ان کے ہلاک ہونے اور عذاب نازل ہونے کا

موعد (وقتِ مقرر) کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ صبح' فرمایا کہ میں اس سے بھی جلد چاہتا ہوں' ان کو ابھی ہلاک کر دو تو بہتر ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا صبح قریب نہیں ہے؟ (تفسیر مظہری ۶/۷۲)

اور فرشتوں نے ان سے کہا کہ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے آخری پہر میں یہاں سے کوچ کر جائیے اور آپ میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ البتہ آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہیں ہو گی کہ اس کا میلان قوم کی طرف ہے' اور جو عذاب قوم پر آئے گا وہ اس کو بھی ہو گا۔

لوط علیہ السلام کی زوجہ سے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ساتھ لے کر نکلنا مذکور ہے' لیکن ساتھ والوں کو حکم تھا کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے' ان کی زوجہ نے پیچھے مڑ کر دیکھ لیا اور اپنی قوم کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر کہنے لگی کہ ہائے میری قوم! یہ کہنا تھا کہ پھر وہ بھی پیچھے رہ گئی اور اس پر بھی عذاب نازل ہوا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ لوط علیہ السلام زوجہ کو ساتھ لے کر ہی نہیں نکلے بلکہ وہ قوم کے ساتھ ہی رہی۔ بہر کیف! وہ بھی مبتلائے عذاب ہوئی۔

غرض! صبح کو اللہ رب العالمین کے عذاب کا حکم ہوا تو پوری قوم کو اس طرح سے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا کہ بارشادِ قرآنی:

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ۔ (ہود/۸۲)

"تو ہم نے ان بستیوں کو زیر وزبر کر دیا اور اوپر کا تختہ نیچے اور نیچے کا اوپر کر دیا۔ اور ہم نے ان پر کنکریلے پتھر برسائے اور پیہم برسائے جو تیرے رب کے پاس نشان زدہ تھے"۔

بغوی نے لکھا ہے کہ قوم لوط کی پانچ بستیاں تھیں' حضرت جبرئیلؑ نے بستیوں کے نیچے اپنا ایک بازو ڈال کر اتنا اٹھا لیا کہ اوپر والوں نے مرغ کی بانگ اور کتوں کے بھونکنے کی آواز بھی سنی' پوری قوم سوئی ہوئی تھی' لیکن نہ کسی کا برتن الٹا نہ کوئی سویا ہوا شخص بیدار ہوا (مظہری ۶/۷۳-۷۴) اور پھر اوپر لے جا کر پوری بستی کو بالکل پلٹ کر زمین پر دے مارا۔ اور پیچھے سے پتھروں کی بارش برسائی گئی جو مسلسل مارے گئے اور سب نشان زدہ تھے۔ غرض سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کوئی بھی باقی نہیں بچا' ان بستیوں کی آبادی تقریباً چار لاکھ تھی' اور ان بستیوں کو قرآنی اصطلاح میں "مؤتفکات" کہا جاتا ہے یعنی الٹی ہوئی بستیاں۔

چند عبرت و نصائح

حضرت لوط علیہ السلام کا مذکورہ بالا واقعہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر جزوی اور تفصیلی دونوں طرح وارد ہوا ہے اور حضراتِ مفسرینِ کرامؒ نے اس واقعہ کی تمام تر تاریخی تفصیلات بھی نقل

فرمائی ہیں۔ لیکن حدیثِ مذکورہ بالا میں واقعۂ لوط سے متعلق بعض باتیں وہ ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ملتا مثلاً:

۱۔ قومِ لوط کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پوری بستی سمیت اس طرح اٹھالیا اور آسمان و زمین کے درمیان معلق کردیا کہ وہ فضائے آسمانی میں پرندوں کی آوازیں بھی سن رہے تھے۔

۲۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بنات (جن کا ذکر اجمالی طور پر قرآنِ کریم میں ہے) کے متعلق یہ تفصیل کہ ان کی تین بیٹیاں تھیں اور جب حضرت لوط علیہ السلام بحکمِ خداوندی اپنی بستی سے نکلے تو وہ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔

پھر بڑی صاحبزادی کا انتقال تو شام کی سرزمین میں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی جائے انتقال پر ایک چشمہ جاری فرمادیا جسے 'وَرِیہ' کہا جاتا تھا۔

جب کہ سب سے چھوٹی صاحبزادی کا انتقال کچھ عرصہ کے سفر کے بعد ہوا اور ان کی جائے انتقال پر بھی اللہ تعالیٰ نے چشمہ جاری فرمادیا جسکا نام "رعزیّہ" تھا اور منزلِ مقصود پر پہنچنے تک تینوں میں سے صرف ایک صاحبزادی باقی بچیں۔

ایک اہم نکتہ :۔

یہاں یہ واضح رہے کہ توراۃ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ سماوی کتاب ہے، میں بعد میں یہودیوں نے بہت سی تحریفات کردی ہیں، اور اب توراۃ کا کوئی نسخہ بھی تحریفات سے محفوظ نہیں ہے۔ اور تمام نسخوں میں تحریفات بھری پڑی ہیں ان یہود کو اللہ ہلاک کرے کہ حضرات انبیاء مقدس علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی مقدس زندگیوں کو بھی ان ظالموں نے تحریفات کے ذریعہ داغدار کرنے کی ناپاک و مذموم جسارت کی ہے لیکن حق سبحانہٗ و تقدس کا اپنا ایک نظام ہے۔

نبی آخر الزمان علیہ الصلواۃ والتسلیم پر نازل ہونے والی مقدس کتاب کا حرف حرف تحریف سے محفوظ اور تغیر و ترمیم سے مامون ہے اور اس کتابِ مقدس میں اللہ رب العالمین نے انبیاء کرام کے مقدس واقعات کو بیان فرمایا ہے اور ان واقعات کی روشنی میں یہودی تحریفات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے مذکورہ واقعہ کے اندر بھی تحریفات کی گئی ہیں حتیٰ کہ تورات میں حضرت لوط علیہ السلام کی نسبت ایک ایسی بات میں شامل کردی گئی جو بلاشبہ کذب واتہام اور دروغ گوئی کی اعلیٰ ترین مثال ہے اور جسے نقل کرنا بھی نہایت مشکل اور گراں ہے اس میں یہ کہا گیا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں اور جب حضرت لوط علیہ السلام اپنی صاحبزادیوں کے ہمراہ بستی

سے نکل گئے اور صوعر شہر کے قریب پہاڑ کے غار میں رہائش اختیار کی تو ایک بار ان کی صاحبزادیوں نے سوچا کہ ان کے والد کی نسل تو منقطع ہو جائے گی کیونکہ کوئی نرینہ اولاد تو ہے نہیں۔ لہٰذا انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو۔ نعوذ باللہ۔ دورات شراب پلائی اور جب ان کو کچھ ہوش نہ رہا تو ایک رات ایک صاحبزادی ان کے پہلو میں لیٹ گئی اور دوسری رات دوسری۔ اور دونوں کو حمل ہوا جس سے اولادیں ہوئیں۔ ایک کی نسل "موآبین" اور دوسری کی "عمونیین" کہلاتی ہے۔ (سفر التکوین)
(نعوذ باللّٰه من شرور انفسنا)۔

قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثِ مبارکہ نے ان کی تلبیسات اور تحریفات کا پول کھول دیا اور حقیقت واضح فرمادی۔ لاریب! اللہ کے مقدس نبی حضرت لوط علیہ السلام پر ایک عظیم بہتان ہے' بلاشبہ ان ظالموں نے جھوٹ کی انتہا کی۔ اللہ کی قسم! اللہ کے مقدس رسول اور انبیاء علیہم التسلیمات ہر قسم کی ظاہری وباطنی فواحش سے پاک ہیں وہ مقدس ومطہر نبی جو ساری عمر اسی "فاحشہ" کے خلاف لڑتا رہا اور اپنی قوم کو عذاب میں مبتلا دیکھا وہ کیسے اس قسم کے فاحشہ میں مبتلا ہو سکتا ہے؟ جب کہ خود خالق عزّوجل اپنے ان انفاسِ قدسیہ کی حفاظت فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان کی مقدس و مطہر صاحبزادیاں بھی ہر قسم کی فواحش سے پاک تھیں جنہیں اللہ نے ان کی پاکیزگی ہی کی بناء پر اپنے والد کے ہمراہ اس معذّب بستی سے نکلنے کا حکم فرمایا اور انہیں نجات دی۔

بلاشبہ! یہ صرف ان ناپاک وغلاظت میں ڈوبے گندے قلوب کی مذموم حرکت ہے جو ان طاہر وپاکیزہ نفوسِ قدسیہ کی طہارت وعصمت کو داغدار کررہے ہیں۔ یہ صرف افتراء اور جھوٹ ہے۔ جن کو قرآن کریم کی اصطلاح میں "مفتریات" کہا جاتا ہے۔ اور حدیثِ مذکورہ بالا' یہود کی اس تحریف اور ان کے اس کذب وافتراء کی حقیقت خوب واضح کرتی ہے۔ اعاذنا اللّٰه منه شرور انفسنا' آمین
(صحیح القصص النبوی۔ ۶۷)

(۲) حدیث سے دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو مبتلائے عذاب کرنا چاہتے ہیں تو اپنے مقرب ونیک بندوں کو عذاب سے بچانے کیلئے وہاں سے نکال لیتے ہیں' جیسے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ہمراہ ان کے گھر والے (جو صاحبِ ایمان تھے) کہ ان کو بستی سے نکلنے کا حکم ہوا۔

(۳) بے حیائی' فحاشی اور جنسی بے راہ روی ایک ایسا خوفناک زہر ہے جو کسی بھی قوم کے معاشرتی زوال کی آخری علامت بلکہ زوال کا آخری اسٹیج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب متعدد اقوام پر آیا اور مختلف گناہوں اور نافرمانیوں کے سبب متعدد اقوام کو روئے زمین سے ختم کردیا گیا۔ لیکن جتنا شدید عذاب "قومِ لوط" پر ہوا اس کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔ وجہ واضح ہے کہ بے حیائی اور جنسی بے راہ روی گناہوں میں بدترین گناہ ہے۔

کیا ستم ظریفی ہے کہ اہلِ ایمان کو قرآن وحدیث کے جن واقعات کو سنا کر عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا تھا' آج پچھلی اقوام کے وہی عذاب کا سبب بننے والے گناہ اہلِ ایمان میں رواج پارہے ہیں۔ چنانچہ فحاشی و جنسی بے راہروی کا سیلاب اب مسلم معاشروں میں تیزی سے بڑھتا جارہا ہے اور امت مسلمہ کی نوجوان نسل بڑی تیزی کیساتھ اس سیلاب میں بہتی چلی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان فواحشِ ظاہرہ وباطنہ سے پوری امتِ مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین

ساتواں واقعہ ﴿۷﴾

حضرت آدمؑ و حضرت موسیٰ علیہما السلام کا باہمی مباحثہ

تمہید

زیرِ نظر قصہ ہمیں کسی ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتا تھا ماسوائے وحیِ الٰہی کے' اور اللہ جل شانہ' کی وحیِ متلو (یعنی قرآن کریم) میں اس قصہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ قصہ ہمیں سیّد الأنبیاء والمرسلین محمد الرسول اللہ علیہ افضل التسلیم کی زبانی معلوم ہوا ہے۔ اور چونکہ اس واقعہ کا کوئی شاہد نہیں ہے لہٰذا کسی دوسرے ذریعہ سے اس کا علم حاصل کرنا ممکن بھی نہیں۔

آدم و موسیٰ علیہما السلام دونوں اللہ جلالہ' کے عظیم القدر اور اولوالعزم انبیاء میں سے ہیں' ایک ابوالبشر ہیں تو دوسرے کلیم اللہ' دونوں کے مابین ہونے والا یہ مباحثہ و تکرار نبی مکرم علیہ السلام کی زبانی ہم تک پہنچا' دونوں کے مابین یہ ملاقات و مباحثہ کب کہاں اور کیسے ہوا؟ یہ نہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے نہ ہم جانتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس کے وقوع کا ہم یقین کامل رکھتے ہیں کہ یہ صادق و مصدوق ﷺ کی زبانِ صدق مآب سے نقل کیا گیا ہے' وہ زبان جس کی شہادت و گواہی قرآن نے دی کہ: ما ینطقُ عنِ الهوىٰ إن هو إلاّ وحیٌ یُوحیٰ (النجم ۳/۴)

''کہ یہ نبی (ﷺ) خواہشِ نفس کے تحت کچھ نہیں گفتگو کرتے' وہ تو وحی ہوتی ہے جو انہیں کیجاتی ہے''

آدم و موسیٰ علیہ السلام کے مابین اس مباحثہ کو حدیثِ رسول کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

نص الحدیث:

روى البخاري ومسلم في صحيحيهما عن أبي هريرة ﷺ قال: (قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلام عِنْدَ رَبِّهِمَا، فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى، قَالَ مُوسَى: أَنْتَ آدَمُ الَّذِي خَلَقَكَ اللهُ بِيَدِهِ، وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلائِكَتَهُ، وَأَسْكَنَكَ فِي جَنَّتِهِ، ثُمَّ أَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيئَتِكَ إِلَى الأَرْضِ؟

فَقَالَ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَتِهِ وَبِكَلامِهِ، وَأَعْطَاكَ الأَلْوَاحَ فِيهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ، وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا، فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ؟ قَالَ مُوسَى بِأَرْبَعِينَ عَامًا.

قَالَ آدَمُ: فَهَلْ وَجَدْتَ فِيهَا ﴿ وَعَصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى ﴾ [طه: ١٢١]، قَالَ: نَعَمْ . قَالَ: أَفَتَلُومُنِي عَلَى أَنْ عَمِلْتُ عَمَلاً كَتَبَهُ اللهُ عَلَيَّ أَنْ أَعْمَلَهُ قَبْلَ أَنْ

يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى).

وهذا السياق لمسلم .

وجاء في رواية عند البخاري: (احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى، فَقَالَ لَهُ مُوسَى: أَنْتَ آدَمُ الَّذِي أَخْرَجَتْكَ خَطِيئَتُكَ مِنَ الْجَنَّةِ؟ فَقَالَ لَهُ آدَمُ: أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللهُ بِرِسَالَاتِهِ وَبِكَلَامِهِ، ثُمَّ تَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ قُدِّرَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُخْلَقَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى، مَرَّتَيْنِ) .

وجاء في البخاري أيضاً: (احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى، فَقَالَ لَهُ مُوسَى: يَا آدَمُ، أَنْتَ أَبُونَا خَيَّبْتَنَا، وَأَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ؟ قَالَ لَهُ آدَمُ: يَا مُوسَى، اصْطَفَاكَ اللهُ بِكَلَامِهِ، وَخَطَّ لَكَ بِيَدِهِ، أَتَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ قَدَّرَهُ اللهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً؟ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى، فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى، ثَلَاثًا) .

ترجمۃ الحدیث

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حضرت آدم و موسیٰ علیہما السلام دونوں نے اپنے رب کے سامنے مباحثہ کیا جس میں آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: آپ آدم ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے تخلیق فرمایا، آپ کے اندر روح پھونکی، فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا، جنت میں آپ کو رہائش عطا کی (ان سب انعامات کے باوجود) آپ نے لوگوں کو اپنی خطا کے سبب زمین کی طرف اتار دیا؟

(جواب میں) آدم علیہ السلام نے فرمایا:

"آپ ہی موسیٰ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رسالت اور اپنی ذات سے ہم کلامی کا شرف عطا کیا آپ کو تورات کی الواح (تختیاں) عطا فرمائیں جن کے اندر ہر چیز کا واضح بیان تھا اور آپ کو اپنا قرب عطا فرما کر سرگوشی فرمائی۔ تو آپ نے میری تخلیق سے کتنا عرصہ قبل توراۃ لکھا ہوا پایا؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ چالیس برس قبل۔

آدم علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا آپ نے تورات میں یہ لکھا ہوا پایا کہ:

"اور آدم نے نافرمانی کی سو وہ لغزش کھا گیا"۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ فرمایا کہ پھر کیا آپ مجھے ایک ایسے عمل پر ملامت کر رہے ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے چالیس برس قبل ہی لکھ دیا کہ میں ایسا کروں گا؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :اس استدلال سے آدم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے"۔
بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ: "آدم و موسیٰ علیہ السلام کے مابین مباحثہ ہوا، موسیٰؑ نے ان سے فرمایا کہ : آپ ہی وہ آدم ہیں کہ آپ کو آپ کی خطا نے جنت سے نکالا؟ آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ : آپ ہی وہ موسیٰ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رسالت و ہمکلامی کیلئے منتخب فرمالیا، پھر بھی آپ مجھے ایک ایسے معاملہ پر ملامت کر رہے ہیں جو میری تخلیق سے بھی قبل ہی مقدر کر دیا گیا تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

"آدم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام غالب آگئے" (اور انہیں لاجواب کر دیا)۔

بخاریؒ کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ :

"آدم و موسیٰ علیہ السلام کے مابین حجت و بحث ہوئی، موسیٰؑ نے ان سے فرمایا کہ اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں، ہمیں آپ نے بے آبرو کیا اور آپ نے ہمیں جنت سے نکلوادیا؟ آدم علیہ السلام نے فرمایا: اے موسیٰ! اللہ نے آپ کو اپنے کلام کے لئے منتخب فرمالیا اور اپنے دستِ قدرت سے آپ کے لئے تورات تحریر فرمائی آپ مجھے ایک ایسے معاملہ پر ملامت کر رہے ہیں جسے اللہ نے میری تخلیق سے بھی چالیس برس قبل میرے لئے مقدر فرمادیا تھا (کہ میں پھل کھاؤں گا اور جنت سے نکالا جاؤں گا) غرض آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام پر حجت قائم کر دی اور انہیں قائل کر لیا۔ آنحضرت ﷺ نے تین بار یہ بات ارشاد فرمائی۔

تخريج الحديث:

أخرجه' البخاری/كتاب أحاديث الأنبياء' باب وفاة موسیٰؑ/ ٦-٤٤٠=
وأخرجه' ايضاً فی كتاب التوحيد فی كتاب القدر/ باب تحاج آدم و موسیٰ/١١-٥٠٥۔
أخرجه' مسلم فی كتاب القدر/ باب حجاج آدمؑ و موسیٰؑ/ ٤-٤٢-٢۔

تشریح الحدیث

دنیوی زندگی مشقت و تکلیف سے عبارت ہے، جو بشر بھی دنیا میں آیا ہے اسے زندگی میں کسی نہ کسی مرحلہ پر تنگی، تکلیف، مصیبت و کلفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، امیر ہو یا غریب، شہری ہو یا دیہاتی، عورت ہو یا مرد، ہر شخص کو مختلف طرح کے مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی کا نام زندگی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لقد خَلَقنا الإنسان فی كَبَدٍ (البلد/٤) (بلاشبہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے)

اور یہ مشقت زندگی کی آخری سانس تک چلتی ہے۔ روزگار کی مشقت، گھربار کے حصول کی مشقت،

حتیٰ کہ انسان جو لقمہ بھی منہ میں ڈالتا ہے وہ بھی بڑی مشقت و کلفت کے بعد اس کے منہ میں پہنچتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ایک لقمہ کھانے کے پیچھے کتنے افراد کی کتنی محنت پوشیدہ ہے تو عقل حیران رہ جائے' بلاشبہ یہ قدرت کا نظام ہے کہ مختلف انسانوں کو مختلف کاموں میں لگا کر انسان کی ضروریات باہمی طور پر ایک دوسرے کیذریعہ پوری کرنے کا راستہ بنادیا۔

غرض دنیا کی ہر نعمت کے پیچھے محنت و مشقت کی ایک داستان پوشیدہ ہے پھر ان نعمتوں کے حصول مین کبھی بیماری کی کلفت کا سامنا ہے تو کبھی حالات کا جبر' کہیں غیروں کی دشمنی ہے تو کہیں اپنوں کی بیگانگی۔ اسی چکی میں انسان عمر بھر پستا رہتا ہے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوات والتسلیمات' اللہ عزوجل کے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ دنیا میں انہیں بے شمار مشقتوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا' فرعون اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ مصر سے مدین کی طرف اس وقت فرار ہونا پڑا جب ایک قبطی آپکے ہاتھ سے قتل ہو گیا تھا وہاں آٹھ دس برس تک حضرت شعیب علیہ السلام کے مویشیوں کو چرانا پڑا' رسالت و نبوت کے منصب پر فائز ہو جانے کے بعد فرعون سے دشمنی ہوئی' قدم قدم پر بنی اسرائیل کی ضد' سرکشی اور عناد سے واسطہ پڑا' غرض بڑی کلفتیں اور مشقتیں پیش آئیں۔

شاید انہی مشقتوں کی بناء پر کسی وقت ان کے قلب میں یہ خیال آیا کہ دنیا کی اس تمام مشقت کا سبب آدم علیہ السلام کا جنت سے نکالا جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں ٹھکانہ عطا فرمایا تھا اگر وہ شجر ممنوعہ نہ کھاتے تو نہ جنت سے نکالے جاتے نہ زمین پر آتے اور ان کی طرح ان کی اولاد بھی جنت میں ہی رہتی بستی اور یہ دنیا کی ساری مشقتیں اور کلفتیں پیش نہ آتیں۔

چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کی توجہ اس بات کی طرف دلائی کہ صرف آپ کی وجہ سے ہمیں دنیا کی مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا' اگر آپ شجر ممنوعہ نہ کھاتے اور جنت کی باقی نعمتوں پر اکتفا فرماتے تو جنت سے نہ نکالے جاتے۔

فائدہ:۔ یہاں سب سے پہلے غور طلب بات تو یہ ہے کہ سیّدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تو اولین انسان تھے' جب کہ سیّدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سینکڑوں برس بعد تشریف لائے' دنیا میں ظاہری جسمانی وجود کے ساتھ دونوں کے مابین ملاقات تو ممکن نہیں تو آخر یہ ملاقات کب اور کیسے ہوئی؟ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مذکورہ اس باب میں خاموش ہے لیکن علماء نے س کی بعض توجیہات بیان کی ہیں۔ چنانچہ شارح مسلم علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ:

"ابوالحسن القابسیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دونوں انبیاء کی ارواح آسمان میں جمع ہوئیں تو وہاں یہ باہمی مباحثہ واحتجاج ہوا۔

قاضی عیاضؒ مالکی فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں حضرات اپنے شخصی وجود کے ساتھ ملے‘ اور واقعہ اسراء (معراج) کی حدیث میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا دیگر انبیاء صلوات اللہ وسلامہ‘ علیہم اجمعین کے ساتھ آسمانوں میں اور بیت المقدس میں اجتماع ہوا اور آپ نے ان حضرات کو نماز پڑھائی‘ تو کوئی بعید نہیں کہ اللہ ربّ العالمین نے ان حضرات کو زندہ کر دیا ہو جیسے کہ شہداء کے متعلق ہے۔

علاوہ ازیں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ باہمی مباحثہ واحتجاج موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کی طلب پر ہوا ہو کہ انہوں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی ہو کہ انہیں آدم علیہ السلام کا دیدار کروایا جائے‘‘۔ واللہ اعلم (نووی علیٰ صحیح مسلم ۲/۳۳۵)

موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو ان پر اللہ کی عظیم نعمتوں کی یاد دھانی کروائی کہ کس طرح آپ کو وجود بخشا‘ اس میں روح ڈالی‘ آپ کی کامل وسالم انسان کی حیثیت سے تخلیق فرمائی‘ مسجودِ ملائک بنایا‘ جنت کو آپ کا مسکن بنایا‘ ان سب نعمتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے صرف شجرِ ممنوعہ کے کھانے کی ممانعت کی تھی تو اسے نہ کھاتے۔

آدم علیہ السلام نے اس کے جواب میں جو بات کہی‘ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق موسیٰ علیہ السلام اس سے لاجواب ہو گئے۔

انہوں نے اوّلاً موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے جو شرف وفضیلت عطا فرمائی اس کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ: اے موسیٰ! اللہ نے آپ کو اپنی رسالت ونبوت کے شرف کیلئے منتخب فرمایا‘ شرفِ ہمکلامی سے سرفراز فرمایا اور اس کے بعد تورات کی الواح (تختیاں) عطا فرمائیں‘ آپ کو اس مقام کا حامل ہونے کے بعد ایسی بات نہیں کرنی چاہیئے‘ یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ کو میری تخلیق سے کتنا عرصہ قبل لکھ دیا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: چالیس برس قبل! تو کیا آپ نے اس میں یہ آیت لکھی ہوئی پائی کہ: وعصیٰ اٰدمُ ربّہ فغویٰ "اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے"؟ آدم علیہ السلام نے پوچھا۔ فرمایا کہ جی ہاں! آدم علیہ السلام نے فرمایا: پھر بھی آپ مجھے ایسی بات پر ملامت کر رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے بھی چالیس برس قبل ہی مقدر فرما دیا تھا (کہ آدم ایسا عمل کریں گے اور اس کی پاداش میں انہیں جنت سے نکال کر زمین میں اتارا جائے گا)۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت آدم وحضرت موسیٰ علیہما السلام کے مابین ہونے والے اس مباحثہ کے بارے میں محاکمہ فرماتے ہوئے فیصلہ دیا کہ آدم علیہ السلام حضرت موسیٰؑ پر غالب آ گئے۔
پھر غلبہ کی صورت کیا ہوئی؟ غلبہ کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جواب کا مقصد یہ تھا کہ آپ جو مجھے ملامت کر رہے ہیں یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ہم سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے پابند ہیں

اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں فیصلہ ہو چکا تھا کہ انسان کو زمین پر اتارنا ہے اور زمین میں اپنا نائب اور خلیفہ بنانا ہے جس کے اندر بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ تھیں اور اس زمین میں بسانے کا طریقہ یہ ہو گا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ابتداً جنت میں بسایا جائیگا اور انہیں ایک مخصوص درخت کے قریب جانے اور اس کا پھل کھانے سے منع کر دیا جائے گا اور وہ شیطان کے بہکانے سے اس درخت کو کھالیں گے جس کی پاداش میں انہیں جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا جائے گا۔ تو گویا جنت سے آدمؑ کے خروج کا حقیقی سبب اکلِ شجرہ (درخت کا کھانا) نہیں بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مشیت اور اس کی تقدیر تھی' گو ظاہری سبب درخت کا کھانا ہی بن گیا۔

چند عبرت و نصائح

حدیثِ بالا سے متعدد اہم فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ پہلا فائدہ تو اصلاح عقائد سے متعلق ہے اور یہ عقیدۂ تقدیر ہے' حدیث میں تقدیر کے منکرین پر واضح رد ہے کہ اللہ کی تقدیر اور مشیّتِ ایزدی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا اور جو کچھ بھی دنیا میں وقوع پذیر ہوتا ہے وہ مشیّتِ ایزدی کے تابع ہوتا ہے اگرچہ بہت سے انسانی معاملات میں انسان باری تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اختیار کو استعمال کرتا ہے اور اسی اختیار کے صحیح یا غلط استعمال پر جزاو سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ بہر کیف! تقدیرِ الٰہی پر عقیدہ رکھنا ایمان کا بنیادی رکن ہے اور اس کے بغیر ایمان ناقص رہتا ہے۔

۲۔ دوسرا فائدہ "آداب" سے متعلق ہے' حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رہنمایانِ دین کے اندر باہمی اختلافِ رائے ہو سکتا ہے اور اس اختلاف کی بناء پر لفظی مجادلہ و مباحثہ بھی جائز ہے مگر حدودِ شریعت کی رعایت کرتے ہوئے اور حق کے اظہار کیلئے ہو' پھر جب حق ظاہر ہو جائے تو اسے قبول کرنا بھی اہلِ حق کا شیوہ ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدمؑ کی بات کو حق سمجھا اور اسے تسلیم کیا۔

۳۔ اہلِ ایمان کے لئے "ایمانِ بالغیب" ضروری ہے' یعنی مخبرِ صادق المصدوق ﷺ جو غیب کی خبریں بتلائیں ان پر دل و جان سے ایمان لانا اور انہیں سچا سمجھنا ضروری ہے' جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ ہے کہ یہ مکمل طور پر غیب کی خبر ہے جو نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی دی گئی اور آپؐ نے امت کو اس کی خبر دی' نبی علیہ السلام کی ہر بات پر خواہ اپنی ناقص عقل میں آئے یا نہیں ایمان لانا ضروری ہے۔

البتہ بعض دوسرے لوگ جو غیب کی خبریں بتلاتے ہیں ان کی باتیں معتبر نہیں ہیں مثلاً کاہن اور نجومی وغیرہ' اور انکی باتوں پر یقین کرنا صحیح نہیں اسی طرح بعض خودساختہ پیر اور مدعیانِ ولایت بہت سی باتیں اپنی غیب دانی کا اظہار کرنے کیلئے بیان کرتے پھرتے ہیں ان پر بھی یقین کرنا صحیح

نہیں بالخصوص جب کہ وہ شریعت کے صریح احکامات سے متصادم ہوں۔

۴۔ حدیثِ بالا سے ایک اہم علم یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بھی چالیس برس قبل لکھا تھا۔

دوسری بات یہ کہ تورات کو حق تعالیٰ نے اپنے ہاتھ (جیسا اس کی شانِ عالی کے لائق ہے) سے لکھا۔ یہ دونوں باتیں تورات کی فضیلت کا باعث ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کی آیت وعصیٰ اٰدمُ رَبَّہٗ فغویٰ" تورات میں بھی انہی الفاظ سے منقول ہے۔ لیکن تورات کے موجودہ نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے۔

۵۔ ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اگر کسی وقت دو اشخاص کے مابین اختلافِ رائے اور حجت بازی ہو تو دونوں کو ایک دوسرے کے محاسن اور فضائل اور اچھی باتیں بیان کرنا چاہیے تاکہ دلوں میں اختلافِ رائے کی بناء پر کدورت نہ پیدا ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کے فضائل بیان کئے اور آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے۔

آٹھواں واقعہ ﴿۸﴾

موسیٰ علیہ السلام کے پتھر کا واقعہ

تمہید

بنی اسرائیل وہ قوم ہے جس نے اپنے انبیاء کو ناقابلِ بیان اذیتیں پہنچائیں، حتیٰ کہ انہیں قتل کرنے تک سے گریز نہ کیا۔ ضد اور عناد ان کی سرشت میں داخل تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے اور ان کی دعاؤں کی بدولت بے شمار نعمتیں بنی اسرائیل کو عطا کیں اور کتنے ہی مواقع پر انہیں حضرت موسیٰؑ کی دعا کی بناء پر مصائب و مشکلات سے نجات ملی، لیکن ان سب نعمتوں کے باوجود ان کے بعض جہلاء نے حضرت موسیٰؑ کو ایذاء پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ چنانچہ ایک موقع پر جہلاء بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کے متعلق یہ مشہور کردیا کہ انکے جسم کے مخفی حصہ میں ایک مرض ہے، اور جس شخص میں یہ مرض ہو اس کو "آدر" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس عیب کے الزام کو دور کرنا چاہا اور پھر یہ واقعہ پیش آیا۔

نص الحدیث:

روى البخاري في صحيحه: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: (إِنَّ مُوسَى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيرًا لا يُرَى مِنْ جِلْدِهِ شَيْءٌ اسْتِحْيَاءً مِنْهُ، فَآذَاهُ مَنْ آذَاهُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَقَالُوا: مَا يَسْتَتِرُ هَذَا التَّسَتُّرَ إِلا مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهِ، إِمَّا بَرَصٌ، وَإِمَّا أُدْرَةٌ، وَإِمَّا آفَةٌ.

وَإِنَّ اللهَ أَرَادَ أَنْ يُبَرِّئَهُ مِمَّا قَالُوا لِمُوسَى، فَخَلا يَوْمًا وَحْدَهُ، فَوَضَعَ ثِيَابَهُ عَلَى الْحَجَرِ، ثُمَّ اغْتَسَلَ، فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ إِلَى ثِيَابِهِ لِيَأْخُذَهَا، وَإِنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهِ، فَأَخَذَ مُوسَى عَصَاهُ فَرَأَوْهُ عُرْيَانًا أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللهُ، وَأَبْرَأَهُ مِمَّا يَقُولُونَ، وَقَامَ الْحَجَرُ، فَأَخَذَ ثَوْبَهُ فَلَبِسَهُ، وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ، فَوَاللَّهِ إِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِنْ أَثَرِ ضَرْبِهِ، ثَلاثًا أَوْ أَرْبَعًا أَوْ خَمْسًا، فَذَلِكَ قَوْلُهُ ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللهِ وَجِيهًا﴾ [الأحزاب: ٦٩].

وفي روايه عنده عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: (كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ يَغْتَسِلُونَ عُرَاةً، يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، وَكَانَ مُوسَى ﷺ يَغْتَسِلُ وَحْدَهُ، فَقَالُوا

واللہ ما یَمْنَعُ مُوسَی أَنْ یَغْتَسِلَ مَعَنَا إلاَّ أَنَّهُ آدَرُ، فَذَهَبَ مَرَّةً یَغْتَسِلُ، فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ، فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ، فَخَرَجَ مُوسَى فِي إِثْرِهِ یَقُولُ: ثَوْبِي یَا حَجَرُ، حَتَّى نَظَرَتْ بَنُو إِسْرَائِیلَ إِلَى مُوسَى، فَقَالُوا: واللہ مَا بِمُوسَى مِنْ بَأْسٍ، وَأَخَذَ ثَوْبَهُ، فَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا) فَقَالَ أَبُو هُرَیْرَةَ: (واللہ إِنَّهُ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ أَوْ سَبْعَةٌ ضَرْبًا بِالْحَجَرِ).

ترجمۃ الحدیث:

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"موسیٰ علیہ السلام بہت باحیا اور ستر فرمانے والے تھے ' ان کے جسم کا کوئی حصہ انتہائی حیا کی وجہ سے دیکھا نہ جاسکتا تھا' بنواسرائیل کے موذی قسم کے لوگوں نے انہیں اذیت پہنچانے کے لئے یہ کہنا شروع کیا کہ موسیٰ کے اس قدر ستر کرنے کی کوئی وجہ بجز اس کے نہیں ہے کہ ان کے جسم میں کوئی عیب ہے یا تو برص ہے یا "اُدر" (خصیوں کا مرض) ہے یا کوئی دوسری آیت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ وہ عیب زنی کرتے تھے اس سے ان کی برأت ظاہر فرمائیں ' چنانچہ (اس کی صورت یہ فرمائی کہ) ایک دن موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں قضائے حاجت کے لئے صحرا میں نکلے ' اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے ' پھر غسل فرمانے لگے ' غسل سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنے کپڑے اٹھانے کیلئے پتھر کی طرف رُخ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر ان کے کپڑے لئے تیزی سے چلا جارہا ہے ' موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا اٹھایا (اور پتھر کیطرف دوڑے) تو لوگوں نے انہیں برہنہ دیکھ لیا اور دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین اور خوبصورت جسم عطا کیا ہے (اور وہ ہر عیب و مرض سے پاک ہیں) اور اللہ نے ان کی برأت ظاہر فرمادی اس بات سے جو بنی اسرائیل ان کے متعلق کہتے تھے ' اور پتھر رک گیا ' موسیٰ علیہ السلام نے کپڑے لئے اور انہیں پہن لیا ' پھر اپنا عصا سے پتھر پر مارنا شروع کر دیا (غصہ اور شرم کے مارے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی قسم! پتھر پر ان کی اس ضرب کے نشانات ہیں تین یا چار یا پانچ۔ اور اسی واقعہ کی جانب قرآن کریم کی آیتِ مبارکہ میں اشارہ فرمایا گیا ہے:

یا أیُّها الَّذینَ آمَنوا لا تَكُونُوا كَالَّذِینَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیهًا. (الاحزاب)

"اے ایمان والو! نہ ہو جاؤ تم ان لوگوں کی طرح جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ایذاء پہنچائی ' پھر اللہ نے ان کی برأت ظاہر فرمائی اس بات سے جو انہوں نے (بنی اسرائیل نے) کہی ' اور وہ (موسیٰؑ) اللہ کے نزدیک بہت صاحبِ وجاہت و حُسن تھے"۔

بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"بنواسرائیل کی عادت تھی کہ وہ برہنہ ہو کر (سب کے سامنے) غسل کیا کرتے تھے اور (بے شرمی سے) آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا کرتے تھے' جب کہ موسیٰ علیہ السلام تنہائی میں غسل فرماتے تھے (سب سے چھپ کر جو حیا کا فطری تقاضا تھا) بنی اسرائیل نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ کی قسم! موسیٰ کو ہمارے ساتھ غسل کرنے سے کوئی مانع نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ "آدر" ہیں (وہ شخص جس کے خصیے میں مرض ہو) ایک بار موسیٰؑ غسل کیلئے تشریف لے گئے' اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھے (اور غسل فرمانے لگے) اُدھر وہ پتھر (اللہ کے حکم سے) ان کے کپڑے سمیت بھاگنے لگا' موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے: اے پتھر میرے کپڑے! یہاں تک کہ بنواسرائیل نے موسیٰؑ کو (عریاناً) دیکھ لیا اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! موسیٰ کے اندر تو کوئی عیب نہیں ہے۔ موسیٰؑ نے اپنے کپڑے لئے اور پتھر کو مارنا شروع کر دیا"۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ "اللہ کی قسم! پتھر میں اس مار کے نشانات ہیں تقریباً چھ یا سات"۔

تخریج الحدیث:۔

بخاری/کتاب أحادیث الأنبیاء/٦۔٤٣٦۔

الروایة الثانیه:بخاری/کتاب الغسل. باب من اغتسل عریاناً/١۔٣٨٥۔

رواه مسلم' کتاب الفضائل. باب فضائل موسیٰ ٤/٢٦٦۔

تشریح الحدیث

اصل واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس زمانہ کے دستور کی طرح جب کنویں پر نہاتے تو برہنہ نہیں ہوتے تھے جب کہ اس زمانہ کا عام دستور یہ تھا کہ وہ لوگ بالکل برہنہ ہو کر نہاتے تھے اور اسے کوئی معیوب بات نہ سمجھتے تھے' جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم شریعت اور حیا کے فطری تقاضہ کی بناء پر چھپ کر غسل فرماتے تھے بلکہ ان کے اندر تو اس قدر حیا کا غلبہ تھا کہ جسم کا کوئی حصہ بھی ظاہر نہ فرماتے تھے' قوم نے مشہور کر دیا کہ موسیٰؑ کا اپنا جسم اور ستر چھپانے کا مقصد کوئی مرض ہے جسے وہ مخفی رکھنا چاہتے ہیں۔ یا تو برص کا مرض ہے یا اور کوئی تکلیف ہے جسے وہ دوسروں سے چھپانا چاہتے ہیں۔ اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے نہایت تکلیف دِہ بات تھی' اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ' کی سنت یہ ہیکہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کو جس طرح روحانی اعتبار سے کامل اور خوبصورت بناتے ہیں اسی طرح ظاہری اور جسمانی اعتبار سے بھی اکمل اور حسین بناتے ہیں اور انہیں ہر طرح کے جسمانی عیوب سے پاک رکھتے ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بنواسرائیل کے اس مزعومہ بے بنیاد قول کی عملی تردید اور موسیٰ علیہ السلام کی ظاہری و جسمانی کاملیت و خوبصورتی کو ان سفہاء پر واضح فرمانا چاہا اور اس کی صورت وہ ہوئی جو حدیث میں بیان کی گئی۔

جب وہ پتھر اللہ کے حکم سے موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تو موسیٰؑ اس کے پیچھے دوڑے اور کافی دور تک دوڑے' وہ پتھر بنی اسرائیل کے لوگوں کے ایک مجمع کے سامنے جاکر رکا اور لوگوں نے انہیں برہنہ دیکھا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ سارے عیوب جو وہ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں کہتے پھرتے تھے ان کے اندر نہیں ہیں اور جب یہ مقصد پورا ہو گیا تو وہ پتھر رک گیا' حضرت موسیٰؑ نے اپنے کپڑے لئے اور مارے غصہ اور جلال کے اور اس ذہنی و قلبی کوفت کے جو انہیں ہوئی تھی پتھر پر عصا مارنا شروع کر دیا۔ حتی کہ اس مار کے نشانات بھی اس پتھر پر موجود ہیں۔

اسی واقعہ کیطرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی کہ :

"اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذاء پہنچائی۔ پھر اللہ نے انہیں بری کر دیا ان (لوگوں کی) بات سے' اور وہ (موسیٰؑ) اللہ کے نزدیک بہت وجیہ اور خوبصورت تھے۔ (الأحزاب/۶۹)

چند عبرت و نصائح

۱۔ پہلا فائدہ حدیثِ بالا سے یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے لئے ایذاء کو برداشت نہیں کرتے اور اس کے ازالہ کے لئے فی الفور اقدام فرماتے ہیں' چنانچہ موسیٰؑ کے لئے جو بات باعثِ ایذاء بن رہی تھی اللہ تعالیٰ نے اسے بالکل ختم فرما دیا تاکہ اس حوالہ سے آئندہ کوئی انہیں اذیت پہنچا ہی نہ سکے۔

اسی طرح اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کے متعلق بھی اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے موسیٰؑ کو اذیت دی تھی (اور نبی علیہ السلام کو اپنے طرزِ عمل سے ایذاء نہ پہنچائیں) اور فی الحقیقت اس آیت سے قبل پیچھے دور کوع میں حق تعالیٰ نے نبی علیہ السلام سے متعلق اہلِ ایمان کو مختلف ہدایات دی ہیں اور بتلایا ہے کہ تمہاری بعض باتیں نبیؐ کے لئے باعثِ ایذاء ہیں۔

غرض حق تعالیٰ اپنے انبیاء کو کوئی ایذاء قلبی نہیں ہونے دیتے اور اگر انہیں جہلاء و سفہاء سے کوئی اذیت پہنچتی ہے تو اس کا ازالہ فرماتے ہیں۔

۲۔ پتھر کا کپڑے لے کر بھاگنا ایک غیر معمولی بات ہے کہ پتھر جیسی بے جان چیز از خود شعوری حرکت کرے کہ پتھر کی یہ خصوصیت نہیں کہ دوڑے یا بھاگے لیکن حق تعالیٰ شانہ کا حکم ہر شئے پر چلتا ہے اور ہر چیز اس کے حکم کی تابع ہے اور یہ اللہ کی قدرت کاملہ کا عجیب مظاہرہ تھا۔

اسی طرح لکڑی کا پتھر پر نشان ڈال دینا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اظہار تھا کیونکہ پتھر

لکڑی سے زیادہ سخت ہوتا ہے اور عموماً یہی ہوتا ہے کہ لکڑی کو اگر پتھر پر مارا جائے تو لکڑی ٹوٹ جاتی ہے اور پتھر پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

لیکن بات وہی ہے کہ ہر شے کے اپنے طبعی خصائص بھی حکم الٰہی کے پابند اور مشیتِ الٰہی کے تابع ہیں' آگ کی خاصیت جلانا ہے لیکن حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ حکمِ الٰہی کی وجہ سے گلزار بن جاتی ہے۔ زہر کی خاصیت جسم انسانی کے اندرونی نظام کو تباہ کر کے انسان کو موت سے ہمکنار کرنا ہے لیکن خالدؓ بن ولید کے لئے زہر کا پورا پیالہ امرت بن جاتا ہے۔ پانی کی بنیادی خاصیت غرق کرنا اور ڈبونا ہے مگر صحابہؓ کا پورا لشکر اپنے گھوڑوں پر سوار دجلہ کی منہ زور لہروں پر مست خرامی سے چلتا ہوا کنارے پہنچ جاتا ہے اور کسی کے گھوڑے کا سُم تک نہیں بھیگتا۔ تو خاصیاتِ اشیاء بھی حکمِ الٰہی کے تابع اور مشیتِ ایزدی کے پابند ہیں اور اللہ تعالیٰ اہلِ دنیا پر اپنی قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لئے بسا اوقات اس طرح کے غیر معمولی واقعات کا اظہار فرماتے رہتے ہیں کہ تاکہ غافل انسانوں کی غفلت کے پردے ہٹ سکیں۔

۳۔ ایک اور اہم فائدہ حدیث سے یہ حاصل ہوا کہ جہلاء کی ایذاء رسانی سے انبیاء علیہم السلام بھی محفوظ نہیں رہے۔ اس میں ہمارے لئے سبق یہ ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کیلئے بہت سے لوگ ایذاء رسانی کا باعث بنتے ہیں۔ صلحاء اور دعاۃِ امت کیلئے بہت سے لوگ موذی بن جاتے ہیں لیکن ان ایذاؤں پر صبر کرنا ہی اہلِ ایمان اور حاملینِ دین کے لئے واحد راستہ ہے۔ اسی صبر کے ذریعہ ان کے درجات بلند ہوتے ہیں' مخلوق کی ایذاء پر صبر کرنا انسان کے باطنی مقامات کو بہت بلند کر دیتا ہے۔

۴۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام امت کے لئے ایک مکمل نمونہ ہوتے ہیں' اخلاق و کردار' انداز و اطوار' عادات و معاشرت عقائد و عبادات غرض ہر شعبہ کے اعتبار سے ایک کامل اسوہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ انہیں باطنی اعتبار سے کامل بنانے کے ساتھ ساتھ ظاہری اعتبار سے بھی کامل بناتے ہیں' جس طرح سیرت کے اعتبار سے وہ حسین ہوتے ہیں تو صورت کے اعتبار سے بھی انہیں حسین ترین بنایا جاتا ہے' تاکہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہوں اور لوگ ان کی بات سنیں' اور اللہ نے حضرت موسیٰؑ کی وجاہت کی گواہی دی جیسا کہ اوپر گزرا۔

چنانچہ یہ ظاہری وجاہت بھی شریعت میں مطلوب و محمود ہے دین کے حاملین' داعی اور مصلحین کے لئے ظاہری اعتبار سے بھی وجیہ ہونا مناسب ہے تاکہ اہلِ دنیا ان کی طرف مائل ہوں اور ان کی بات سنیں' لیکن یہ وجاہت محتاجِ فیشن نہیں بلکہ عطا کردۂ قدرت ہے جو مخلص صاحبِ دین و حاملِ علم دین کو حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ بھی یہی ہے کہ عموماً حق تعالیٰ شانہ علماء کرام کو باطنی و روحانی کمالات کے ساتھ ظاہری وجاہت و حسن بھی عطا فرماتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ انسان کی ظاہری وجاہت و زینت کو بڑھانے کے اختیاری ذرائع اختیار کرنا بھی حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے مطلوب و محمود ہے۔ اور صاحبِ شریعت نبی ﷺ کی متعدد احادیث قولی و فعلی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ واللہ اعلم

(۵) کبھی کبھار اہلِ وقار و اصحابِ وجاہت کو بھی ایسے غیر اختیاری حالات کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے کہ ان سے غیر سنجیدہ، وقار و متانت اور شائستگی کے خلاف افعال صادر ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ ظاہری اعتبار سے بھی صاحبِ وجاہت و وقار تھے اور باطنی اعتبار سے نبوت کی عظمت و وقار سے متصف تھے لیکن اس طرح کی صورت حال سے دوچار ہوئے جو ان کی شان کے نامناسب تھی۔ لیکن اس میں بھی حق تعالیٰ کی عجیب و غریب مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کے لئے پوشیدہ تھیں۔

نواں واقعہ ﴿۹﴾

موسیٰ علیہ السلام اور ملک الموت

تمہید

اللہ کے نبی حضرت موسیٰ صاحبِ عظمت وجلال نبی تھے، مزاج مبارک میں جلال بہت تھا، حق تعالیٰ نے ظاہری قوت بھی عطا فرمائی تھی، انبیاء یوں بھی جنت کے مردوں جیسی طاقت رکھتے ہیں، قبطی کو ایک ہی گھونسہ مارا تو اسکی قضا آگئی۔ جلالی شان تو یہ تھی کہ پتھر پر بے اختیار عصا برسانا شروع کر دیا۔ ملک الموت روحِ مبارک قبض کرنے کے لئے اس بارگاہِ جلالی میں پہنچے اور روح قبض کرنے کی اجازت طلب کی تو جلالی شان کا عجیب مظاہرہ ہوا اور دستِ موسوی نے فرشتہ اجل کی انسانی آنکھ پھوڑ ڈالی۔

زبانِ نبوت ﷺ اس عجیب واقعہ کو کس طرح بیان کرتی ہے؟ محمد بن اسماعیل بخاریؒ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

نص الحدیث:

روى البخاري في صحيحه عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: (أُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلام، فَلَمَّا جَاءَهُ صَكَّهُ، فَرَجَعَ إِلَى رَبِّهِ، فَقَالَ: أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لا يُرِيدُ الْمَوْتَ، فَرَدَّ اللَّهُ عَلَيْهِ عَيْنَهُ، وَقَالَ: ارْجِعْ فَقُلْ لَهُ: يَضَعُ يَدَهُ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهُ بِكُلِّ مَا غَطَّتْ بِهِ يَدُهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ، قَالَ: أَيْ رَبِّ، ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ الْمَوْتُ، قَالَ: فَالآنَ، فَسَأَلَ اللَّهَ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَلَوْ كُنْتُ ثَمَّ، لأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطَّرِيقِ عِنْدَ الْكَثِيبِ الأَحْمَرِ).

وفي رواية عند مسلم: (جَاءَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلام فَقَالَ لَهُ: أَجِبْ رَبَّكَ، قَالَ: فَلَطَمَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلام عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ فَفَقَأَهَا، قَالَ: فَرَجَعَ الْمَلَكُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى، فَقَالَ: إِنَّكَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى عَبْدٍ لَكَ لا يُرِيدُ الْمَوْتَ، وَقَدْ فَقَأَ عَيْنِي، قَالَ: فَرَدَّ اللَّهُ إِلَيْهِ عَيْنَهُ، وَقَالَ: ارْجِعْ إِلَى عَبْدِي فَقُلِ الْحَيَاةَ تُرِيدُ؟ فَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْحَيَاةَ فَضَعْ يَدَكَ عَلَى مَتْنِ ثَوْرٍ، فَمَا تَوَارَتْ يَدُكَ مِنْ شَعْرَةٍ فَإِنَّكَ تَعِيشُ بِهَا سَنَةً، قَالَ: ثُمَّ مَهْ؟ قَالَ: ثُمَّ تَمُوتُ. قَالَ: فَالآنَ مِنْ قَرِيبٍ رَبِّ . قَالَ : أَمِتْنِي مِنَ الأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: وَاللَّهِ لَوْ أَنِّي عِنْدَهُ، لأَرَيْتُكُمْ قَبْرَهُ إِلَى جَانِبِ الطَّرِيقِ عِنْدَ الْكَثِيبِ الأَحْمَرِ).

ترجمۃ الحدیث:

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل فرمایا ہے کہ:

''ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا' جب وہ موسیٰؑ کے پاس آئے تو انہوں نے ایک تھپڑ مار دیا' فرشتۂ اجل واپس اپنے رب کے پاس لوٹے اور عرض کیا کہ:

''آپ نے مجھے اپنے ایک ایسے بندہ کی طرف بھیج دیا جو مرنا نہیں چاہتا'' اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ واپس لوٹائی اور ارشاد فرمایا کہ ان سے کہو کہ اپنا ایک ہاتھ بیل کی پیٹھ پر رکھ دیں ان کا ہاتھ بیل کے جتنے بال بھی ڈھانپ لے اتنے ہی سال انہیں مزید حیات مل جائیگی' موسیٰؑ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ: اے میرے رب! پھر کیا ہوگا؟ فرمایا کہ اس کے بعد پھر موت ہے۔ فرمایا کہ (جب انجام کار موت ہی ہے) تو اسی وقت کیوں نہیں' پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ انہیں (موت سے قبل) ارضِ مقدسہ (بیت المقدس) کے اتنا قریب کر دے کہ پتھر پھینکنے کے بقدر مسافت رہ جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں (صحابہ کو) ان کی قبر دکھاتا جو راستہ کی ایک جانب سرخ ٹیلہ کے قریب واقع ہے''۔

مسلم کی روایت میں فرمایا کہ:

''ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس انسانی صورت میں تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ: اپنے رب کو قبول کیجئے' یعنی موت کیلئے تیار ہو جایئے' موسیٰ علیہ السلام نے یہ سن کر ملک الموت کی آنکھ پر ایک ایسا تھپڑ مارا کہ ان کی آنکھ پھوڑ دی۔ فرشتۂ موت' اللہ تعالیٰ کے پاس واپس پہنچے اور عرض کیا کہ: آپ نے مجھے اپنے ایک ایسے بندہ کی جانب بھیج دیا کہ وہ مرنے کے لئے تیار نہیں اس نے تو میری آنکھ پھوڑ دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھ واپس لوٹا دی اور فرمایا کہ: میرے بندہ کے پاس پھر جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا مزید زندگی چاہتے ہو؟ اگر تم مزید حیات چاہتے ہو تو اپنا ایک ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھ دو' تمہارا ہاتھ اس کے جتنے بال چھپالے اتنے ہی سال تم زندہ رہو گے (تمہاری عمر میں اضافہ کیا جائے گا)۔

موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ: پھر کیا ہوگا؟ فرمایا کہ اس کے بعد پھر موت ہی آئے گی۔

فرمایا کہ اے میرے رب! پھر اسی وقت میں قربت چاہتا ہوں اور فرمایا کہ: مجھے ارضِ مقدسہ سے پتھر پھینکنے کے بقدر مسافت پر موت دیجئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ان کی قبر دکھاتا جو راستہ کے ایک طرف سرخ ٹیلے کے قریب واقع ہے''۔

تخریج الحدیث:

رواه البخاری/کتاب الجنائز. باب من أحب الدفن فی الأرض المقدسة ٢٠٦/٣۔
رواه مسلم/ کتاب الفضائل. باب فضل موسیٰ علیه السلام ١٨٤٢/٤٠۔

تشریح الحدیث

نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ رب العالمین انبیاء علیہم السلام کو موت کے وقت بہ طورِ کرامت واعزاز یہ اختیار عطا فرماتے ہیں کہ وہ موت یا حیاتِ دنیا میں سے جسے چاہیں اختیار کریں۔

بعض احادیث میں خود رسول کریم ﷺ کے متعلق سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ علیہ السلام کو بھی اختیار دیا گیا تھا اور آپؐ نے رفیقِ اعلیٰ کی ملاقات کو ترجیح دی اور فرمایا:

اللّٰهُمَّ الرّفيق الأعلى ''اللہ! سب سے اعلیٰ و بد ترین رفیق کے پاس''۔

اور یہی حیاتِ مطہرہ کے آخری الفاظ تھے جو آپؐ نے زبان سے ادا فرمائے اور اس کے بعد روحِ مبارک عالمِ بالا کی طرف پرواز کر گئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

بہر کیف! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کے وقت جب اللہ تعالیٰ نے فرشتہ اجل حضرت عزرائیل علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا تو وہ ایک انسانی شکل میں تشریف لائے اور ان سے کہا کہ اپنے رب کے مطالبہ پر لبیک کہیے۔ اور یہ در حقیقت اعلان تھا ان کا وقتِ موعود آنے کا' موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں گرمی اور سختی تھی' انہوں نے جب یہ بات سنی تو فرطِ غضب میں فرشتہ اجل کو ایک تھپڑ دے مارا جس سے ان کی انسانی آنکھ پھوٹ گئی۔

چونکہ حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانی صورت میں تھے تو انسانی صورت کے خواص بھی ان میں منتقل ہو گئے تھے' یہی وجہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو تھپڑ مارنے کی طاقت حاصل ہو گئی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ جنت کے مردوں کی قوت عطا فرماتے ہیں ورنہ اگر ملک الموت اپنی اصلی شکل میں ہوتے تو حضرت موسیٰؑ کبھی ان کو تھپڑ نہ مار سکتے تھے۔

حضرت عزرائیلؑ تھپڑ کھانے کے بعد اپنے رب کے پاس شکایت لے کر پہنچے کہ آپ نے ایسے بندہ کی جان لینے کو بھیج دیا جو مرنا ہی نہیں چاہتا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا کہ میرے بندہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تمہیں زندگی اور موت دونوں کا اختیار دیا جاتا ہے جسے چاہو اختیار کر لو اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ایک بیل کی پشت پر اپنا ہاتھ پھیرو' اس کے جتنے بال تمہاری ہتھیلی کے نیچے آئیں گے اتنے برس تمہاری زندگی بڑھا دی جائیگی۔

حضرت موسیٰؑ نے جب یہ بات سنی تو پوچھا کہ: بارِ الٰہا! اتنے برس کی زندگی کے بعد پھر کیا

ہو گا؟ فرمایا کہ اس کے بعد پھر موت ہی آئے گی (کہ وہی ہر بشر کی دنیاوی انتہا ہے) موسیٰؑ نے فرمایا کہ جب آخر کار موت ہی آنا ہے تو ابھی کیوں نہیں۔ میرے رب میں ابھی تیار ہوں۔ البتہ میری خواہش یہ ہے کہ مجھے ارضِ مقدسہ (بیت المقدس) کے قریب وجوار میں موت آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خواہش کو پورا فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ان کی قبر دکھاتا جو راستہ کی ایک طرف سرخ ٹیلے کے پاس واقع ہے"۔

حضرت موسیٰؑ نے باوجود اختیار ملنے کے دنیاوی حیات کو قبول نہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہو گی کہ غالباً انہوں نے سوچا ہو گا کہ جب موت ہی آنی ہے تو پھر اتنا عرصہ مزید زندہ رہ کر زندگی کی کلفتیں اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ کی ملاقات سب سے بڑی نعمت ہے۔ جب شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں جنت میں اڑتی پھرتی ہیں تو انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ کو تو قرب کا خصوصی مقام عطا ہو گا لہٰذا انہوں نے لقاء اللہ (اللہ کی ملاقات) کو اختیار فرمایا۔

وللآخرةُ خيرٌ لك من الأولىٰ۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ انبیاء علیہم السلام کی عظمتِ شان کا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ 'بطورِ اکرام واعزاز موت کے وقت انہیں موت دینے سے قبل اختیار عطا فرماتے ہیں' چاہیں تو زندگی میں مہلت حاصل کرلیں اور چاہیں تو اپنے رب کی ملاقات کا اعزاز حاصل کرلیں۔

۲۔ فرشتوں کا انسانی صورت اختیار کرلینا بھی حق تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اور جب فرشتے بشری شکل اختیار کرتے ہیں تو ان کے اندر بشری خواص بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ سے فرشتۂ اجل کی بشری آنکھ پھوٹ گئی ورنہ ایک انسان میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ ملائک کو نقصان پہنچا سکے۔

۳۔ تیسرا فائدہ حدیث سے یہ حاصل ہوا کہ انسان کے لئے اس بات کی تمنا اور خواہش کرنا بلکہ حق تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کرنا بھی جائز ہے کہ اسے کسی مقدس مقام میں موت آئے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ارضِ مقدسہ کے قرب میں موت کی خواہش فرمائی۔ اور جب کسی مقدس مقام میں موت کی تمنا اور دعا کرنا جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ کسی مقدس وقت اور مبارک ایّام میں موت کی تمنا اور دعا کی جائے۔

مثلاً کوئی یہ دعا مانگے کہ اسے رمضان کے ایّام میں یا جمعہ کے روز موت آئے تو یہ جائز ہے۔

بہر حال ہو گا تو وہی جو حق تعالیٰ کو منظور ہو گا۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ کسی مقدس مقام یا مقدس و مبارک ساعات وایّام میں موت آنا انسان کی نجات کا ذریعہ نہیں۔ نجات کا مدار تو محض اعمال اور ان کی قبولیت اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مقدس مقام اور مقدس و مبارک ساعات وایّام کی برکت انسان کو حاصل ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

دسواں قصہ ﴿۱۰﴾

بنی اسرائیل کی بُڑھیا

تمہید

حق تعالیٰ جن نفوسِ قدسیہ کو فکر آخرت نصیب فرماتے ہیں ان کی زندگی کا ہر لحظہ اسی فکر میں بسر ہوتا ہے کہ کس طرح آخرت میں مقاماتِ عالیہ نصیب ہو جائیں اور اللہ کی پاک باز و برگزیدہ ہستیوں کی رفاقت کی سعادت نصیب ہو جائے۔

انہی مقدس نفوس میں سے موسیٰ علیہ السلام کے دور کی وہ بڑھیا بھی تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں طویل لمحات زندگی نصیب فرمائے، زندگی کی سانسیں طویل کر دیں اور انہوں نے وہ لمحات غنیمت سمجھے اور یونہی ضائع کرنے کے بجائے فکر آخرت میں صرف کیے۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کا پتہ پوچھا تاکہ جب وہ بنی اسرائیل کے ہمراہ مصر سے جائیں تو یوسف علیہ السلام کے مقدس جسم اطہر کو بھی ساتھ لے جائیں۔ بڑھیا نے انکار کر دیا اور کہا کہ صرف اس شرط پر بتائے گی کہ موسیٰ علیہ السلام یہ وعدہ کریں کہ وہ جنت میں اس بڑھیا کو اپنی معیت نصیب فرمائیں گے۔ اللہ نے ان کی اس خواہش اور طلب کو پورا فرمایا۔ بلند ہمت لوگوں کی نگاہ ایسی ہی بلند منازل پر ہوتی ہے۔ انہی بلند ہمت انسانوں میں رسول کریم علیہ السلام کے عظیم صحابہؓ بھی تھے جی ہاں...... یہ عکاشہ بن محصنؓ ہیں...... جو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر جی جان سے مچل جاتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا...... نوع انسانی کے ستر ہزار پاک باز انسان ایسے ہوں گے جنہیں رحمتِ حق سے بلا حساب و کتاب جنت کا پروانہ عطا ہوگا۔ ان کے روشن چہرے چودھویں کے چاند کی مانند دمکتے ہوں گے، اور ہر قسم کے فضلات سے محفوظ ہوں گے...... صحابہؓ نے فرمانِ رسولؐ سنا...... طبیعت مچلی۔ عکاشہؓ کھڑے ہوئے...... عرض کیا یا رسول اللہ! دعا کر دیجئے میں بھی انہی میں سے ہو جاؤں...... نبیؐ نے دعا کی اور بشارت دی کہ تم انہی میں سے ہو۔ یہی ہیں وہ لوگ جن کے بارے میں اقبال نے کہا۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے سخن دانی

نص الحدیث:

رَوى الْحَاكِمْ فِي مُسْتَدْرَكِهِ عَنْ أَبِي مُوسَى: أن رسول الله ﷺ نزل بأعرابي فأكرمه فقال له: (يَا أَعْرَابِي سَلْ حَاجَتَكَ) قَالَ: يَا رَسُولُ الله، نَاقَة بِرَحْلِهَا، وَأَعْنزٌ يَحْلِبُهَا أَهْلِي، قَالَها مَرَّتَيْن .

فَقَالَ لَهُ رسول الله ﷺ: (أَعَجزتَ أَنْ تَكُونَ مِثْلَ عَجُوزِ بَنِي إِسْرَائِيلَ) فَقَالَ أَصْحَابُه: يَا رَسُولُ الله، وَمَا عَجُوزُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ؟

قَالَ: (إِنَّ مُوسَى أَرَادَ أَنْ يَسِيرَ بِبَنِي إِسْرَائِيلَ فَأَضَلَّ عَنْ الطَّرِيقِ، فَقَالَ لَهُ

عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ، نَحْنُ نُحَدِّثُكَ أَنَّ يُوسُفَ أَخَذَ عَلَيْنَا مَوَاثِيقَ اللّٰهِ أَنْ لا نَخْرُجَ مِنْ مِصْرَ حَتّٰى نَنْقُلَ عِظَامَهُ مَعَنَا، قَالَ: وَأَيُّكُمْ يَدْرِي أَيْنَ قَبْرُ يُوسُفَ ؟

قَالُوا: مَا نَدْرِي أَيْنَ قَبْرُ يُوسُفَ إِلا عَجُوزُ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَقَالَ: دُلِّينِي عَلَى قَبْرِ يُوسُفَ . فَقَالَتْ: لا وَاللّٰهِ لا أَفْعَلُ حَتّٰى أَكُونَ مَعَكَ فِي الْجَنَّةِ) قَالَ: (وَكَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ مَا قَالَتْ فَقِيلَ لَهُ: أَعْطِهَا حُكْمَهَا فَأَعْطَاهَا حُكْمَهَا فَأَتَتْ بُحَيْرَةً فَقَالَتْ: انْضُبُوا هٰذَا الْمَاءَ فَلَمَّا نَضَبُوهُ قَالَتْ: احْفِرُوا هٰهُنَا، فَلَمَّا حَفَرُوا إِذَا عِظَامُ يُوسُفَ، فَلَمَّا أَقَلُّوهَا مِنَ الأَرْضِ فَإِذَا الطَّرِيقُ مِثْلَ ضَوْءِ النَّهَارِ) .

ترجمۃ الحدیث :

حاکم نے مستدرک میں روایت تخریج کی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار ایک دیہاتی کے ہاں فروکش ہوئے۔ اس نے آپ ﷺ کا بہت بہت اکرام کیا۔ آپ ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا:

"اے اعرابی! اپنی حاجت مانگ"۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! ایک اونٹنی کجاوہ کے ساتھ اور چند بھیڑ بکریاں جن کا دودھ میرے گھر والے دوھ لیا کریں۔ اس نے دو مرتبہ یہ بات کہی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ: تجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ بنو اسرائیل کی بڑھیا جیسا ہی ہو جاتا؟

صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! بنو اسرائیل کی بڑھیا کا کیا قصہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ بنو اسرائیل کو لے کر چلیں، لیکن راستہ بھٹک گئے، تو بنو اسرائیل کے بڑھے لگے لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو بتلاتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے ہم سے (ہمارے آباؤ اجداد سے) اللہ کے نام پر یہ عہد لے رکھا تھا کہ ہم مصر سے نہیں نکلیں گے یہاں تک کہ انکی (یوسف علیہ السلام کی) قبر سے انکی ہڈیاں اپنے ساتھ نہ لیجائیں (اور ہم نے ابھی تک ان کی ہڈیاں نہیں لیں تو شاید اسی عہد کی عدمِ تکمیل کی بناء پر ہم راستہ بھٹک گئے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ: تم میں سے کون جانتا ہے کہ یوسفؑ کی قبر کہاں ہے؟

وہ کہنے لگے کہ: بنی اسرائیل کی ایک بڑھیا کے علاوہ ان کی قبر کوئی نہیں جانتا، موسیٰ علیہ السلام نے اسکے پاس کسی کو بھیجا اور اسے بلوایا اور اسے کہا کہ یوسف علیہ السلام کی قبر کی طرف ہماری رہنمائی کرو۔

وہ بڑھیا کہنے لگی کہ: نہیں اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گی یہاں تک کہ (آپ وعدہ کریں کہ) میں جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گی۔

حضرت موسیٰؑ کو اس کی یہ بات پسند نہ آئی، لیکن آپؑ سے (بذریعہ وحی) کہا گیا کہ اسے اسکا فیصلہ دے دیں، چنانچہ آپؑ نے اس بات کا قول دے دیا۔

پھر وہ بڑھیا ایک چھوٹے سے تالاب پر آئی اور کہنے لگی کہ: اس پانی کو نکالو، جب پانی نکال لیا گیا تو وہ کہنے لگی یہاں کھدائی کرو، جب کھدائی کی تو حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں وہاں ملیں، چنانچہ جب انہیں لے کر زمین پر چلے تو راستہ ان کے لئے دن کی روشنی کی طرح واضح ہو گیا''۔

تخریج الحدیث:

اخرجه، الحاكم فى المستدرك على الصحيحين۔ ۲/ ۶۲۴۔

وقال: هٰذا حديثٌ صحيح الإسناد ولم يخرجاه۔

تشریح الحدیث

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ قصہ کیوں بیان فرمایا؟ اس کی وجہ حدیث کی ابتدا میں ہی واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض صحابہ کرامؓ کے ہمراہ کسی سفر میں ایک دیہاتی شخص کے یہاں فروکش ہوئے، اس دیہاتی نے آپؐ کی خوب خاطر کی، اور بڑا اکرام کیا، رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ ''جزاء الإحسان بالإحسان'' پر عمل فرماتے تھے یعنی کسی کے حسنِ سلوک کا بدلہ اس سے زیادہ حسن سلوک کے ساتھ دیتے۔ چنانچہ آپؐ نے اس سے کہا کہ اگر کوئی حاجت ہو تو مانگو۔

وہ دیہاتی نہ صاحبِ فہم تھا نہ اس کی عقل و دانش کی پرواز اونچی تھی، اس کی فکر کی جولان گاہ صرف پیٹ و بدن تھی، اسے اس بات کا ادراک نہ تھا کہ بڑوں سے جب مانگا جاتا ہے تو ان کی شان کے مطابق مانگا جاتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق نہیں۔ شہِ عرب و عجمؐ سے غمِ روزگار کا مسئلہ حل کرانا بڑی چھوٹی بات تھی لیکن اس نے اپنے طائرِ فکر کی پرواز کے مطابق مانگا تو کیا مانگا؟ سواری کے لئے زین کے ساتھ ایک اونٹنی اور چند مویشی کہ گھر والے دودھ دوہتے رہیں اور معاش کا مسئلہ حل ہو جائے۔

نبی ﷺ کو اس کی یہ خواہش ناگوار گذری اور آپؐ نے اسے بہت چھوٹا جانا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ: اس سے تو اتنا نہ ہو سکا کہ بنو اسرائیل کی بڑھیا کی طرح ہی ہو جاتا اور نبی سے اس کی شان کے مطابق مانگتا۔

صحابہؓ نے فوراً پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ بنو اسرائیل کی بڑھیا کا کیا واقعہ ہے؟ جواب میں زبانِ رسالتؐ نے یہ واقعہ سنایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے چلے فرعون کے غرق ہونے کے بعد تو راستہ بھٹک گئے اور حیران و سرگرداں صحراؤں میں بھٹکتے پھرے، قوم کے اندر جو علماء اور

پڑھے لکھے لوگ تھے انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا ہم کو یہ بات معلوم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ہمارے بڑوں سے 'اللہ کے نام پر یہ عہد لیا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں مصر سے ہجرت کا موقع عطا کریں تو وہ اپنے ساتھ ان کی قبر میں سے انکی ہڈیاں نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں تو ہمارا راہ گم کرنا شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی بات کا اشارہ ہو کہ ہم اپنے بڑوں کے کیئے ہوئے اس عہد کو پورا کریں۔

حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہ تم میں سے یوسف علیہ السلام کی قبر کون جانتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ تو ہم میں سے کسی کو نہیں معلوم سوائے ایک بوڑھی عورت کے۔ حضرت موسیٰؑ نے اسے بلوایا اور اس سے کہا کہ: "مجھے بتاؤ یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟

اس عورت نے یہ سوچا کہ یہ موقع ہے اللہ کے نبی سے اپنے خواہش پوری کروانے کا۔ چنانچہ کہنے لگی کہ میں اس شرط پر یہ بتاؤں گی کہ پہلے آپ وعدہ کریں کہ مجھے جنت میں آپ کی معیت نصیب ہو گی۔ اس بڑھیا کی پروازِ فکر بہت اونچی تھی' اس نے نبی سے ان کی شان کے مطابق سوال کیا۔

حضرت موسیٰؑ کو اس کا یہ سوال ناگوار ہوا کہ اتنی بڑی بات کہہ رہی ہے اور ایسی چیز مانگ رہی ہے جس کا دینا نہ دینا ان کے اختیار میں نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی انہیں حکم فرمایا کہ بڑھیا کی بات مان لو۔ چنانچہ انہوں نے وعدہ کر لیا۔ تب جا کر اس نے بتایا کہ یوسف علیہ السلام کی قبر کہاں ہے۔

وہ پانی کے ایک تالاب پر انہیں لے کر گئی اور کہا کہ یہ پانی نکالو پھر یہاں کھدائی کرو۔ جب ایسا کیا گیا تو وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈیاں بر آمد ہوئیں۔ چنانچہ جب انہیں لے کر دوبارہ عازمِ سفر ہوئے تو راستہ دن کی روشنی کی طرح واضح ہو گیا۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ انسان کو بلند مقامات اور مراتبِ علیا کی طلب کرنی چاہئے اور اس میں رغبت رکھنی چاہئے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

تجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ بنو اسرائیل کی بڑھیا کی طرح ہو جاتا" (اور دنیوی فائدہ کے بجائے اخروی درجات کی طلب کرتا)۔

۲۔ اس حدیث سے بنو اسرائیل سے متعلق کئی اہم باتیں اور معلومات حاصل ہوئیں۔

سب سے پہلی بات تو حضرت یوسف علیہ السلام کا عہد و میثاق جو انہوں نے بنو اسرائیل سے لیا تھا۔ قرآن کریم میں اس عہد و میثاق کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ تورات کے بعض نسخوں میں متفرق انداز میں اس عہد و میثاق کا ذکر ہمیں ملتا ہے۔

چنانچہ "سفر تکوین' اصحاح ۵۰ کے فقرہ ۲۵ میں ہے کہ:

"(یوسفؑ) نے حلف لیا بنی اسرائیل سے یہ کہتے ہوئے: اللہ تمہیں گم کردے گا' پھر تم میری ہڈیوں کو یہاں سے اٹھالے جانا"۔

اصحاح کی سفر خروج ۱۳ میں فقرہ ۱۱ میں ہے کہ:

"موسیٰؑ نے یوسفؑ کی ہڈیاں اپنے ساتھ لے لیں (جب کہ وہ مصر سے نکل رہے تھے) اسلئے کہ وہ (یوسف) بنی اسرائیل سے حلف لے چکے تھے یہ کہہ کر کہ: اللہ تمہیں گم کردے گا پس تم میری ہڈیاں یہاں سے اپنے ہمراہ اٹھالے جاؤ گے"۔

بہر کیف! آنحضرت ﷺ نے اس عہد و میثاق کا تذکرہ فرمایا اور تورات کے بعض جزوی واقعات کی تصحیح و تصدیق فرمائی۔

اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ رب العالمین نے یوسف علیہ السلام کی قبر کو حفاظت کے لئے پانی میں چھپادیا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی بندوں کو تنبیہ فرماتے ہیں بعض رکاوٹوں یا مشکلات کے ذریعہ جب کہ وہ اللہ کے اوامر کے نفاذ میں کوتاہی یا سستی کریں۔ جیسا کہ بنو اسرائیل کو گم کردہ راہ کردیا اور راستہ سے بھٹکادیا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے حکم کو پورا نہیں کیا تھا اور یوسف علیہ السلام کے عہد کی تکمیل نہیں کی تھی۔ تو گویا راہ سے بھٹکنا ایک طرح سے تنبیہ الٰہی تھی۔

۴۔ حدیث سے ایک اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ سابقہ امتیں اگر اپنے نبی سے کوئی عہد کریں بعد کے زمانہ کیلئے تو بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے انہیں پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے جیسے کہ یوسف علیہ السلام کا معاہدہ اور میثاق اپنے زمانہ کے اسرائیلیوں سے ہوا تھا لیکن بعد کے لوگوں کیلئے لازم قرار پایا۔ اسی طرح رسول مکرم ﷺ نے اپنے زمانہ میں صحابہ کرامؓ سے بہت سے معاملات پر بیعت لی اور ان سے عہد لیا۔ اس عہد کو پورا کرنا جس طرح صحابہؓ کی ذمہ داری تھی اسی طرح بعد میں آنے والوں کیلئے بھی لازم ہے۔

گیارھواں قصہ ﴿۱۱﴾

سامری...... بچھڑے کا پجاری

تمہید

جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تو پیچھے سامری نے ایک بچھڑا بنایا جو سونے کے زیورات سے تیار کیا تھا۔ بعد ازاں اس میں وہ مٹی جو جبرئیلؑ کے گھوڑے کے سُم کے نیچے کی تھی ڈال دی جس سے اس میں روح پیدا ہو گئی، قوم نے پوجا شروع کر دی، قرآن کریم نے اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے کہیں اشارتاً اور کہیں کچھ جزئیات بھی بیان کی ہیں، یہ حدیث اس واقعہ کی بعض دیگر جزئیات و تفصیلات سے ہمیں مطلع کرتی ہے۔

نص الحدیث:

روى الحاكم في مستدركه عن علي رضي الله عنه قال: « لَمَّا تَعَجَّلَ مُوسَى إِلى رَبِّه عَمِدَ السَّامِرِيُّ فَجَمَعَ مَا قَدِرَ عَلَيْهِ مِنَ الحُلِيِّ: حُلِّي بَنِي إِسْرائِيلَ، فَضَرَبَهُ عِجْلاً، ثم أَلْقَى القَبْضَةَ فِي جَوْفِهِ فَإِذا هُوَ عِجْلٌ لَهُ خِوَار، فَقَالَ لَهُمُ السَّامِرِيُّ، هَذَا إِلهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى، فَقَالَ لَهُم هَارُونُ: يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْداً حَسَناً ؟ فَلَمَا أَنْ رَجَعَ مُوسَى إِلى بَني إِسْرائِيلَ، وَقَدْ أَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ، أَخَذَ بِرأْسِ أَخِيهِ، فَقَالَ لَهُ هَارُونُ: مَا قَالَ . فَقَالَ مُوسَى للسامِري: مَا خَطْبُكَ ؟ قَالَ السَّامِرِيُّ: قَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ أَثَرِ الرَّسولِ فَنَبَذْتها وَكَذلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي .

قَالَ: فَعَمَدَ مُوسَى إِلى الْعِجْلِ فَوَضَعَ عَلَيه الْمَبارِدَ فَبَرَدَهُ بِهَا، وَهُوَ عَلى شَفَى نَهْر، فَمَا شَرِبَ أَحَدٌ مِنْ ذلِكَ الْماءِ مِمَّنْ كَانَ يَعْبُدِ ذَلِكَ الْعِجْلَ إِلا اصفَرَّ وَجْهُهُ مِثْلَ الذَهَبِ، فَقَالُوا لِمُوسَى: مَا تَوْبَتُنَا ؟ قَالَ: يَقْتلُ بَعْضُكُمْ بَعْضاً، فَأَخَذُوا السَّكاكِينَ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَقْتلُ أَبَاهُ وَأَخَاهُ وَلا يُبَالِي مَنْ قَتلَ حَتَّى قُتِلَ مِنْهُمْ سَبْعُونَ أَلْفاً، فَأَوْحى اللهُ إِلى مُوسَى مُرْهُمْ فَلْيَرْفَعُوا أَيْدِيَهُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لِمَنْ قُتِلَ، وَتُبْتُ عَلى مَنْ بَقِيَ » .

فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ، فَجَاءَتْ يَعْنِي النَّارَ لِتَأْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا، فَقَالَ: إِنَّ فِيكُمْ غُلُولا، فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ: فِيكُمُ الْغُلُولُ.

فَلْيُبَايِعْنِي قَبِيلَتُكَ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلاثَةٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ: فِيكُمُ الْغُلُولُ، فَجَاءُوا بِرَأْسٍ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ، فَوَضَعُوهَا فَجَاءَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهَا، ثُمَّ أَحَلَّ اللهُ لَنَا

الْغَنَائِمَ، رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا، فَأَحَلَّهَا لَنَا).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ:

"جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے تو سامری (جو ایک جادوگر تھا) نے ارادہ کیا (بچھڑا بنانے کا) اور جس قدر ممکن ہو سکا زیورات جمع کر لئے جو بنی اسرائیل کے تھے' پھر ان زیورات کو ایک بچھڑے کی شکل میں ڈھال لیا' پھر اس کے پیٹ میں ایک مٹھی مٹی ڈالدی تو وہ ایک زندہ آواز والا بچھڑا بن گیا' پھر سامری نے بنو اسرائیل سے کہا کہ

"یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی"

تو حضرت ہارونؑ نے فرمایا:

"اے قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کر رکھا"۔ پھر جب موسیٰؑ بنی اسرائیل کی طرف اس حال میں واپس لوٹے کہ سامری ان کو گمراہ کر چکا تھا تو (مارے غصہ کے) انہوں نے اپنے بھائی (ہارونؑ) کے سر (کے بال) پکڑ لئے' ہارونؑ نے ان سے کہا جو کہا۔ پھر موسیٰؑ نے سامری سے کہا کہ تیرا کیا معاملہ ہے؟ (آخر تو نے کس طرح یہ زندہ آواز والا بچھڑا بنا کر قوم کو اس کی پوجا میں لگا دیا) اس نے کہا کہ: میں نے رسول (حضرت جبرئیلؑ) کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھالی تھی اور اسے میں نے اس بچھڑے کے قلب میں ڈال دیا اور میرے دل کو یہی بات اچھی لگی۔

موسیٰؑ اس بچھڑے کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے اوپر ایک رندا رکھ کر اسے چھیل دیا اور وہ اس وقت نہر کے کنارے پر تھے (اس کی چھیلن ساری پانی میں گئی) چنانچہ بچھڑے کے پجاریوں میں سے جس نے بھی اس نہر کا پانی پیا تو اس کا چہرہ سونے کی طرح پیلا ہو گیا' اب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہماری توبہ کیا ہے؟

موسیٰؑ نے فرمایا کہ: تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو۔ چنانچہ انہوں نے چھریاں اٹھائیں اور کسی نے اپنے باپ' بھائی کو قتل کرنا شروع کر دیا اور کسی کو یہ پروانہ تھی کہ کس نے کس کو قتل کیا ہے؟ یہاں تک کہ ان میں سے ستر ہزار افراد قتل ہوئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم فرمایا کہ انہیں حکم دیں کہ ہاتھ اٹھالیں' پس جو لوگ قتل کر دیئے گئے میں نے انکی مغفرت کر دی اور جو باقی رہ گئے انکی توبہ قبول کر لی"۔

تخریج الحدیث:۔

أخرجه الحاكم في المستدرك ۲/ ۴۱۲۔

كتاب التفسير۔ وقال:هذا حديثٌ صحيحٌ علىٰ شرط الشيخين ولم يخرجاهُ۔ ووافقه الذهبی۔

تشریح الحدیث

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنو اسرائیل کے ہمراہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد کوہِ طور پر جانے کے لئے نکلے تو خود جلدی آگے چلے گئے اور قوم کو کہا کہ آہستہ آہستہ آئیں اور میں آگے جا کر عبادت وغیرہ میں مشغول ہوتا ہوں۔ پیچھے ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر دیا۔ ان کے جانے کے بعد سامری نے قوم کو گمراہ کرنے کا ارادہ کیا۔

یہ سامری سامرہ قوم کا فرد تھا جو ملکِ شام کا معروف قبیلہ تھا' بعض نے کہا کہ یہ آلِ فرعون کا قبطی آدمی تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے پڑوس میں رہتا تھا' موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور انہی کے ساتھ نکل پڑا۔

حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی قوم کا فرد تھا جو گائے کی پرستش کرتی تھی' یہ کسی طرح مصر پہنچ گیا اور بہ ظاہر دینِ بنی اسرائیل میں داخل ہو گیا مگر اس کے دل میں نفاق تھا (قرطبی) حاشیہ قرطبی میں ہے کہ یہ شخص ہندوستان کا ہندو تھا جو گائے کی عبادت کرتے ہیں اور گاؤ ماتا کے پجاری ہیں۔

ابنِ جریر نے ابنِ عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ...... مشہور یہ ہے کہ اس کا نام "موسیٰ بن ظفر" تھا جب یہ پیدا ہوا تو یہ وہ زمانہ تھا جب فرعون کی طرف سے تمام اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا حکم تھا۔ اس کی ماں کو خوف ہوا کہ فرعونی سپاہی اس کو قتل کر دیں گے تو بچہ کو اپنے سامنے قتل ہونے کی مصیبت سے یہ بہتر سمجھا کہ اس کو جنگل میں ایک غار کے اندر رکھ کر اوپر سے اس کو بند کر دیا (کبھی کبھی اس کی خبر گیری کر لیا کرتی ہوگی) اُدھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امینؑ کو اس کی حفاظت اور غذا دینے پر مامور کر دیا۔ وہ اپنی ایک انگلی پر شہد' ایک پر مکھن اور ایک پر دودھ لاتے اور اس بچہ کو چٹا دیتے' یوں رفتہ رفتہ وہ جوان ہو گیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ خود بھی کفر میں مبتلا ہوا اور بنی اسرائیل کو بھی مبتلائے کفر کیا اور بالآخر قہرِ الٰہی میں گرفتار ہوا۔ (روح المعانی بحوالہ معارف القرآن ۱۳۵/۶)

اسی لئے کسی شاعر نے یہ عجیب شعر کہا کہ ؎

فموسی الّذی ربّاہُ جبریل کافر' و موسی الّذی ربّاہُ فرعون مرسل'

وہ موسیٰ (بن ظفر سامری) جس کی تربیت و پرورش جبرئیلؑ نے کی وہ تو کافر ہوا اور وہ موسیٰ (علیہ السلام) جس کی پرورش فرعون نے کی رسول و پیغمبر ہوا۔

بہر کیف! اس نے حضرت موسیٰؑ کے جانے کے بعد یہ حرکت کی کہ قوم کے زیورات جو ایک گڑھے میں ڈلوا دیئے گئے تھے' جمع کئے اور ایک مٹھی مٹی ان میں ڈالی۔ یہ مٹی وہ تھی جو حضرت جبرئیلؑ کے نقشِ قدم کی تھی' سامری نے ایک بار دیکھا کہ حضرت جبرئیلؑ گھوڑے

پر سوار حضرت موسیٰؑ کے پاس آئے اس نے دیکھا کہ جہاں جہاں ان کے قدم پڑ رہے ہیں وہاں وہاں فوراً روئیدگی اور سبزہ اگنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ سمجھ گیا کہ اس مٹی میں یہ خاصیت ہیکہ جہاں جبرئیل امینؑ کے قدم پڑیں وہاں آثارِ حیات اور زندگی ہو جاتی ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ جب دریائے قلزم میں بنی اسرائیل کے لئے راستے بنے اور وہ دریا پار کر گئے تو وہاں حضرت جبرئیلؑ موجود تھے اور یہ سامری انہیں پہچانتا تھا کیونکہ اس کی پرورش انہوں نے ہی کی تھی۔

ایک روایت یہ ہے کہ اس کے دل میں یہ بات شیطان نے ڈالی کہ جبرئیلؑ کے قدم میں حیات کی تاثیر ہے' چنانچہ اس نے ایک مٹھی مٹی وہاں سے اٹھالی تھی۔ وہ مٹی اس نے ان زیورات میں ڈالی تو وہ ایک زندہ بچھڑا جس میں سے گانے کی آواز آرہی تھی پیدا ہو گیا اب سامری نے قوم سے یہ کہا کہ موسیٰؑ تو گئے اب پتہ نہیں آئیں گے یا نہیں۔ تمہارا خدا تو یہ بچھڑا ہے اور یہی موسیٰؑ کا بھی خدا ہے (نعوذ باللہ)

قوم کی اکثریت اس کی بات پر ایمان لے آئی۔ حضرت ہارونؑ نے ان کو بہت روکا مگر وہ ماننے والے کہاں تھے۔

غرض جب حضرت موسیٰؑ طور سے واپس تشریف لائے اور تورات کی تختیاں ہاتھ میں تھیں آکر دیکھا کہ قوم جسے توحید پر چھوڑ کر گئے تھے' گئو سالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی ہے تو شدید غصہ آیا کہ اس قوم پر اللہ نے اتنے انعامات کئے اور فرعون سے نجات دی اس کے باوجود یہ شرک میں مبتلا ہو گئی۔ اسی غصہ کے عالم میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ لئے کہ تم نے انہیں روکا کیوں نہیں۔ اور تمہیں کیا مانع تھا کہ جب قوم شرک کی گمراہی میں مبتلا ہو گئی تو تم نے میری اتباع کیوں نہیں کی؟ تم میرے پاس طور پر کیوں نہیں آگئے؟ ان مشرکوں کے ساتھ رہتے بستے کیوں رہے؟ حضرت ہارونؑ نے جواب میں فرمایا کہ: اے میرے ماں جائے؟ میرا عذر سنیں اور وہ یہ ہے کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ بنو اسرائیل میں تفریق و انتشار پیدا ہو۔ اگر میں موحد اور شرک سے اجتناب کرنے والے لوگوں کے ہمراہ جن کی تعداد بارہ ہزار تھی' آپ کے پاس آجاتا تو بنی اسرائیل میں انتشار اور تفرقہ پیدا ہو جاتا' جب کہ مجھے یہ امید تھی کہ آپکے آنے کے بعد یہ دوبارہ راہِ راست پر آجائیں گے۔

دوسری بات یہ کہ قوم کی اکثریت گمراہ ہو چکی تھی اور بہت کم لوگ میرے ساتھ رہ گئے تھے' اگر میں زیادہ جھگڑا کرتا تو وہ مجھے قتل کر دیتے۔ میں نے انہیں سمجھایا لیکن وہ نہ ماننے اور میرے قتل کے درپے ہو گئے' موسیٰؑ نے یہ عذر سن کر انہیں چھوڑ دیا اور فساد کے اصلی بانی سامری کی خبر لی۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس

نے جواب دیا کہ بات یہ تھی کہ میں نے جبرئیلؑ کے نقشِ قدم میں یہ مشاہدہ کیا کہ جہاں ان کا قدم پڑتا ہے وہاں زمین پر سبزہ اور روئیدگی شروع ہو جاتی ہے جس سے میں نے یہ جانا کہ ان کے نقشِ قدم کی یہ تاثیر ہے لہٰذا میں نے وہ مٹی اٹھالی اور اسے ان زیورات میں ڈال دیا اور یہی میرے دل کی خواہش تھی۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دنیا میں تیری سزا یہ ہے کہ سب لوگ تجھ سے مقاطعہ (سوشل بائیکاٹ) کرلیں اور اسکو یہ حکم بھی دیا کہ کسی کو ہاتھ نہ لگائے اور زندگی بھر وحشی جانوروں کی طرح سب انسانوں سے الگ تھلگ رہے۔

روایات میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعاء سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ اگر یہ کسی کو ہاتھ لگادیتا یا کوئی اس کو ہاتھ سے چھولیتا تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا (کذافی المعالم) اس ڈر سے یہ سب سے الگ تھلگ مارا مارا پھرتا رہتا اور جب کوئی اس کے قریب جاتا تو یہ کہتا کہ ''لا مساس'' مجھے چھوؤمت۔ غرض اسی حالت میں راندۂ درگاہ ہو کر مرا۔ (خلاصہ از تفسیر معارف القرآن ۶ر ۱۴۴)

چند عبرت ونصائح

۱۔ حدیثِ بالا سے سب سے بنیادی سبق اور تعلیم تو یہ حاصل ہوئی کہ انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہمیشہ دین پر استقامت اور ہدایت کی دعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ ہمیشہ ہدایت پر رہے گا، کسی کو ابتدأ ہدایت مل جاتی ہے لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ اس سے یہ نعمت چھین کر ہمیشہ کے لئے محروم فرمادیتے ہیں۔

جیسا کہ سامری کے ساتھ ہوا۔ ابتداء میں اسے بھی ہدایت مل گئی تھی اور وہ موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ ہو گیا تھا لیکن پھر اس سے یہ نعمت چھین لی گئی اور دائمی نقصان و خسارہ میں جا پڑا۔ لہٰذا ہر حال میں اللہ سے عافیت، دین پر استقامت اور نیک اعمال و ہدایت کی توفیق مانگتے رہنا ضروری ہے اور اپنے کسی بھی حال پر مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔

۲۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ پچھلی امتوں کی توبہ کے قبول ہونے کی شرائط بہت سخت تھیں اور بعض اوقات ایک دوسرے کی جان مارنے سے گناہ معاف ہوتے تھے۔ جیسا کہ مذکورہ واقعہ میں ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ ایک دوسرے کو قتل کریں اور تقریباً ستر ہزار افراد قتل ہوئے تب کہیں جاکے ان کی توبہ قبول ہوئی۔

اس اعتبار سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا ہے کہ اس کیلئے کوئی سخت شرط عائد نہیں کی قبولیت توبہ میں اور توبہ کو اتنا آسان فرمادیا کہ جب چاہے جس وقت چاہے جہاں چاہے توبہ کر کے اپنے آپ کو گناہ سے پاک کیا جاسکتا ہے۔ بندہ صدقِ

دل اور قلبی ندامت کے ساتھ حق تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا عزمِ صمیم کرلے اور فی الفور گناہ ترک کردے............ بس بالکل پاک وصاف اور گناہ سے محفوظ ہوگیا۔ اور توبہ قبول ہوگئی ان شاءاللہ۔

۳۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو گناہ گاروں سے اور گناہ گاروں کو نیک بندوں سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے کبھی کوئی ظاہری علامت بھی پیدا کردیتے ہیں جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا۔

چنانچہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی ان کے رنگ اس دریا کا پانی پینے سے بدل گئے اور سب کے چہرے سنہرے رنگ کے ہوگئے جس میں اس بچھڑے کو پیس کر اس کا برادہ بہایا گیا تھا۔

۴۔ عقیدۂ توحید اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم نعمت اور مدارِ ایمان ہے' انسان کو سب سے زیادہ اس عقیدہ کی حفاظت کا اہتمام کرنا چاہئے' کیونکہ اگر اس عقیدہ میں تزلزل پیدا ہوگیا تو انسان کی دنیا و عقبیٰ دونوں خراب ہوجائیں گی' اس لئے کہ حق تعالیٰ کا واضح فرمان ہے کہ وہ شرک کے گناہ کو معاف نہیں فرمائیں گے' لہٰذا ہر اعتبار سے شرک سے بچنا بلکہ اس کے شائبہ اور شبہ سے بھی احتراز کرنا چاہئے۔

بارھواں قصہ ﴿۱۲﴾

جب سورج رک جاتا ہے......

تمہید

قائدینِ لشکر، دشمن کے لشکرِ جرار کا سامنا کر رہے تھے، ایک عظیم الشان لشکر، نگاہوں کے سامنے تھا، وہ دشمن کی کثرتِ تعداد سے پریشان تھے، وہ اسی خام خیالی میں مبتلا تھے کہ فتح وشکست کا مدار لشکریوں کی قلت وکثرت پر ہے۔ جنگوں میں کامیابی کثرت تعداد کی بناء پر ہوتی ہے۔

لیکن اللہ کے برگزیدہ بندے جانتے ہیں کہ کتنی ہی تھوڑی جماعتیں غالب آگئیں بڑی کثیر تعداد والی جماعتوں پر، اللہ کے حکم سے"۔

یہ یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جن کے مقدس ہاتھوں پر اللہ نے ارضِ مقدسہ کو فتح فرمایا انہیں دشمن کی کثرت کی فکر نہیں نہ ہی اپنے لشکر کی تعداد بڑھانے کی فکر دامن گیر ہے انہیں کمیت سے زیادہ کیفیت کی فکر ہے کہ جنگیں کثرتِ تعداد سے نہیں جذبوں سے اور ایمان وایقان کی بنیاد پر جیتی جاتی ہیں، حکم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جن کے قلوب دنیا میں لگے ہوئے ہیں انہیں لشکر سے جدا کر دیا جائے کہ وہ جنگ نہیں لڑ سکتے۔

اس قلیل لشکر کے ساتھ انہوں نے دشمن سے جہاد شروع کیا تو انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ دورانِ جنگ رات نہ آجائے، وہ چاہتے تھے کہ رات آنے سے پہلے پہلے اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمادیں، بارگاہِ الٰہی میں انہوں نے دعا کی سورج کی گردش رک جائے تاکہ دن کی روشنی میں ہی دشمن کو زیر کرلیں...... اور چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ اللہ نے سورج کی گردش روک دی اور انہیں فتح نصیب فرمائی، یہ اللہ کی عظیم نشانی تھی۔

یہ واقعہ بھی صادق المصدوق ﷺ کی پاکیزہ زبان سے سنئے:

نص الحدیث:

روى البخاري ومسلم في صحيحيهما عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: (غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الأَنْبِيَاء، فَقَالَ لِقَوْمِهِ: لا يَتْبَعْنِي رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا، وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا، وَلا أَحَدٌ بَنَى بُيُوتًا، وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوفَهَا، وَلا آخَرٍ اشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ وِلادَهَا، فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلاةَ الْعَصْرِ أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ: إِنَّكِ مَأْمُورَةٌ، وَأَنَا مَأْمُورٌ، اللَّهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا، فَحُبِسَتْ حَتَّى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِم.

فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ، فَجَاءَتْ يَعْنِي النَّارَ لِتَأْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا، فَقَالَ: إِنَّ فِيكُمْ غُلُولا، فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ: فِيكُمُ الْغُلُولُ.

فَلْيُبَايِعْنِي قَبِيلَتُكَ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ: فِيكُمُ الْغُلُولُ، فَجَاءُوا بِرَأْسٍ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ، فَوَضَعُوهَا فَجَاءَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهَا، ثُمَّ أَحَلَّ اللهُ لَنَا الْغَنَائِمَ، رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا، فَأَحَلَّهَا لَنَا).

ترجمۃ الحدیث: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"انبیاءؑ میں سے ایک نبی نے جہاد کیا (جہاد کا ارادہ کیا) تو اپنی قوم سے کہا کہ: وہ شخص میرے ساتھ نہ چلے جس نے حال ہی میں نکاح کیا ہو اور وہ اس کے ساتھ سہاگ رات منانا چاہتا ہو اور ابھی تک اس نے بیوی کے ساتھ رات نہ گزاری ہو۔ اسی طرح وہ بھی میرے ساتھ نہ چلے جس نے گھر بنانا شروع کیا ہو اور ابھی تک اس کی چھتیں نہ اٹھائی ہوں۔ نہ وہ شخص میرے ساتھ چلے جس نے مویشی اور گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور ان کے ہاں بچوں کی پیدائش کا منتظر ہو (کہ ان باتوں میں مشغولیت کی وجہ سے ذہن انہی میں اٹکا رہتا ہے اور جہاد کے لئے جس یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ ناپید ہوتی ہے)۔

پھر انہوں نے جنگ کی اور عصر کی نماز کے وقت یا اسکے قریب قریب وہ اس بستی کے قریب پہنچ گئے جسے فتح کرنا تھا تو انہوں نے سورج سے مخاطب ہو کر کہا کہ:
"بلاشبہ تو بھی (اللہ کے) حکم کا پابند ہے اور میں بھی اسکے حکم کا پابند ہوں۔ اے اللہ! سورج کی گردش ہمارے لئے روک دیجئے"۔

پس اسکی گردش روک دی گئی یہاں تک کہ اللہ نے انہیں فتح عطا فرمادی۔

فتح کے بعد انہوں نے اموالِ غنیمت جمع کئے اور انہیں لے کر (حسبِ روایت) آگ کے قریب آئے تاکہ اس میں ڈال دیں اور وہ اسے کھالے لیکن آگ نے مال نہیں کھایا۔ اس پر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ:

تمہارے درمیان کوئی خائن شخص ہے (جسکی خیانت کی وجہ سے مالِ غنیمت کو آگ قبول نہیں کر رہی) لہٰذا ہر قبیلہ کا ایک فرد میرے ہاتھ پر بیعت کرے' پھر (جب بیعت ہوئی تو) جس قبیلہ کے آدمی نے خیانت کی تھی اسکے نمائندہ نے جب نبی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا تو نبی نے فرمایا کہ: تمہارے اندر ہی خیانت ہے لہٰذا تمہارا پورا قبیلہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے' پھر دو یا تین آدمیوں سے ہی ہاتھ ملایا تھا کہ فرمایا تمہارے اندر ہی خیانت ہے۔

چنانچہ وہ لوگ گائے کے سر کے برابر سونا لے کر آئے (جو انہوں نے چھپالیا تھا) اور اسے رکھ دیا پھر آسمان سے ایک آگ آئی اور اس نے سارا مالِ غنیمت کھالیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے (امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کیلئے مالِ غنیمت حلال فرمادیا

اللہ نے ہمارے ضعف اور کمزوری و عجز کو دیکھا تو غنیمت کا مال ہمارے لئے حلال قرار فرمادیا"۔

تخریج الحدیث:۔

رواہ البخاری/ کتاب فرض الخمس۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم" أحلّت لکم الغنائم ۲۲۰/۶۔

رواہ مسلم/کتاب الجہاد والسیَر۔ باب تحلیل الغنائم۔ ۴۰۹/۱۲۔

شرح النووی علیٰ مسلم

تشریح الحدیث

رسول کریم ﷺ نے اس حدیث میں حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ یہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں نبی ہوئے تھے۔ اور بعض روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سفر میں جو حضرت خضرؑ کی تلاش میں ہوا اور پھر ان سے ملاقات ہوئی تو قرآن کریم میں ان کے ساتھ ایک نوجوان کا ذکر ہے۔ بعض روایات کے مطابق وہ نوجوان حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہی تھے۔

یہاں انکے ایک جہاد کا تذکرہ ہے اس جہاد کیلئے روانہ ہونے سے قبل حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے قوم سے یہ کہا کہ میرے ساتھ تین طرح کے افراد شامل نہ ہوں۔ ایک تو وہ جس نے نکاح کیا ہو اور ابھی بیوی سے خلوت نہ ہوئی ہو، دوسرے وہ جس نے گھر بنانا شروع کیا ہو اور ابھی اسکی چھتیں نہ اٹھائی ہوں اور تیسرے وہ شخص جس نے مویشی اور حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں اور ان کے ہاں ولادت کا منتظر ہو۔

اور وجہ ان تین قسم کے افراد کو منع کرنے کی یہ تھی کہ ایسے افراد جہاد میں پوری طرح ذہنی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ شامل نہیں ہو سکتے۔ کہ یہ تینوں باتیں انسانی زندگی میں کبھی کبھار بلکہ عموماً ایک بار ہی آتی ہیں اور انہی پر انسان کی زندگی کا مدار ہوتا ہے۔ بیوی، گھر اور مال مویشی جو اس زمانہ کے اعتبار سے بنیادی ضرورت اور معاش کا لازمی جز تھے۔ تو اگر ذہن ان میں اٹکا ہوا ہو تو جہاد جیسے عظیم فریضہ کی صحیح ادائیگی ممکن نہ ہوگی کہ وہ تو جان کی بازی لگانے کا میدان ہے اور وہ شخص کیا جہاد کرے گا اور جان کی بازی لگائے گا جس کا دل کہیں اور اٹکا ہوا ہو۔ تو اس بناء پر حضرت یوشعؑ نے ان تین طرح کے افراد کو اپنے لشکر میں شامل کرنے سے منع فرمادیا۔

اس کے بعد جب جہاد شروع ہوا تو لڑتے لڑتے عصر کا وقت آگیا۔ اب ایک طرف تو صورتحال یہ تھی کہ جنگ کا بازار گرم ہے اور ذرا سی محنت سے فتح سے ہمکنار ہو سکتے ہیں اور ذرا سی بے توجہی شکست سے دوچار کر سکتی ہے، دوسری جانب عصر کی نماز کی ادائیگی کا مسئلہ تھا۔

حضرت یوشعؑ چاہتے تھے کہ شام ہونے اور اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے فتح ہو جائے لیکن اس کے

لئے مسلسل لڑنا ضروری تھا' اور اس صورت میں نماز کا ضائع ہونا یقینی تھا۔ لہٰذا انہوں نے پہلے تو سورج کو خطاب کر کے فرمایا کہ: "تو بھی مامور ہے اور ہم بھی مامور ہیں" (یعنی تو بھی اللہ کے حکم کا پابند ہے کہ اپنی مقرر کردہ حرکت پر گردش کرے اور ہم اپنی جگہ مامور ہیں اس بات کے کہ جہاد کریں اور نماز بھی اپنے وقت پر پڑھیں) پھر دعا فرمائی کہ:

"اے اللہ! اس سورج کی گردش کو روک دیجئے"۔

نبی کی دعا اور مصرفِ کارزار نبی کی دعا تھی' قبول کیوں نہ ہوتی' چشمِ فلک نے یہ نظارہ دیکھا کہ گردشِ آفتاب رک گئی اور یوشع بن نون علیہ السلام پوری دلجمعی کے ساتھ جہاد فرماتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح و نصرت سے نوازا۔

فتح کے بعد دستور کے مطابق جو مالِ غنیمت تھا جمع کیا گیا' سابقہ امتوں اور شریعتوں میں دستور یہ تھا کہ فتح کے بعد جو بھی مالِ غنیمت حاصل ہوتا وہ مجاہدین اور ان لوگوں کے لئے حلال نہ ہوتا تھا بلکہ اس سب کو راہِ خدا میں صَرف کر دیا جانا ضروری تھا۔

اس زمانہ میں طریقہ یہ تھا کہ جس کسی کو کوئی مال راہِ خدا میں خرچ کرنا ہوتا تھا تو وہ مال جمع کر کے پہاڑ پر رکھ آتا تھا' آسمان سے ایک آگ آتی تھی جو اس مال کو جلا کر ختم کر دیتی تھی' یہ اس صدقہ کی قبولیت کی علامت تھی۔ اگر آگ نہ آتی یا اس کو جلا کر خاک نہ کرتی تو مطلب یہ ہوتا کہ اس کا صدقہ وغیرہ قبولیت کا مقام حاصل نہیں کر سکا۔

چنانچہ دستور کے مطابق یوشع بن نون علیہ السلام نے سارا مالِ غنیمت اکٹھا کیا تاکہ اسے رکھ دیں اور آگ جلا کر ختم کر دے۔ آسمان سے ایک آگ آئی لیکن اس نے مال کو کھایا نہیں (جلایا نہیں) یوشع علیہ السلام نے فرمایا کہ: یقیناً تم میں سے کسی نے کوئی خیانت کی ہے جس کی وجہ سے آگ نے یہ مال نہیں کھایا' لہٰذا اس خیانت کی تحقیق کا راستہ یہ ہے کہ تم میں سے ہر قبیلہ کا ایک نمائندہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے۔ سب نے بیعت کی تو جس قبیلہ کے فرد نے خیانت کی تھی اس کے نمائندہ نے بیعت کے لئے اپنا ہاتھ حضرت یوشعؑ کے ہاتھ میں دیا تو انہوں نے فوراً فرمایا کہ: "خیانت تمہارے اندر ہی ہے' لہٰذا تمہارے قبیلہ کا ہر فرد مجھ سے بیعت کرے۔ ابھی دو یا تین افراد نے ہی بیعت کی تھی کہ فرمایا: تمہارے اندر ہی خیانت ہے"۔

چنانچہ انہیں اقرار کرتے بن پڑی اور وہ گائے کے سر کے برابر سونا لیکر آئے جو انہوں نے چھپا لیا تھا پھر اسے بھی مالِ غنیمت میں رکھا گیا اور پھر آسمانی آگ نے اسے کھایا۔

پچھلی شریعتوں میں یہی حکم رہا کہ یہاں تک کہ پھر اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے مالِ غنیمت کو حلال فرما دیا اور حکم آیا کہ مالِ غنیمت کا خُمس (پانچواں حصہ) تو اللہ اور

اس کے رسولؐ کا ہے۔ بیت المال کا ہے۔ (جس سے غریب لوگوں' فقراء' یتامٰی اور مساکین کی ضرورت پوری کی جائے)اور باقی سب غازیوں اور شہداء کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا۔

چند عبرت ونصائح

اس حدیث اور اس میں بیان کردہ واقعہ سے یہ اہم فوائد حاصل ہوئے:

۱۔ حضرت یوشع علیہ السلام کا جہاد اور قتال کے لئے نکلنا یہ بتلاتا ہے کہ قتال اور جہاد پچھلی امتوں اور سابقہ شرائع میں بھی مشروع اور جاری تھا صرف امتِ محمدیہؐ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد و قتال اللہ ربّ العزت کا پسندیدہ ترین عمل ہے جبھی اس کو ہر دور اور زمانہ میں جاری رکھا' اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ جہاد درحقیقت اللہ ربّ العالمین کی حاکمیت اور اس کے کلمہ کی سربلندی و تحفظ کا دوسرا نام ہے اور اسی کی برکت سے اللہ ربّ العالمین مجاہدین کو اور اہلِ اسلام کو جن برکتوں سے نوازتے ہیں ان کا بغیر جہاد کے تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے حضرت موسٰی علیہ السلام کی قیادت میں ملکِ شام میں آباد عمالقہ سے جہاد سے انکار کیا اور کہا کہ:

یا موسٰی إنّا لن ندخلَها أبداً ما داموا فیها (المائدہ)

کہ اے موسٰی! ہم اس شہر میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ (دشمن) اس میں موجود ہے۔

اور کہا کہ: فاذهب أنتَ وربُّك فقاتِلا إنّا هٰهنا قاعِدون (المائدہ)

کہ آپ اور آپ کا رب جایئے اور قتال کیجئے ہم تو یہاں پر بیٹھے ہیں"

تو اللہ تعالٰی کی طرف سے بطورِ سزا ان پر یہ عذاب مسلط کیا گیا کہ:

فإنّها محرَّمةٌ علیهم أربعین سنةً یَتیهونَ فی الأرض الآیة (المائدہ)

بلاشبہ وہ (ملک شام) ان کے اوپر حرام ہے چالیس برس تک' اور یہ زمین میں حیران و پریشان پھرتے رہینگے' چنانچہ وہ دن بھر سفر کرتے اور شام ہوتی تو سمجھتے کہ اب منزل قریب آگئی ہے۔ صبح بیدار ہوتے تو

ع ٹھیک اس جگہ کھڑا ہوں جہاں سے چلا تھا میں

کا مصداق بنے ہوتے' اسی لئے اس میدان کو جہاں یہ پھرتے رہے "میدانِ تیہ" کہا جاتا ہے کہ اسکے معنی ہیں حیران و پریشان رہنے کے اور یہ بھی اس میں حیران و پریشان پھرتے رہے' یہ سزا جہاد کو ترک کرنے کیوجہ سے ان پر مسلط ہوئی۔ اعاذنا اللہ من ذالک۔

قرآن کریم میں انبیاءِ سابقین کے متعلق جابجا بتلایا گیا ہے کہ انہوں نے جہاد کیا اور جہاد بالمعنی الاصطلاحی یعنی قتال کیا۔ ارشاد فرمایا:

''وکأیٌ مِنْ نَبِیٍّ قٰتَلَ مَعَہٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ۔ (آل عمران/۱۴۶)

اور کتنے ہی نبی ایسے ہیں کہ انکے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت سے خدا کے طالب۔

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل پر جہاد کی فرضیت کا تذکرہ تفصیلاً فرمایا گیا ہے۔

(دیکھئے البقرہ/۲۴۶ تفسیر معارف القرآن/۱)

اسی طرح سورۂ بقرہ ہی میں طالوت کے جالوت کے ساتھ جہاد کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ غرض! جہاد مومن کی شان اور عزت ہے' اسی میں اللہ نے اہلِ اسلام کی سر بلندی' حفاظت' عزت' برکت اور خیر کثیر رکھی ہے۔ جب بھی مسلمانوں نے اس عظیم فریضہ کا احیاء کیا اسے سینے سے لگایا اللہ نے عزت و سرفرازی نصیب فرمائی اور جب جب جہاں جہاں مسلمان اس کے تارک ہوئے' اقوامِ عالم ان کے اوپر حاوی ہوئیں' دشمن کے دلوں سے ان کا رعب ہٹا لیا گیا۔ ہر طرح کے مادی وسائل اور عیش و عشرت کی فراوانی' شراب و کباب کی ارزانی اور افرادی قوت کی کثرت کے باوجود ذلت و خواری ان کا مقدر رہی کہ یہی سنت اللہ ہے اور یہی تاریخ کا سبق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سنت اللہ پر عمل اور تاریخ سے اس سبق کو حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۲۔ دوسرا فائدہ یہ کہ اہم اور عظیم مقاصد کے لئے جن لوگوں کا انتخاب کیا جائے وہ اس کام کے لئے ہر طرح سے مستعد ہوں اور مکمل ذہنی و قلبی یکسوئی کے ساتھ اس مقصد کے لئے کوشش کر سکیں۔ خصوصاً جہاد جیسے عظیم فریضہ کی ادائیگی بغیر اس کے ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے ایسے افراد کو اپنے لشکر میں شامل ہونے سے منع فرما دیا جو ایسے کاموں میں لگے ہوئے تھے کہ ان کی وجہ سے ذہنی و قلبی یکسوئی جہاد میں انہیں حاصل نہ ہوئی۔

۳۔ اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ایک سالارِ لشکر اور قائد کو ایک کمانڈر کو اپنے فوجیوں اور سپاہیوں کی افتادِ طبع اور مزاج سے واقف رہنا ضروری ہے اور ایسے امور کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے جو اس کی سپاہ کو میدانِ جنگ میں ثابت قدم رکھیں اور وہ پوری مستقل مزاجی کے ساتھ میدان میں ڈٹ جائیں۔ جیسا کہ حضرت یوشع علیہ السلام نے کیا کہ ان افراد کو شامل نہیں کیا جن کی وجہ سے اس بات کا امکان تھا کہ اگر لشکر میں شامل ہوئے تو جنگ کی سختی میں بیوی کی محبت' مال اور گھر کی فکر میں میدان سے پسپائی اختیار کر لیں اور پورے لشکر میں بے ہمتی اور کمزوری پیدا کرنے کا سبب بنیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جہاد کی برکت سے اپنی قدرتِ کاملہ کے حیرت انگیز نظارے مشاہدہ کراتے ہیں جن سے اس کے رسولوں کی تائید اور ان کے کاموں پر اعانت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ جیسے حضرت یوشعؑ کی دعا اور خواہش پر حق تعالیٰ نے گردشِ آفتاب روک دی اور دن کو طویل فرما دیا۔ بلاشبہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کا معجزہ اور جہاد کی عظیم برکت تھی اور اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی میں

ہی عظیم فتح سے سرفراز فرمایا۔

اسی طرح یہ بھی حضرت یوشعؑ کا معجزہ اور جہاد کی برکت تھی کہ مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والوں کو حق تعالیٰ نے ظاہر فرمادیا اور حضرت یوشعؑ اس قبیلہ کے ایک فرد سے ہاتھ ملاتے ہی جان گئے کہ اس قبیلہ کے افراد نے خیانت کی ہے۔

۵۔ امتِ محمدیہ مرحومہ کے لئے اللہ کی اس عظیم رحمت کا اظہار بھی اس حدیث سے ہوتا ہے کہ اللہ نے اس امت کے لئے مالِ غنیمت کا استعمال مباح و حلال فرمادیا اور اس کو مالِ حلال طیّب قرار دیا۔

ممّا غنمتم حلالاً طيّباً۔(الانفال) ''کھاؤ جو کچھ تم غنیمت میں حاصل کرو حلالِ طیّب''

جب کہ سابقہ امتوں کیلئے جہاد کی کلفت مشقت برداشت کرنے کے باوجود مالِ غنیمت کا استعمال جائز نہیں تھا۔

۶۔ خیانت اور خرد برد کرنا اتنا بدترین جرم ہے کہ اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ جہاد جیسے عظیم عمل کا ثواب بھی ضائع کردیتے ہیں خصوصاً جب کہ مالِ غنیمت میں ہو' یوں توخیانت ہر جگہ اور ہر مال میں حرام ہے لیکن مالِ غنیمت میں خیانت کے بدترین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت میں تمام غازیوں' شہداء کے ورثاء اور بیت المال کا حق ہوتا ہے' اور اس میں خیانت کرنا قوم کے ہر فرد کے مال مین خیانت کرنے کے مترادف ہے' اور یہ وجہ سرکاری اموال کے اندر بدرجہ اتم پائی جاتی ہے' لہٰذا جب مالِ غنیمت میں خیانت بدترین جرم ہے تو سرکاری اموال میں خیانت بھی سخت جرم اور گناہِ کبیرہ ہے۔

جو لوگ سرکاری اموال اور سرکاری خزانہ کو ذاتی ضروریات و تعیّشات میں استعمال کرتے ہیں وہ بھی اسی زمرہ میں داخل ہیں اور یقیناً خائن اور بددیانت ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

تیرھواں حصہ :۔﴿۱۳﴾

وفاتِ سیّدنا داوٗد علیہ السلام

تمہید

موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دنیا کی سب سے سچی اور اٹل حقیقت جس کے سامنے بڑے سے بڑا فرعون اور وقت کے بڑے بڑے جابر بے کسی کی تصویر بن جاتے ہیں۔ جو کسی کو نہیں چھوڑتی...... نہ نیک کو نہ بد کو...... نہ نبی کو نہ امتی کو، نہ مالدار کو نہ غریب کو، نہ عالم کو نہ جاہل کو۔

یہ اللہ کے نبی...... رجلِ صالح...... ایک عظیم بادشاہ...... قابلِ اطاعت امیر...... جن پر خوش آوازی و خوش الحانی کی انتہا ہوئی۔ سیدنا داوٗد علیہ السلام ہیں...... جو ایک دوسرے عظیم بادشاہ سیّدنا سلیمان علیہ السلام کے والد گرامی تھے۔ فرشتۂ اجل نے کیسے ان کی روح قبض کی؟ زبانِ نبوت اس واقعہ کی صورت گری کرتی ہے۔

نص الحدیث:

روى الإمام أحمد عن أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: (كَانَ دَاوُدُ النَّبِيُّ فِيهِ غَيْرَةٌ شَدِيدَةٌ، وَكَانَ إِذَا خَرَجَ أُغْلِقَتِ الأَبْوَابُ، فَلَمْ يَدْخُلْ عَلَى أَهْلِهِ أَحَدٌ حَتَّى يَرْجِعَ.

قَالَ: فَخَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ، وَغُلِّقَتِ الدَّارُ، فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ تَطَّلِعُ إِلَى الدَّارِ، فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ وَسَطَ الدَّارِ، فَقَالَتْ لِمَنْ فِي الْبَيْتِ: مِنْ أَيْنَ دَخَلَ هَذَا الرَّجُلُ الدَّارَ، وَالدَّارُ مُغْلَقَةٌ؟ وَاللهِ لَتُفْتَضَحُنَّ بِدَاوُدَ.

فَجَاءَ دَاوُدُ: فَإِذَا الرَّجُلُ قَائِمٌ وَسَطَ الدَّارِ، فَقَالَ لَهُ دَاوُدُ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: أَنَا الَّذِي لا أَهَابُ الْمُلُوكَ، وَلا يَمْتَنِعُ مِنِّي شَيْءٌ. فَقَالَ دَاوُدُ: أَنْتَ وَاللهِ مَلَكُ الْمَوْتِ، فَمَرْحَبًا بِأَمْرِ اللهِ، فَرَمَلَ دَاوُدُ مَكَانَهُ حَيْثُ قُبِضَتْ رُوحُهُ، حَتَّى فَرَغَ مِنْ شَأْنِهِ، وَطَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ.

فَقَالَ سُلَيْمَانُ لِلطَّيْرِ: أَظِلِّي عَلَى دَاوُدَ، فَأَظَلَّتْ عَلَيْهِ الطَّيْرُ، حَتَّى أَظْلَمَتْ عَلَيْهِمَا الأَرْضُ. فَقَالَ لَهَا سُلَيْمَانُ: اقْبِضِي جَنَاحًا جَنَاحًا، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُرِينَا رَسُولُ اللهِ ﷺ كَيْفَ فَعَلَتِ الطَّيْرُ وَقَبَضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَغَلَبَتْ عَلَيْهِ يَوْمَئِذٍ الْمَضْرَحِيَّةُ).

ترجمۃ الحدیث:

امام احمدؒ بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام میں غیرت بہت شدید تھی، جب وہ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو دروازے بند کر کے جاتے تھے چنانچہ ان کی واپسی تک کوئی گھر والوں کے پاس نہ آسکتا تھا۔

فرمایا: ایک روز وہ باہر تشریف لے گئے اور (حسبِ معمول) گھر کو بند کر دیا گیا، ان کی اھلیہ سامنے آئیں اور گھر میں جھانکنے لگیں تو دیکھا کہ ایک آدمی گھر کے بیچوں بیچ کھڑا ہے، تو انہوں نے ان لوگوں سے جو گھر مین تھے کہا کہ:

"یہ شخص گھر میں کہاں سے داخل ہوا؟ جب کہ گھر تو (باہر سے) مقفل اور بند پڑا ہے۔ اللہ کی قسم! یہ داؤد کی تو رسوائی ہوگی۔

پھر حضرت داؤدؑ تشریف لائے تو ایک آدمی گھر کے بیچوں بیچ کھڑا پایا، داؤدؑ نے اس سے کہا کہ تم کون ہو؟ وہ کہنے لگا کہ:

"میں وہ ہوں کہ جو نہ بادشاہوں سے ڈرتا ہوں نہ مجھے کوئی روک سکتا ہے" داؤدؑ نے فرمایا کہ: اللہ کی قسم! تم تو ملک الموت ہو۔ تو تمہیں اللہ کے حکم پر خوش آمدید۔

حضرت داؤدؑ کی اسی جگہ تجہیز ہوئی جہاں ان کی روح قبض کی گئی یہاں تک کہ وہ ان کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو سورج طلوع ہو چکا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام (جو حضرت داؤدؑ کے صاحبزادے تھے) نے پرندوں کو حکم دیا کہ داؤد علیہ السلام پر سایہ فگن ہو جائیں، چنانچہ پرندوں نے ان پر سایہ کر دیا حتی کہ ان دونوں پر زمین اندھیری ہو گئی۔ سلیمان علیہ السلام نے پرندہ سے کہا کہ ایک ایک بازو یا پر سے ان کی روح قبض کرو"۔

ابو ہریرہؓ، فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں کر کے دکھایا کہ کس طرح پرندہ نے کیا تھا۔ اور داؤد علیہ السلام کی روح جس روز قبض کی گئی اس دن اس پر لمبے پروں والے شکرے سایہ فگن ہو گئے۔

تخریج الحدیث:

رواه الإمام أحمد فی مسنده(۲/۴۱۹)

ورواه الهيثمی فی مجمع الزوائد (۸/۲۰۷)

وقال ابنِ کثیرؒ فی البدایة والنهایة "انفرد باخراجه أحمد واسناده جیله، رجاله ثقات (۲/۱۷)

تشریح الحدیث

اس حدیث میں اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت

داؤد علیہ السلام ان اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبروں میں سے تھے جن پر حق تعالیٰ کا خصوصی فضل و احسان رہا۔ آپ پر چوتھی آسمانی کتاب زبور کا نزول ہوا۔ اس اعتبار سے آپ صاحبِ شریعت نبی ہوئے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اعزاز یہ بھی عطا فرمایا کہ نبوت کا سلسلہ انہی پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی نبوت کے شرف سے نوازا گیا۔

اور نبوت کے علاوہ بھی عجیب و غریب نعمتیں عطا فرمائیں جن کا ذکر حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ:

وَلَقَدْ اٰتَینا داوٗدَ مِنّا فَضلاً یا جِبالُ أَوِّبِی مَعَہٗ والطَّیرَ وَاَلَنّالَہٗ الْحَدید (السبا:۱۰)

"اور ہم نے داؤدؑ کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت دی تھی' اے پہاڑو! داؤدؑ کے ساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا (کہ ان کے ساتھ تسبیح کریں) اور ہم نے ان کے واسطے لوہے کو نرم کر دیا"۔

گویا نبوت کے شرف کے علاوہ دنیوی اعتبار سے بھی یہ فضائل عطا فرمائے کہ:

"پہاڑوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا اور جب حضرت داؤد علیہ السلام ذکر الٰہی اور تلاوتِ زبور میں مشغول ہوتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ ساتھ ذکر کرتے۔

اسی طرح پرندوں کو بھی یہی حکم دیا۔ چنانچہ وہ بھی آپ کے ساتھ ساتھ تسبیح و ذکر میں مصروف رہتے یہ دونوں معجزے تھے حضرت داؤد علیہ السلام کے۔

اسی طرح ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے لوہے کو نرم کر دیا اور موم کی مانند کر دیا تھا کہ سخت سے سخت لوہا اور فولاد بھی ان کے ہاتھوں میں موم کی مانند ہو جاتا تھا اور اسے ہر شکل میں ڈالنا آسان تر ہو جاتا تھا' انہیں زرہ بنانے کی صنعت سکھائی' انہیں اتنے خوبصورت لحن اور خوش آوازی سے نوازا کہ جب وہ زبور کی تلاوت کرتے تو پرندے رک جایا کرتے تھے۔ اسی طرح انہیں دنیا میں اقتدار و سلطنت بھی عطا فرمائی۔ غرض حضرت داؤد علیہ السلام کو ہر اعتبار سے ایک کامل اور بہترین انسان بنایا۔

ان کے اندر غیرت کا جذبہ بہت شدید تھا اور یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی اجنبی اور نامحرم ان کے گھر والوں پر نگاہ بھی ڈال سکے۔ لہٰذا جب گھر سے باہر کہیں تشریف لے جاتے تو باہر سے تالا ڈال کر جاتے تھے تاکہ کوئی غیر محرم شخص انکے گھر میں داخل نہ ہو جائے۔

ایک روز باہر جانے لگے تو حسبِ معمول باہر سے بند کر کے تشریف لے گئے۔ ان کی اہلیہ گھر کی طرف آئیں اور گھر میں داخل ہوئیں تو دیکھا کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک شخص کھڑا ہے' وہ گھبرا گئیں کہ دروازہ بند ہونے کے باوجود یہ شخص گھر میں کیسے داخل ہوا؟ اور یہ کون ہے؟ اور انہیں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ حضرت داؤدؑ کے لئے تو یہ بات بڑی باعثِ فضیحت ہو گی کہ ایک غیر محرم شخص ان کے گھر میں ان کی غیر موجودگی میں ہو' لہٰذا وہ اس بات سے بہت ڈریں۔

اسی اثناء میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تشریف لے آئے دیکھا کہ ایک شخص گھر کے بیچوں بیچ کھڑا ہے' حضرت داؤدؑ نے پوچھا کہ تم کون ہو اور کیسے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں وہ ہوں جو نہ بادشاہوں سے ڈرتا ہے نہ کوئی اسکی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔

جواب سے داؤد علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ ملک الموت ہیں جو انسانی صورت میں ان کی روح قبض کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ نے فوراً فرمایا: آپ یقیناً ملک الموت ہیں کہ مذکورہ صفت کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی' مرحبا' اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں پھر کچھ ٹہر کر ملک الموت نے حضرت داؤد علیہ السلام کی روح قبض کرلی۔

ان کی وفات کے بعد ان کی صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام (جو خود بھی نبی تھے اور ان کی حکومت انسانوں کے علاوہ پرندوں اور جانوروں پر بھی تھی) انہوں نے پرندوں کو حکم فرمایا کہ داؤد علیہ السلام پر اپنے پروں سے سایہ کردیں تاکہ ان کی تجہیز و تکفین میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ چنانچہ پرندوں نے ان پر سایہ کردیا اور اتنا گھنا سایہ ہوگیا کہ زمین پر اندھیرا سا ہوگیا اور سورج کی شعاعیں اور کرنیں زمین تک نہ پہنچ پاتی تھیں۔

چند عبرت و نصائح

اس حدیث میں بیان کردہ واقعہ سے حاصل ہونے والے فوائد کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خاص شان اور جماعتِ انبیاء میں ان کی ممتاز حیثیت کا اظہار کیا گیا۔ اور نبی کریم ﷺ نے حضرت داؤدؑ کی وفات اور اس کا عجیب واقعہ بیان فرما کر ان کی جلالتِ شان کا تذکرہ فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی میں تمام عمر ان پر اپنا خصوصی فضل و کرم فرمایا اسی طرح موت کے وقت بھی اپنا خصوصی فضل و کرم شاملِ حال فرمادیا۔

۲۔ حضرت داؤدؑ کی شدید غیرت کا بیان حدیث میں کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ غیرت ایک ایمانی تقاضا ہے اور مطلوب و محمود ہے اگر حدودِ شرعیہ کے اندر ہو۔ یعنی وہ غیرت جو حدود شرع سے متجاوز ہو وہ نہ صرف یہ کہ مطلوب نہیں بلکہ مذموم ہے' مثلاً غیرت کی بناء پر کسی کو قتل کردینا جو بعض قبائل میں عام ہے یہ شرعاً جائز نہیں۔

چنانچہ صحیح مسلم میں عویمر العجلانی کی حدیث امام مسلمؒ نے نقل کی ہے کہ انہوں نے حضرت عاصم بن عدی الأنصاریؓ کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کروایا کہ کوئی شخص اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لے تو کیا اسے قتل کردے؟ یا کیا کرے؟ الخ .... (صحیح مسلم رکتاب الطلاق ر باب ماجاء فی اللعان ۱۵۶۱ر۲۹۰ر۴)

اس حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیرت کے نام پر قتل کر دینا شرعاً مذموم ہے اگر محض کسی شبہ کی بناء پر ہو۔ جیسا کہ ہمارے ہاں محض قبائلی معاشروں میں عام رواج ہے کہ معمولی سی بات اپنی غیرت کے خلاف محسوس کی تو قتل سے کوئی کم فیصلہ نہیں کرتے۔

عویمرؓ العجلانی کی جس حدیث کا اوپر ذکر کیا گیا اسکے متعلق بھی فقہاء نے فرمایا کہ:

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ مبتلا دیکھ لے اور اسے قتل کر دے تو اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا کہ نہیں؟ جمہور علماءؒ کے نزدیک اگر وہ شخص اس واقعہ پر چار گواہوں کو پیش کر دے تو اسے قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ (دیکھئے تکملہ فتح الملہم ۱/۳۸۷)

بہر کیف! معمولی باتوں کی بناء پر بغیر کسی تصدیق کے غیرت میں آکر قتل کر دینا بھی صحیح نہیں، البتہ بے حیائی اور عریانی و فحاشی کو برداشت کرنا اور بے ہودہ باتوں کو قبول کرنا سخت بے غیرتی ہے اور اس بے غیرتی میں ہمارا پورا معاشرہ شامل ہے الا ماشاء اللہ۔

بہرحال! حضرت داؤد علیہ السلام کے اندر غیرت بہت زیادہ تھی اور یہ چونکہ حدود شرع کے اندر تھی لہٰذا محمود تھی، خود رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر حضرت سعدؓ بن عبادہ کے قول کے جواب میں فرمایا تھا کہ:

"میں تم میں سب سے زیادہ غیرت مند ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے"۔

اور دوسری روایت میں فرمایا کہ:

"کیا تم سعدؓ کی غیرت پر تعجب کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے اور یہ اللہ کی غیرت ہی ہے کہ اس نے ہر طرح کے ظاہری و باطنی فواحش کو حرام فرمایا ہے"۔ (دیکھئے صحیح مسلم / کتاب الطلاق / باب ماتبیع اللعان اذا کمل من الأحکام)

۳۔ فرشتوں کا انسانی شکل میں متمثل ہونا بھی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام انسانی صورت میں حضرت داؤد علیہ السلام کے گھر میں تشریف لائے۔

۴۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عجیب وغریب حکومت کہ صرف انسانوں پر ہی نہیں جانوروں اور پرندوں پر بھی ان کا حکم چلتا تھا۔

۵۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اموات کی نعشوں کے ساتھ احترام کا معاملہ کرنا چاہیئے اور انہیں تکلیف میں ڈالنا جائز نہیں اور جس طرح زندگی میں اسے طبعی یا فطری طور پر جن جن باتوں سے تکلیف ہوتی تھی، موت کے بعد بھی اس کو ان باتوں سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو سایہ کرنے کا حکم فرمایا تاکہ گرمی اور سورج کی تپش سے داؤد علیہ السلام کا جسد محفوظ رہے۔

یہ تصور کرنا کہ موت کے بعد تو انسان سردی گرمی، دھوپ تپش اور ہر طرح کے احساس سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس تصور کی بناء پر نعشوں کے ساتھ تکلیف کا معاملہ کرنا، یہ سخت گناہ ہے۔ واللہ اعلم

چودھواں قصہ :۔ ﴿۱۴﴾

تدبیر بھی ہے تابعِ تقدیرِ الٰہی

تمہید

انسان کی نظر عموماً اپنے اسباب ووسائل پر ہوتی ہے اور انہی کے بل بوتے پر وہ اکثر بڑے بڑے دعوے کرنے لگتا ہے مگر وہ اس حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے کہ اسکی تمام تدابیر اور وسائل واسباب کی گاڑی کو اگر مشیت الٰہی کا انجن نہ ملے تو اس کی ساری تدبیریں اور منصوبے ہوائی قلعے ثابت ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اس حقیقت کے شناسا ہوتے ہیں اور اپنے ہر عمل وکمال کو عطائے الٰہی سمجھتے اور اپنے تمام معاملات ومنصوبوں کو مشیتِ الٰہی کے تابع رکھتے ہیں۔ یہی الوہی تعلیم بھی ہے کہ کوئی بھی کام کرنے سے قبل اسے اللہ کی مشیت سے منسلک کردو' اور ان شاءاللہ کے مختصر اور جامع الفاظ کہہ کر اس بات کا استحضار کرو کہ اس کی پشت پناہی' اس کی مدد اور اس کی مشیت کے بغیر تمہارے تمام وسائل' تمام عزائم' تمام منصوبے اور تمام تدابیر "ھباءً منثوراً" (اڑتی ہوئی خاک) ہیں۔

ان شاءاللہ۔ نہ کہنے پر اللہ تعالیٰ کی اپنے جلیل القدر نبی سیدنا سلیمان علیہ السلام کو تنبیہ کا عجیب واقعہ سید الکونین ﷺ کی پاکیزہ زبان بیان کرتی ہے۔

نص الحدیث :

روى هذا الحديث البخاري ومسلم في صحيحيهما، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ: لأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِينَ امْرَأَةً تَحْمِلُ كُلُّ امْرَأَةٍ فَارِسًا يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ : فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ : إِنْ شَاءَ اللَّهُ، فَلَمْ يَقُلْ، وَلَمْ تَحْمِلْ شَيْئًا إِلا وَاحِدًا سَاقِطًا أَحَدُ شِقَّيْهِ)

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (لَوْ قَالَهَا لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ) قَالَ شُعَيْبٌ وَابْنُ أَبِي الزِّنَادِ (تِسْعِينَ) وَهُوَ أَصَحُّ، والسياق للبخاري، وأورده البخاري في كتاب الجهاد بلفظ: (لأطوفن الليلة على مائة امرأة، أو تسع وتسعين امرأة).

وفي كتاب النكاح بلفظ (قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلام: لأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ بِمِائَةِ امْرَأَةٍ، تَلِدُ كُلُّ امْرَأَةٍ غُلامًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ، فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ: قُلْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ ، فَلَمْ يَقُلْ، وَنَسِيَ، فَأَطَافَ بِهِنَّ، وَلَمْ تَلِدْ مِنْهُنَّ إِلا امْرَأَةٌ نِصْفَ إِنْسَانٍ. قَالَ النَّبِيُّ ﷺ(لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمْ يَحْنَثْ وَكَانَ أَرْجَى لِحَاجَتِهِ).

ترجمہ:۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے ایک بار فرمایا کہ: "میں آج کی رات (اپنی) ستر ازواج سے قربت کروں گا' ان میں سے ہر ایک عورت ایک شہسوار سے حاملہ ہو گی' وہ شہسوار اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا"۔

ان کے ساتھی فرشتے نے کہا کہ۔ ان شاءاللہ مگر انہوں نے نہ کہا (شاید شیطان نہ بھلادیا) اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی کو بھی حمل نہ ہوا سوائے ایک کے اور اس نے بھی ناقص اور ایک جانب سے ادھورا بچہ جنم دیا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: کاش وہ یوں کہتے کہ "وہ سب اللہ کی راہ میں جہاد کریں"۔

دوسری روایت میں ہے کہ:

"سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے ایک بار فرمایا: "میں آج کی رات سو عورتوں سے قربت کروں گا جن میں سے ہر ایک لڑکے کو جنم دے گی اور وہ لڑکا اللہ کی راہ میں قتال کرے گا"۔

ان سے فرشتے نے کہا کہ: انشاءاللہ کہہ دیجئے۔ مگر انہوں نے نہ کہا اور بھول گئے۔

پھر سب سے صحبت کی لیکن ان میں سے کسی نے کچھ نہ جنم دیا سوائے ایک کے اور اس نے بھی آدھا اور ادھورا جنم دیا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: اگر وہ ان شاءاللہ کہہ دیتے تو حانث نہ ہوتے اور ان کی حاجت بر آری کے لئے یہ زیادہ پر امید بات تھی"۔

تخریج الحدیث:

رواہ البخاری/کتاب أحادیث الانبیاء۔۶/۴۵۸

ایضاً کتاب الجہاد۔۶/۳۴

رواہ مسلم۔کتاب الأیمان/باب الإستثناء فی الأیمان۔۱۱/۲۸۲

تشریح الحدیث

حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ان جلیل القدر انبیاء میں سے تھے اللہ کی طرف سے عظیم نعمتیں حاصل ہوئی تھیں۔ نبوت' خاندانی شرافت و نجابت' نبی کی فرزندی عظیم الشان سلطنت پر بلا شرکتِ غیرے حکومت' انسانوں پر حکومت' جنات پر حکومت' چرند پرند پر حکومت' ہواؤں پر حکومت' جانوروں پر حکومت' حشرات الأرض پر حکومت' پرندوں کی زبان کا علم۔ غرض کیا کیا نعمتیں تھیں جو حق تعالیٰ نے انہیں نصیب فرمائیں۔

بایں ہمہ وسعت سلطنت اور عظیم نعمتوں کے وہ مجاہد فی سبیل اللہ بھی تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا انہیں بہت مرغوب اور پسند تھا۔ جہاد کے عمل سے ان کا شغف ہر اس شخص پر واضح ہو گا جو قرآن حکیم کا بنظر غائر مطالعہ کرے گا۔

ان کا یہی شغفِ جہاد تھا جو انہیں اس فکر میں سرگرداں رکھتا تھا کہ اللہ کے لشکر اور اللہ کے مجاہدوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور جہاد کے لئے تیاری کی جائے۔

کہیں وہ پرندوں کے لشکر تیار کر رہے ہیں، کہیں جنات کے لشکر تیار کر رہے ہیں اور کہیں انسانوں کی سپاہ کی فکر میں لگے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ۔ (النمل/۱۷)

اور جمع کئے گئے سلیمانؑ کے پاس اس کے لشکر، جن اور انسان اور اڑتے پرندے پھر ان کی جماعتیں بنائی جاتیں۔

کہیں گھوڑوں کی تیاری اور انہیں تازہ دم رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:

إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ۔ (ص/۳۱)

"جب دکھانے کو لائے گئے ان کے سامنے شام کو بہت عمدہ گھوڑے"۔

غرض سیّدنا سلیمان علیہ السلام ایک مجاہد تھے اور مجاہدانہ سرگرمیوں کے لئے ہمہ وقت تیاری رکھتے تھے۔ اور یہ بھی جہاد سے ان کے شغف ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ایک روز یہ قسم کھائی کہ میں آج کی رات اپنی ستر (اور ایک روایت کے مطابق نوے اور ایک روایت کے مطابق سو) عورتوں سے جن میں ان کی ازواج اور باندیاں سب شامل تھیں صحبت کروں گا اور اس صحبت کے نتیجہ میں ہر ایک کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو بڑا ہو کر اللہ کی راہ کا مجاہد اور شہسوار بنے گا۔ اس طرح ایک ہی رات میں اتنے کثیر تعداد میں مجاہد پیدا ہو جائیں گے۔

لیکن چونکہ ہر کام اور منصوبے کی تکمیل مشروط اور پابند ہے مشیت الٰہی اور تقدیر ازلی کی اور انسان کا کام یہ ہے کہ اسباب و وسائل فراہم کر کے پھر نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے اور کہے کہ ان شاء اللہ ایسا ہو گا۔ صرف اپنے اسباب و طاقت پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے، نہ حق تعالیٰ کی قدرت سے صرفِ نظر کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کبھی کبھار اپنے مقرب بندوں سے کوئی خلافِ اولیٰ عمل صادر کرا دیتے ہیں جس سے بہت سی مصلحتیں مقصود ہوتی ہیں اور دیگر بہت سی مصلحتوں کے علاوہ ایک مصلحت تعلیم امت بھی ہوتی ہے کہ لوگوں کو اس کے ذریعہ سے تعلیم دی جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اپنے اس عزم و ارادہ کو اور اس کی تکمیل کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع کرنا بھول گئے یا شیطان نے بھلا دیا کہ باوجود فرشتے کے یاد دلانے کے وہ انشاء اللہ نہ کہہ سکے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رات کو سب سے صحبت کرنے کے باوجود کسی کو بھی حمل تک نہیں ہوا،

سوائے ایک کے، لیکن اس کے ہاں بھی جب ولادت ہوئی تو ایک ناقص اور ادھورا بچہ پیدا ہوا۔
گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ یاد دلایا کہ کوئی بھی کام ہماری منشاء کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ اس بات کا تو شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت سلیمانؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرفِ نظر کیا تھا اور صرف اپنے عمل پر بھروسہ کیا تھا۔ یقیناً نہیں بلکہ حقیقتاً ان کے قلب میں بھی یہی بات ہو گی کہ اللہ ہی ایسا کریں گے لیکن صرف ظاہراً انشاء اللہ کہنا بھول گئے جس کا یہ نتیجہ بر آمد ہوا۔
چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: کاش وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو ان کی قسم پوری ہو جاتی اور وہ حانث نہ ہوتے۔
در حقیقت قرآن کریم کی تعلیم بھی یہی ہے کہ ہر اس کام سے قبل جو مستقبل میں کرنے کا ارادہ ہو اسے اللہ کی مشیت سے منسلک کرو اور انشاء اللہ کہو کہ اگر اللہ نے چاہا تو یوں ہو گا۔
چنانچہ خود نبی کریم ﷺ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ مشرکین نے یہود کے اکسانے پر آپؐ سے اصحابِ کہف کا واقعہ دریافت کیا تو آپ نے وعدہ فرمالیا کہ کل بتاؤں گا۔ اس بھروسہ اور امید پر کہ جبرئیل علیہ السلام بذریعہ وحی بتلادیں گے اور ان شاء اللہ کہنا بھول گئے۔
جبرئیل علیہ السلام اگلے روز تو کیا آتے پندرہ دن تک تشریف نہ لائے، حضور علیہ السلام نہایت غمگین ہوئے اور مشرکین و یہود نے ہنسنا شروع کر دیا۔ پندرہ روز بعد جبرئیلؑ تشریف لائے تو سب سے پہلے یہی حکم لے کر آئے کہ:
وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَداً اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ۔ (الکہف ۲۳/۲۴)
اور آپؐ ہرگز کسی بات کے لئے نہ کہیں کہ میں اسے کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے (یعنی اسے اللہ کی مشیت سے مشروط کئے بغیر کسی کام کو کرنے کا وعدہ نہ فرمایا کریں۔ (تفسیر و فوائد عثمانی/۳۸۴)
غرض انشاء اللہ کہنا بہت اہم کام ہے اور ہر مسلمان کو اس کا اہتمام کرنا چاہیئے اور اسے صرف رسمی کلمات کا تکرار نہ سمجھا جائے بلکہ اس کا دھیان کر کے کہنا چاہیئے تاکہ زبان کیساتھ ساتھ دل و نگاہ بھی مؤثرِ حقیقی اور فاعلِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) کیطرف ہو جائے۔

چند ضروری ملاحظات:۔

اس حدیث کو سمجھنے کے لئے چند باتوں کا جان لینا ضروری ہے۔
۱۔ پہلی بات تو یہ کہ اس زمانہ میں شریعتِ موسوی میں تعدد ازواج چار تک مشروط نہیں تھی۔ جیسا کہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ہے بلکہ کثیر تعداد بھی ہو سکتی تھی۔ اور اس کے علاوہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی باندیاں بھی تھیں، کیونکہ پیچھے گزر چکا ہے کہ وہ مجاہد تھے اور مجاہد کو مالِ غنیمت کے ساتھ ساتھ باندیاں بھی اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

اکیسواں قصہ :۔﴿۲۱﴾

نصف مال سمندر کی نذر

تمہید

قدرت انسان کی ہوس اور لالچی طبیعت کو سبق سکھانے کے لئے بعض اوقات بے زبان جانوروں سے بھی عجیب کام لیتی ہے' ایک ایسے ہی ہوسِ زر میں مبتلا انسان کا قصہ جس کو اللہ نے ایک بندر کے ذریعہ سبق سکھایا۔ لسانِ نبوت اس عجیب قصہ کو بیان کرتی ہے۔

نص الحدیث:۔

عن أبي هريرة عن رسول الله ﷺ قَالَ: (إِنَّ رَجُلاً كَانَ يَبِيعُ الخَمْرَ فِي سَفِينَةٍ وَكَانَ يَشُوبُ الخَمْرَ بِالْمَاءِ وَمَعَهُ قِرْدٌ، فَأَخَذَ الْكِيسَ فَصَعِدَ الدَّقَلَ، فَجَعَلَ يُلْقِي دِينَاراً فِي الْبَحْرِ وَدِينَاراً فِي السَّفِينَةِ، حَتَّى جعلَهُ نِصفَين).

ترجمۃ الحدیث:۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایک شخص کشتی کے اندر شراب فروخت کیا کرتا تھا اور (چونکہ ہوسِ زر میں مبتلا تھا اس لئے حرام کمائی کے باوجود مزید حرام کا ارتکاب کرتا اور) شراب میں پانی ملایا کرتا تھا' اس کے ساتھ ایک بندر بھی تھا' اس بندر نے اس کے دینار کی تھیلی اٹھائی اور بادبان کے ڈنڈے پر جا چڑھا۔ اور تھیلی میں سے ایک دینار نکالتا اور اسے سمندر میں ڈال دیتا اور دوسرا دینار نکالتا اور اسے کشتی میں ڈال دیتا اس طرح اس نے سارے دیناروں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا (اور آدھا سمندر کی نذر کر دیا تاکہ جو ملاوٹ کے عوض مال کمایا ہے وہ ضائع ہو جائے کہ وہ شخص ان دیناروں کا حق دار نہیں تھا)۔

تخریج الحدیث:۔

رواہ الحربی فی الغریب عن ابی ہریرہؓ مرفوعاً۔ ۲/۱۵۵/۵۔

ورواہ البیہقی فی "شعب الایمان"۔ ۴/۳۳۲۔

ورواہ احمد فی مسندہ۔ ۲/۳۰۶۔

تشریح الحدیث

یہ ایک ہوسِ میں مبتلا لالچی تاجر کا قصہ ہے جو ام الخبائث شراب کی خرید و فروخت کا کاروبار کیا کرتا تھا' زیادہ مال کم وقت میں کمانے کی دھن نے اسے ملاوٹ پر آمادہ کر دیا اور اس نے شراب میں پانی ملانا شروع کر دیا۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اسلام سے قبل پچھلی شریعتوں میں سے بعض شرائع کے اندر شراب

حرام نہیں تھی جیسا کہ اسلام کے بھی ابتدائی دور میں حرام نہیں تھی۔ لہٰذا یہ اشکال ختم ہو گیا کہ اس شخص کو شراب میں ملاوٹ پر قابلِ مذمت گردانا گیا لیکن خود شراب فروخت کرنا کیسے صحیح اور روا تھا؟ اور حدیث میں اس پر اسے قابلِ مذمت کیوں نہ گردانا گیا؟ حدیث سے یہ تو ہم نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ شراب فروخت کرنا کوئی برا عمل نہیں۔

یہ واضح رہنا چاہئے کہ پچھلی شریعتوں میں سے کسی شریعت کا واقعہ ہے' شریعتِ محمدیہؐ میں شراب سے ہر قسم کا ادنیٰ تعلق خواہ پینے کا ہو خواہ پلانے کا خواہ فروخت کا ہو خواہ خریدنے کا' خواہ بنانے اور کشید کرنے کا ہو خواہ اس میں کسی بھی قسم کے تعاون کا ہر طرح کا تعلق بالکل حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

بہر کیف! وہ شخص شراب میں ملاوٹ کرتا اور پانی ملا کر فروخت کیا کرتا تھا' اور اس کا یہ کاروبار ایک کشتی میں جاری تھا۔ اس کے ساتھ ایک بندر بھی تا جو یہ سب معاملہ دیکھتا تھا۔ اس نے اچانک یہ کیا کہ اس شخص کے دیناروں کی تھیلی اٹھا کر بادبانی کشتی کا جو اوپر والا ڈنڈا ہوتا ہے اس پر جا چڑھا تاکہ اس تاجر کے ہاتھ نہ لگے اور تھیلی میں سے دینار نکال کر ایک سمندر میں پھینکنا شروع کر دیا' ایک دینار سمندر میں پھینکتا جاتا دوسرا کشتی میں ڈالتا جاتا۔ اس طرح اس نے آدھے دینار سمندر بُرد کر دیئے اور آدھے دینار تاجر کے لئے کشتی میں ڈال دیئے' گویا اسے ایک طرح سے سبق سکھا دیا کہ جو مال تو نے ملاوٹ کر کے کمایا تھا اس پر تیرا کوئی حق نہیں بنتا تھا لہٰذا وہ اسی قابل تھا کہ سمندر میں پھینک دیا جائے۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ حدیث کا بنیادی سبق اور تعلیم تو غش (دھوکہ اور ملاوٹ) کی مذمت اور اس کا ناجائز ہونا بیان کرنا ہے اور اس پر مرتب ہونے والے قدرتی اثرات کا بیان ہے' کسی کو دھوکہ دینا اور مال میں ملاوٹ کر کے فروخت کرنا قطعاً حرام ہے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی بھی حرام ہے۔

شریعتِ اسلامیہ نے بھی "ملاوٹ" کو بدترین گناہ اور حرام قرار دیا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ غَشَّ فلیس منّا۔ (الحدیث) جس نے ملاوٹ کی یا دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ اسلام نے جس قدر سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا بدقسمتی سے ہمارے مسلمان بھائی اتنا ہی اس کے اندر مبتلا ہیں۔ ہوسِ زر میں مبتلا انسانیت سے عاری' سفاک لوگ اشیائے ضرورت کی ہر چیز میں ملاوٹ کرنے سے باز نہیں رہتے' دودھ' شہد' گھی وغیرہ تو معمولی اشیاء ہیں ستم تو یہ ہے کہ دواؤں تک میں ملاوٹ ہونے لگی ہے' آخرت سے غافل' زر کے پجاری یہ غلیظ عناصر ہمارے معاشرہ میں یہ گھناؤنا کھیل دھڑنے سے کھیلتے ہیں اور کوئی انکے ہاتھ روکنے والا نہیں۔ ایسے لوگ انسانیت کے قاتل ہیں۔

بہر حال! ملاوٹ زدہ اشیاء فروخت کرنا اور خود ملاوٹ کرنا سخت گناہ اور جرام ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ غلط کاموں پر اصل سزا تو آخرت ہی میں دیں گے، لیکن بعض اوقات دنیا میں بھی اس کی سزا دیتے ہیں، انسان کے اوپر پیش آنے والے مختلف حوادث اور مصائب دنیا کی غلط کاریوں کا ہی شاخسانہ ہوتی ہیں۔

اس تاجر کو ملاوٹ کی سزا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کے اپنے بندر کے ذریعہ دی کہ اس نے اس کے آدھے مال کو سمندر کی نذر کر دیا۔

۳۔ حدیث سے حیوانات کے عجیب و غریب اسرار بھی معلوم ہوتے ہیں کہ جانوروں اور حیوانات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک عقل اور بعض معاملات کو سمجھنے کا ذوق رکھا ہے۔ مذکورہ واقعہ میں بندر کا یہ عمل اس کے معاملہ کو سمجھنے اور عدل و انصاف کے مطابق کام کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔ ایک بات ضمناً یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر انسان کے پاس حرام اور ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ رقم یا مال ہو تو اسے استعمال کرنا نہ چاہیئے بلکہ اسے ضائع کر دینا یا کسی دوسرے مستحق کو دے دینا چاہیئے۔ چنانچہ شریعتِ اسلامیہ میں یہی حکم ہے کہ اوّل تو ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرنے سے اجتناب کرو، اور اگر کہیں سے ناجائز مال مل جائے تو کم از کم اسے استعمال نہ کرو۔

بعض لوگوں کے پاس سود کی رقم جمع ہوتی ہے تو اسے بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے، سود کی رقم حرام ہے، ایسی رقوم اور اموال کو کسی مستحق کو دیدینا بہتر ہے لیکن مستحق کا تعین علماء سے پوچھ کر کیا جائے۔

بائیسواں قصہ :۔ ﴿۲۲﴾

گائے اور بھیڑیئے کا انسان سے مکالمہ

تمہید

اس دنیا کے اندر پیش آنے والے عجائبات اس قادرِ مطلق کے کرشمے ہیں کہ ہر شے اس کی قدرت کا نمونہ ہے۔ وہ جسے چاہے گویائی بخش دے، نطق و بیان سے نواز دے اس کی قدرت ہے، چاہے تو بھلے انسان کو نطق و بیان سے محروم کر دے اور چاہے تو بے زبان جانوروں کو نطق و گویائی بخش دے۔

زیر نظر واقعہ ایک ایسے ہی کرشمۂ قدرت کا ہے جب خالقِ نطق و بیان نے گائے اور بھیڑیئے کو انسان سے گفتگو کرنے کی قدرت عطا کی۔

نص الحدیث:

روى البخاري في صحيحه عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْـهُ قَـالَ صَلَّـى رَسُـولُ اللّٰہِ ﷺ صَلَاةَ الصُّبْحِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: (بَيْنَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقَرَةً إِذْ رَكِبَهَا فَضَرَبَهَا، فَقَالَتْ: إِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهَذَا، إِنَّمَا خُلِقْنَا لِلْحَرْثِ. فَقَالَ النَّاسُ: سُبْحَانَ اللّٰہِ، بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ!! فَقَالَ: فَإِنِّي أُومِنُ بِهَذَا أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَمَا هُمَا ثَمَّ.

وَبَيْنَمَا رَجُلٌ فِي غَنَمِهِ إِذْ عَدَا الذِّئْبُ فَذَهَبَ مِنْهَا بِشَاةٍ، فَطَلَبَ حَتَّى كَأَنَّهُ اسْتَنْقَذَهَا مِنْهُ، فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ: هَذَا اسْتَنْقَذْتَهَا مِنِّي، فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ، يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِي، فَقَالَ النَّاسُ: سُبْحَانَ اللّٰہِ، ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ، قَالَ: فَإِنِّي أُومِنُ بِهَذَا، أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَمَا هُمَا ثَمَّ).

ترجمۃ الحدیث:

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی، اس کے بعد لوگوں کی طرف رخ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"ایک شخص ایک گائے کو ہانک رہا تھا کہ اسی دوران اس پر سوار ہو گیا اور اسے (دوڑانے کے لئے) مارنے لگا، وہ گائے کہنے لگی کہ: "ہمیں اس کام (سواری) کے لئے نہیں پیدا کیا گیا، ہم تو فقط کھیتی باڑی کے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں"۔

یہ سن کر لوگ کہنے لگے: سبحان اللہ! گائے بھی بات کرتی ہے؟؟؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی۔ حالانکہ وہ وہاں (اس واقعہ کے

موقع پر) موجود نہیں تھے (پھر بھی یقین رکھتے ہیں)۔

''اور ایک شخص اپنے مویشیوں کے درمیان تھا کہ اسی دوران اچانک ایک بھیڑیا اسکے مویشیوں پر حملہ آور ہوا اور ایک بکری ان میں سے اٹھالے گیا' اس نے اس کا پیچھا کیا اور اس سے بکری چھڑانے کی کوشش کی اور بکری اس سے چھڑالی تو بھیڑیئے نے اس سے کہا:

''آج تو اس بکری کو تو نے مجھ سے چھڑالیا لیکن اس کا کون محافظ ہوگا درندوں کے دن میں جس دن میرے سوا کوئی اور اس کا چرواہا نہیں ہوگا''۔

لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! بھیڑیا بھی گفتگو کرتا ہے؟؟؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''بلاشبہ میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں' میں بھی اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی' حالانکہ وہ دونوں وہاں نہیں تھے''۔

تخریج الحدیث:۔

رواه البخاری فی صحيحه: كتاب أحاديث الأنبياء، ۶/ ۵۱۲۔

وفی كتاب فضائل الصحابه. باب قول النبیؐ / لوكنت متخذا خليلاً۔ ۷/ ۱۸۔

و رواه مسلم ایضاً فی كتاب الفضائل. باب فضائل ابی بکرؓ الصديق. ۲/ ۲۷۲۔ (مسلم مع شرح النووی)

تشریح الحدیث

رسول اکرم ﷺ بعض اوقات بہت سے عجیب و غریب واقعات بیان فرماتے تھے' زیر نظر واقعہ بھی حدیث کے واقعات میں سے بہت عجیب واقعہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایک گائے اور بھیڑیئے کے کلام کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

گائے پر سواری کرنے والے شخص کو گائے نے کہا کہ: ہمیں اس کام کیلئے یعنی سواری اور بار برداری کیلئے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ ہمیں تو زراعت اور کھیتی باڑی وغیرہ میں استعمال کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور چوپاؤں میں بھی مختلف خصوصیات کے حامل جانور پیدا فرمائے ہیں۔ ہر جانور کی ایک الگ خاصیت ہے اور یوں لگتا ہے کہ گویا وہ جانور خاص اسی مقصد کے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ چنانچہ گائے بیل وغیرہ عموماً بار برداری اور سواری کے لئے استعمال نہیں ہوتے اور ان کی سواری سوار کے لئے بھی کوئی آرام دہ اور راحت رساں نہیں ہوتی۔ بار برداری اور سواری کے لئے اللہ نے گھوڑے اور خچر وغیرہ کو پیدا فرمایا۔ چنانچہ ان کی سواری آرام دِہ بھی ہوتی ہے اور یہ ہر قسم کی بار برداری بھی کرسکتے ہیں۔ گائے بیل وغیرہ عموماً ہل چلانے اور کھیتی باڑی میں استعمال ہوتے ہیں اور گھوڑے خچر وغیرہ کھیتی باڑی میں استعمال نہیں ہوسکتے۔ غرض اللہ نے ہر جانور کو الگ خصوصیات کا حامل بنایا ہے اور اس سے وہی کام لینا چاہیئے۔ لہٰذا اس گائے نے بھی یہی کہا کہ ہمیں اس کام کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔

لوگوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہ گائے بھی کلام کر سکتی ہے اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ! گائے کلام کرتی ہے؟ گویا ان کے لئے یہ ایک نا قابلِ یقین بات تھی۔ اور اس پر انہوں نے تعجب کا اظہار کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلا شبہ میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ تو اس پر یقین رکھتے ہیں حالانکہ وہ دونوں وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں حضرات کے متعلق اتنے وثوق سے اس لئے فرمایا کہ آپ کو یقین تھا کہ یہ حضرات آپ پر کامل اعتماد اور اتنا یقین رکھتے ہیں کہ آپ جو بھی بات کہیں خواہ کتنی ہی عجیب اور بہ ظاہر خلافِ حقیقت ہو لیکن وہ جھوٹ نہیں ہو سکتی اور یہی ایمان بالغیب کا وہ درجہ ہے جو اہلِ ایمان سے مطلوب ہے کہ اَن دیکھی اور بہ ظاہر عقل میں نہ آنے والی ان باتوں کی تصدیق کرنا جو قرآن وحدیث سے ثابت ہوں۔ اور ایسے ہی بندوں کو اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے۔

اَلَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالْغَيبِ (البقرہ)

(متقی) وہ لوگ ہیں جو غیب کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے واقعہ میں ارشاد فرمایا کہ ایک بھیڑیئے نے گفتگو کی۔ جب چرواہے نے بہادری اور ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بکری کو بھیڑیئے سے چھڑالیا تو بھیڑیئے نے کہا کہ: آج تو تو نے اسے مجھ سے چھڑالیا لیکن اس دن اسکا پرسانِ حال کون ہوگا جب درندوں کا دن ہوگا اور ان بکریوں کا کوئی چرواہا نہ ہوگا سوائے میرے۔ اس دن تو یہ مجھ سے بچ نہ سکے گی۔

علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد یا تو قیامت کا دن ہے کہ اس دن ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی جانوروں اور بھیڑ بکریوں کو بھیڑیئے سے بچانے کی کس کو فکر ہوگی؟ یا اس سے مراد قدیم زمانوں کے تہوار اور قومی عید کا دن ہے کہ اس روز لوگ اپنے میلوں اور کھیل کود میں اتنے منہمک ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے مویشیوں کی حفاظت کا بھی پورا خیال نہیں ہوتا تھا اور بھیڑیئے جانوروں کو اٹھالے جاتے تھے۔

(ملخصاً از شرح النووی علی الصحیح مسلم ۲؍۲۷۲)

لوگوں نے اس پر بھی تعجب کا اظہار کیا کہ ایک بھیڑیا بھی انسانی گفتگو کر سکتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی بات ارشاد فرمائی کہ: بلا شبہ میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ تو اس پر یقین رکھتے ہیں باوجودیکہ وہاں موجود نہیں تھے"۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ حدیث سے بنیادی طور پر تو حضرات شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی عظیم فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو ان دونوں پر ایسا اعتماد تھا کہ از خود ایک بار نہیں دو بار فرمایا کہ: میں اور ابو بکر

وعمرؓ تو اس پر یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ کو یہ یقین تھا کہ خواہ ساری دنیا میری بات کو تسلیم نہ کرے لیکن یہ دونوں حضرات ایمان اور یقین کے اس مقام پر فائز ہیں کہ خواہ بات بظاہر کتنی ہی خلافِ عقل کیوں نہ ہو یہ اس کو بالکل صحیح اور سچا سمجھیں گے اور واقعہ بھی یہی تھا۔ معراج کا واقعہ اور اس پر صدیقِ اکبرؓ کی بے ساختہ تصدیق و تائید اس کا عملی ثبوت ہے اور انہیں صدیق کے مقام پر فائز کرنے کا نبوی اظہار ہے۔

چنانچہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اس حدیث کو ان حضرات کے فضائل کے باب میں ہی ذکر فرمایا ہے۔ امام بخاریؒ نے یہ حدیث "باب فضائل عمرؓ" میں اور امام مسلمؒ نے "باب فضائل ابی بکر الصدیق" میں نقل کی ہے۔

۲۔ ایمان بالغیب اور ایمان بالرسول ﷺ کے بغیر کسی کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے معنی یہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو بات بھی فرمائیں اسے حق اور سچ سمجھیں خواہ وہ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَما یَنطِقُ عنِ الْھَوٰیٰ اِنْ ھُوَاِلاَّ وَحیٌ یُوحٰی۔(النجم۔۳/۴)

اور (یہ نبیؐ) اپنی خواہشِ نفس سے کچھ نہیں کہتے' بالیقین وہ تو وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔

عقل میں آنے والی بات کو تسلیم کرنا اور خلافِ عقل کو رد کر دینا یا تسلیم نہ کرنا ایمان بالغیب اور ایمان بالرسولؐ نہیں بلکہ ایمان بالعقل ہے۔ جب کہ اسلام کا مطلوب "ایمان بالغیب" اور ایمان بالرسولؐ ہے یہی اس حدیث کا اہم سبق اور تعلیم ہے۔

۳۔ جانوروں اور بہائم کا انسانوں سے گفتگو کرنا بظاہر تو محال ہے لیکن خلافِ عقل اور مستبعد نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ جانوروں کو گویائی بخش دیں' اللہ تعالیٰ جب روزِ حشر انسان کی زبان پر مہر لگادیں گے اور اس کے اعضاء جسم اس کے خلاف گواہی دیں گے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ انسان کے جسم کے دوسرے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ کو گویائی عطا کریں گے۔

اَلْیَومَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْواھِھِمْ و تُکلِّمُنا اَیْدِیھِمْ وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِماکانُوْایَکسِبُون(یٰس/۶۵)

آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ہم سے بات کریں گے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان (غلط کاموں) کی جو وہ کیا کرتے تھے۔

تو جب اللہ تعالیٰ انسان کے دوسرے اعضاء جسم کو گویائی عطا فرمائیں گے تو جانوروں کو بھی قوتِ گویائی عطا فرما سکتے ہیں اور اس پر اظہارِ تعجب کرنا یا اسے محال یا مستبعد سمجھنا صحیح نہیں' اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کامل یقین نہ ہونے کا اظہار ہے۔

۴۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے کو اللہ تعالیٰ نے زراعت اور کھیتی باڑی کیلئے موزوں بنایا ہے نہ کہ

سواری اور بار برداری کیلئے۔ ہر کام کیلئے اس کے مناسب اور موزوں جانور اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ سواری اور بار برداری کیلئے گھوڑے اور خچر وغیرہ کو بنایا ہے۔ لٰہذا جس جانور کو جس کام کیلئے بنایا گیا ہے اس سے وہی کام لینا چاہیئے۔

۵۔ ایک مسلمان کیلئے ہر اس بات پر یقین کرنا اور اس کی تصدیق کرنا واجب اور ضروری ہے جو قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ خواہ وہ انسانی عقل کے مطابق ہو یا خلافِ عقل۔ اگر وہ بات قرآن وسنت کے دلائلِ صحیحہ کے ساتھ ثابت ہو تو اس کا انکار بعض اوقات کفر تک پہنچادیتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ بات جس کا انکار کیا جارہا ہے ضروریاتِ دین میں سے ہو مثلاً رسول اللہ ﷺ کا واقعہ معراج وغیرہ کا انکار' تو وہ کفر تک پہنچادیتا ہے اور اگر ضروریاتِ دین میں سے نہ ہو تو فسق تک تو پہنچا ہی دیتا ہے' آجکل یہ رواج چل نکلا ہے کہ جو بات قرآن وحدیث کی کسی کی عقل میں نہ آئے تو اسکا فوراً انکار کر دیتے ہیں' یہ نہایت سنگین بات ہے' اس سے بہت زیادہ اجتناب کرنا چاہئے۔

تیئسواں قصہ ﴿۲۳﴾

نومولود بچہ...... جھولے میں گفتگو کرتا ہے

تمہید

نومولود بچہ کا عام انسانوں کی طرح بولنا ایک حیرت انگیز بات اور اللہ کی قدرت کا عجیب اظہار ہے' تاریخ انسانیت میں یہ محیر العقول واقعہ تین بار پیش آیا ہے کہ ایک نومولود اور جھولے میں پڑے ہوئے بچہ نے بات کی' نہ صرف بات کی بلکہ نہایت دانشمندانہ اور عاقلانہ گفتگو کی۔ رسول کریم ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے کہ ایک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کی' دوسرے صاحب جریج نے (جس کا قصہ آگے آئیگا انشاء اللہ) تیسرے اس بچہ نے جس کا واقعہ ذیل کی حدیث میں مذکور ہے۔

نص الحدیث:

روي البخاري في صحيحه عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: (كَانَتِ امْرَأَةٌ تُرْضِعُ ابْنًا لَهَا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ رَاكِبٌ ذُو شَارَةٍ، فَقَالَتِ: اللَّهُمَّ اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهُ، فَتَرَكَ ثَدْيَهَا، وَأَقْبَلَ عَلَى الرَّاكِبِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ لا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ثَدْيِهَا يَمَصُّهُ). قَالَ أَبو هُرَيْرَةَ: « كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَمَصُّ إِصْبَعَهُ » .

(ثُمَّ مُرَّ بِأَمَةٍ، فَقَالَتِ: اللَّهُمَّ لا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَ هَذِهِ، فَتَرَكَ ثَدْيَهَا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا، فَقَالَتْ: لِمَ ذَاكَ؟ فَقَالَ: الرَّاكِبُ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، وَهَذِهِ الأَمَةُ يَقُولُونَ سَرَقْتِ زَنَيْتِ وَلَمْ تَفْعَلْ).

ونص الحديث عند مسلم: (بَيْنَا صَبِيٌّ يَرْضَعُ مِنْ أُمِّهِ، فَمَرَّ رَجُلٌ رَاكِبٌ عَلَى دَابَّةٍ فَارِهَةٍ وَشَارَةٍ حَسَنَةٍ، فَقَالَتْ أُمُّهُ: اللَّهُمَّ اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَ هَذَا، فَتَرَكَ الثَّدْيَ، وَأَقْبَلَ إِلَيْهِ فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ لا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ثَدْيِهِ فَجَعَلَ يَرْتَضِعُ، قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَحْكِي ارْتِضَاعَهُ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ فِي فَمِهِ، فَجَعَلَ يَمُصُّهَا، قَالَ: وَمَرُّوا بِجَارِيَةٍ وَهُمْ يَضْرِبُونَهَا، وَيَقُولُونَ: زَنَيْتِ سَرَقْتِ، وَهِيَ تَقُولُ حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، فَقَالَتْ أُمُّهُ: اللَّهُمَّ لا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهَا، فَتَرَكَ الرَّضَاعَ وَنَظَرَ إِلَيْهَا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا .

فَهُنَاكَ تَرَاجَعَا الْحَدِيثَ، فَقَالَتْ: حَلْقَى، مَرَّ رَجُلٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ فَقُلْتُ: اللَّهُمَّ اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهُ، فَقُلْتَ: اللَّهُمَّ لا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، وَمَرُّوا بِهَذِهِ الأَمَةِ وَهُمْ يَضْرِبُونَهَا،

وَيَقُولُونَ: زَنَيْتِ، سَرَقْتِ، فَقُلْتُ: اللّٰهُمَّ لا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهَا، فَقُلْتَ: اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا، قَالَ: إِنَّ ذَاكَ الرَّجُلَ كَانَ جَبَّارًا، فَقُلْتُ: اللّٰهُمَّ لا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، وَإِنَّ هٰذِهِ يَقُولُونَ لَهَا: زَنَيْتِ وَلَمْ تَزْنِ، وَسَرَقْتِ وَلَمْ تَسْرِقْ، فَقُلْتُ: اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا).

ترجمۃ الحدیث

بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے' فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بنی اسرائیل کی ایک خاتون اپنے نومولود بچہ کو دودھ پلا رہی تھی' وہاں سے ایک سوار گذرا' بڑا خوشحال اور بہترین شخصیت والا' اس خاتون نے فوراً دعا کی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا بنائیے"۔

اس نومولود نے ماں کے سینہ سے منہ ہٹایا اور اس سوار کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنائیے"۔ اور پھر ماں کی چھاتی کو چوسنے لگا۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: گویا میں دیکھ رہا ہوں رسول اللہ ﷺ کو اپنی انگلی مبارک چوس رہے ہیں (یعنی اس بچہ کی عملی کیفیت بتارہے ہیں)۔

پھر وہاں سے ایک باندی کو گذارا گیا تو وہ خاتون کہنے لگی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنائیے" اس بچہ نے پھر ماں کے سینہ کو چھوڑا اور کہنے لگا: اے اللہ! مجھے اس باندی جیسا ہی بنائیے۔ وہ عورت (مارے حیرت کے) کہنے لگی یہ کیوں؟ وہ بچہ کہنے لگا کہ: وہ سوار جو گذرا تھا بڑے ظالم و جابر لوگوں میں سے ایک تھا اور یہ باندی اس کے متعلق لوگ تو کہہ رہے ہیں کہ تو نے چوری اور زنا کیا ہے لیکن فی الحقیقت اس نے ایسا نہیں کیا۔

مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ:

"ایک نومولود بچہ اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا کہ وہاں سے ایک سوار شخص شاندار سواری پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ گذرا۔ اس بچہ کی ماں نے دعا مانگی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا بنائیے۔ بچہ نے سینہ چھوڑا اور اس شخص کی طرف رخ کیا اسے دیکھا اور کہا اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنائیے۔ یہ کہہ کر دوبارہ ماں کی چھاتی کی طرف رخ کیا اور دودھ پینے لگا۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بچہ کی دودھ پینے کی عملی کیفیت کو نقل کر رہے ہیں اپنی انگشت شہادت کو منہ میں لے کر چوس کر بتاتے ہیں"۔

فرمایا کہ: پھر وہاں سے ایک باندی کو لے کر لوگ گذرے اور اسے مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تو نے بدکاری کی ہے اور چوری کی ہے' اور وہ یہی کہتی کہ: "مجھے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے"۔ اس بچہ کی ماں نے کہا کہ: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنائیے۔ اس نے پھر دودھ

پینا چھوڑااور باندی کی طرف دیکھااور کہنے لگا: اے اللہ! مجھے اس جیسا ہی بنایئے۔
اس عورت نے ایک درد بھری پکار کے ساتھ کہا: ایک شاندار شخصیت والا آدمی گذرااور میں نے دعا کی کہ اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا بنایئے تو تو نے کہا کہ: اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنایئے اور پھر لوگ اس باندی کو مارتے پیٹتے گذرے اور اس کے متعلق کہتے ہیں کہ تو نے زنا کیا' چوری کی۔ تو میں نے کہا۔اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنایئے تو تو کہتا ہے کہ: اے اللہ! مجھے اس جیسا بنایئے (آخر اس کی کیا وجہ ہے؟) وہ کہنے لگا کہ:
"وہ آدمی تو ایک ظالم شخص تھا تو میں نے یہ دعا کی کہ: اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنایئے' اور یہ جو باندی ہے تو لوگ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ تو نے زنا کیا حالانکہ اس نے زنا نہیں کیا اور لوگ کہتے ہیں کہ تو نے چوری کی حالانکہ اس نے چوری نہیں کی۔ تو اس لئے میں نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اس جیسا بنایئے۔

تخریج الحدیث:

بخاری رکتاب أحادیث الأنبیاء۔ ۶/۷۶ ۴۔
مسلم رکتاب البر والصلہ۔ باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع فی الصلاۃ۔ ۴/۱۹۷۶

تشریح الحدیث

نومولود بچہ کا عاقلانہ اور دانشمندانہ کلام کرنا ایک نہایت غیر معمولی بات اور حیرت انگیز ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا مختلف طریقوں سے اظہار فرماتے ہیں' جیسا کہ اس حدیث میں بیان کردہ واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ماں نے بچہ کے لئے ظاہری اعتبار سے اچھے حال والے شخص کو دیکھ کر اللہ سے اپنے بچہ کے لئے دعا کی کہ اسی جیسا بنادے۔ بچہ نے فوراً اس کی تردید کردی۔ حالانکہ وہ دودھ پیتا بچہ تھا' اول تو اس عمر کے بچے گفتگو ہی پر قادر نہیں ہوتے چہ جائیکہ کوئی دانشمندانہ کلام کریں' پھر ایک ایسی بات کہنا جو نہ صرف بظاہر اس کے حق کے برعکس ہو بلکہ حقیقتِ حال کو پیشِ نظر رکھ کر صحیح بات کہنا حیرت بالائے حیرت ہے۔
لیکن اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرمانے کیلئے عقل مند اور باشعور انسانوں کا ہی انتخاب نہیں فرماتے بلکہ بعض اوقات نومولود اور کم سن و ناسمجھ بچوں کے ذریعہ بھی بڑے بڑے حقائق کا اظہار فرما کر اپنی قدرت کا اظہار فرماتے ہیں۔
چنانچہ اس واقعہ میں دو بڑے حقائق کا اظہار فرمایا۔
پہلی حقیقت یہ کہ وہ شخص جو ظاہری اعتبار سے بہت خوشحال' شاندار شخصیت کا مالک اور بڑی

شان و شوکت والا لگ رہا تھا' حقیقتاً ایک نہایت ظالم و جابر شخص تھا اور لوگوں پر ظلم کیا کرتا تھا اور اس قابل نہ تھا کہ اسکی تقلید کی جاتی۔

دوسری حقیقت یہ کہ وہ مظلوم باندی جو ظاہری اعتبار سے بڑی مفلوک الحال' لوگوں کے طنز و طعن کا نشانہ تھی اور اس کی عزت و آبرو پر حرف زنی کی جارہی تھی وہ درحقیقت ایک پارسا اور عفیفہ و پاک دامن و باکردار تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عظیم حقیقتوں کا اظہار ایک کم سن' نومولود اور بے سمجھ بچہ کے ذریعہ فرما کر اپنی قدرتِ کاملہ کو ثابت فرمایا۔

چند عبرت و نصائح

یہ واقعہ بہت سے اہم فوائد پر مشتمل ہے۔

۱۔ بنیادی مقصد اور تعلیم اس حدیث کی یہ ہے کہ اللہ ربّ العالمین کی قدرت کسی سبب اور ذریعہ کی محتاج نہیں' نہ ہی وہ کسی کام کو کرنے کے لئے عرف اور زمانہ کے عام رواج کے محتاج ہیں۔ وہ چاہیں تو کسی باشعور انسان سے گویائی سلب کرلیں چاہیں تو نومولود بچہ کو حقیقت پسندانہ اور دانشمندانہ گفتگو سکھادیں' اور اللہ تعالیٰ شانہ' اپنی اس قدرت کا اظہار باندازِ مختلفہ فرماتے رہتے ہیں۔

۲۔ دوسرا اہم فائدہ حدیث میں بیان کردہ واقعہ سے یہ حاصل ہوا کہ ہر شئے کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن' انسان کو اس کے ظاہر سے زیادہ باطن کی فکر کرنی چاہیئے اور کسی بھی شیٔ کو ظاہری چمک و دمک اور ظاہری حسن و خوبی کی بناء پر نہیں اپنانا چاہیئے بلکہ باطنی خوبیوں کی بناء پر اپنانا چاہیئے۔

اس بچہ کی ماں ایک انسان کی ظاہری خوشحالی اور رعب داب' کرّوفر' شان و شوکت اور مالداری سے متاثر ہوگئی اور اتنی مرعوب ہوئی کہ اپنے بچہ کے لئے اس جیسا بننے کی دعا مانگ ڈالی' جب کہ حقیقت اس کے برعکس تھی کہ اس کی ساری خوشحالی' رعب و دبدبہ اور شان و شوکت ظلم و جبر کا نتیجہ تھی' اور یہ اشیاء اگر ظلم اور جبر کے ساتھ حاصل ہوں تو نعمت نہیں وبالِ جان اور ذریعہ عذاب ہیں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا القاء نہ صرف بچہ کے قلب میں کیا بلکہ اس کی زبان سے اس حقیقت کا اظہار بھی کروادیا اور بچہ نے اپنی ماں کی دعا کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ: اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنائیے۔

اسی طرح اس کی ماں نے اس باندی کی ظاہری مفلوک الحالی' ظاہری ذلت کے نقوش کو دیکھتے ہوئے اس جیسا نہ بننے کی دعا کردی۔ اللہ ربّ العالمین نے اس کی حقیقت بھی بچہ کے قلب میں القاء فرمائی تھی لہٰذا اس کا اظہار بھی کروادیا کہ اگرچہ وہ باندی مفلوک الحال ہے' اس پر بدکاری اور بدکرداری کے گھناؤنے الزام لگائے جارہے ہیں لیکن وہ نہ صرف پاکباز' باحیا اور عفیف و پاکدامن ہے

بلکہ چوری وغیرہ سے بھی محفوظ ہے لہٰذا بچہ نے اس جیسا بننے کی دعا کر دی۔

دعا کا مقصد:۔

اور بچہ کی دعا کا مقصد یہ نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔ کہ مجھے اس باندی والا حال عطا کر دیجئے بلکہ مقصد یہ تھا کہ جس طرح وہ باندی حق پر ہے اور حق پر ہونے کے باوجود مظلوم ہے اسی طرح مجھے بھی حق پر قائم رکھئے خواہ اس کے نتیجہ میں مجھ پر ظلم کیا جائے اور جس طرح اس آدمی کی شان و شوکت اور دنیاوی نعمتیں اور خوشحالی ظلم و جبر کا نتیجہ ہیں تو مجھے ظلم اور جبر کے ساتھ یہ نعمتیں نہ دیجئے' اگر یہ نعمتیں اور خوشحالی ظلم و جبر کا نتیجہ ہیں تو مجھے ظلم اور جبر کے ساتھ یہ نعمتیں نہ دیجئے' اگر یہ نعمتیں جائز اور حق طریقے سے ملیں تو ٹھیک ورنہ نعمتوں اور خوشحالی کے حصول کے لئے مجھے ظالم اور جابر بننے سے بچایئے پھر میرے لئے ایسی نعمتوں سے مفلوک الحالی بہتر ہے۔

گویا بچہ کی دعا کا مقصد دنیوی نعمتوں اور خوشحالی کا انکار نہیں بلکہ ظلم اور جبر کر کے حاصل ہونے والی نعمتوں اور خوشحالی سے انکار تھا۔ اور دوسرے قضیہ میں یہ مقصود نہیں تھا کہ جس طرح اس باندی کو لوگ موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں اور اسے مار رہے ہیں تو یہی حال میرے ساتھ بھی ہو بلکہ جس طرح یہ باندی حق پر ہونے' باکردار و پاکباز ہونے کے باوجود مظلوم ہے اسی طرح میں بھی حق پر قائم رہوں خواہ مظلوم ہی کیوں نہ بننا پڑے۔

۳۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظالم بننا (خواہ اس کے نتیجہ میں دنیا جہاں کی نعمتیں حاصل ہو جائیں) جائز نہیں اور مظلوم بننا (خواہ اس کے نتیجہ میں کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے) جائز اور پسندیدہ ہے۔ بالفاظِ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی نعمتیں حاصل کرنے اور معزز بننے کے لئے اور دنیاوی شان و شوکت بڑھانے کے لئے ظلم کرنا اور اس کے نتیجہ میں شان و شوکت حاصل کر لینا دنیا والوں کے نزدیک تو شاید اہمیت کا حامل ہو لیکن اللہ کی بارگاہ میں نہ صرف یہ کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ ظلم کے نتیجہ میں عذاب و سزا کا مستحق ہو گا۔

۴۔ اس واقعہ سے قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ کی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَسٰی أن تکرَهُوا شیئاً وهو خیرٌ لکم وعسٰی أن تُحِبّوا شیئًا وهو شرٌ لکم الآیة (البقره)

اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں۔

یعنی انسان ہر چیز کو ظاہری اعتبار سے دیکھتا ہے' ظاہر اچھا ہو تو فریفتہ ہو جاتا ہے حالانکہ اس کے

باطن میں خرابی اور فساد ہوتا ہے۔ اور ظاہر خراب ہو تو اس سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور اس کے باطن کی اچھائی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ یہ اندازِ فکر صحیح نہیں، ہر چیز کو ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے پرکھ کر اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا اہلِ عقل و دانش کا طریقہ ہے۔

۵۔ ایک ضمنی فائدہ اس حدیث سے یہ حاصل ہوا کہ ایک معلّم، مصلح اور واعظ و داعی کو اپنی بات دوسروں کو سمجھانے کیلئے ہر ممکن جائز طریقہ اپنانا چاہیئے جس سے اس کی بات دوسروں کو اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے، جیسے حضور اقدس ﷺ نے اس بچہ کے دودھ پینے اور ماں کی چھاتی کو چوسنے کی وضاحت عملاً فرمائی کہ اپنی انگلی مبارک کو منہ میں لے کر بتلایا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ بات سننے والوں کو خوب اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے ذخیرہ میں اس طرح کی بہت سے مثالیں ملتی ہیں کہ آپؐ نے کسی بات کو واضح کرنے اور سمجھانے کے لئے اس کا عملی مظاہرہ کر کے بتلایا۔

ہے جو میں پڑھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:

"اے اللہ! میں آپ کی مدد کے سہارے لڑتا ہوں' آپ ہی کی مدد کے سہارے حملہ کرتا ہوں اور اللہ بزرگ و برتر کے سوا نہ کسی کی طاقت ہے نہ قوت"۔

چند عبرت و نصائح

مندرجہ بالا واقعہ میں ایک مسلمان کے لئے نصیحت کے بہت سے پہلو ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ اپنے آپ کو' اپنی قوم اور اپنے لشکر کو بہتر سمجھنا' کسی بھی قوم کا اپنے آپ کو دوسری اقوام سے اعلیٰ و برتر سمجھنا یہ قوموں کی ہلاکت و بربادی کا بڑا سبب ہے۔ یہ چیز بڑی سے بڑی اقوام کو اور طاقتور سے طاقتور لوگوں کو تباہ کر دیتی ہے' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ کسی بھی قوم یا افراد کی خوبی یا کمال یا کوئی بھی قابلِ اعزاز چیز اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے کوئی قوم طاقت ور ہے تو اس کی طاقت بھی عطا کردہ الٰہی ہے' کسی قوم کو علم کی دولت سے سرفراز کر دیا تو ان کا علم بھی عطا کردہ الٰہی ہے۔ اگر طاقتور اپنی طاقت پر ناز اور گھمنڈ کرنے لگے اور علم والے اپنے علم پر غرہ (اتراہٹ) کا مظاہرہ کرنے لگیں اور اس کی بناء پر دوسری اقوام کو یا افراد کو کمتر اور حقیر تصور کرنے لگیں تو یہ اللہ کو سخت ناپسند ہے اور وہیں سے اس قوم کی ہلاکت کا سلسلہ اور زوال کا عمل شروع ہو جاتا ہے جیسے مذکورہ واقعہ میں نبیؑ کو اپنی عددی قوت و برتری پر ذرا ناز پیدا ہوا اور نتیجہ میں ستر ہزار افراد کی ہلاکت کو بھگتنا پڑا۔ لہٰذا ہر حال میں اعتماد و بھروسہ اللہ پر رکھنا چاہیئے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ خاصیت بھی حدیث سے واضح ہے کہ آپؐ اپنے صحابہؓ کے سامنے ان باتوں کو بیان فرماتے تھے جو ان کی تعمیر کردار کے لئے بہت ضروری ہوتی تھیں کیونکہ ان صحابہؓ نے آگے چل کر بہت بڑی اور بھاری ذمہ داری اٹھانی تھی۔ حکومت' سیاست' معاشرت کے ساتھ ساتھ اسلام کے کلمہ کو اقوام عالم کے سامنے بلند کرنا تھا' تو اللہ کے نبیؐ ان کے سامنے قوموں کے عروج و زوال کے اسباب بیان کرتے تھے تاکہ ان کی فکر درست ہو جائے اور ان کے اندر جہاں بانی کا سلیقہ پیدا ہو جائے۔

۳۔ اس واقعہ میں ایک عظیم سبق امت کے قائدین' زعماء اور رہنمایانِ ملک و ملت کیلئے پنہاں ہے وہ یہ کہ اپنے پیروکاروں' اپنے فداکاروں اور پیچھے چلنے والوں کو اللہ کے حکم پر بلائیں اور اللہ کی اطاعت پر انہیں کمربستہ کریں اور خود ستائی' ناز اور گھمنڈ سے بچیں' جیسا کہ اس واقعہ میں نبیؑ نے اپنی قوم کو اللہ کے حکم پر آمادہ کیا اور ان سے اطاعت کروائی۔

ہمارے دور میں رہنما اور قائدین و زعماء اپنی کثرتِ عدد اور طاقت پر بڑا گھمنڈ اور ناز کرتے ہیں لیکن اپنے ماننے والوں کے اخلاق و کردار' اعمال و اقوال اور دین کی کوئی فکر نہیں کرتے نہ ان سے اللہ کے احکام پر عمل کرواتے ہیں بلکہ اس کے برعکس یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض قائدین خود اپنی زندگی میں

صاحبِ دین و تقویٰ ہوتے بھی ہیں مگر وہ عوام اور اپنے معتقدین اور ماننے والوں میں جا کر ان کی مرضی کے مطابق خود بھی دین کے احکامات سے دور ہو جاتے ہیں کہ کہیں ان کے ماننے والے ناراض نہ ہو جائیں جیسا کہ آج کل اس کا عام مشاہدہ ہوتا ہے۔

۴۔ حدیث میں امت کے لئے ایک اور عظیم ہدایت یہ ہے کہ جب کبھی کوئی پریشانی، مصیبت یا گھبراہٹ ہو تو فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ہے کہ ان اللہ کے نبیؑ نے فوراً نماز کی نیت باندھ لی۔

خود جناب رسول اللہ ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ جب کبھی کوئی مشکل اور پریشانی لاحق ہوتی تو فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے قرآنِ کریم میں بھی یہی حکم اہلِ ایمان کو دیا گیا ہے کہ:

یاأیُها الّذینَ اٰمنوا استعینُوا بالصّبر والصّلوٰۃ (البقرہ)

"اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعہ سے"۔

لہٰذا ہمارے لئے یہی تعلیم ہے کہ جب کوئی مصیبت لاحق ہو کوئی پریشانی اور مسئلہ درپیش ہو تو اللہ کے دربار میں حاضری دیں اور نماز کی طرف رجوع کریں۔

۶۔ اہم قومی و ملّی معاملات کے اندر قائد اور سربراہِ قوم کی ذمہ داری یہ ہے کہ کوئی فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لے اور نہ ہی تنِ تنہا کوئی اہم فیصلہ کرے بلکہ اوّل تو خوب غور و فکر سے کام لے اور پھر اپنی قوم کے ذمہ دار افراد اور اہلِ دانش و اہلِ علم سے مشورہ کر کے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے تاکہ بعد میں نقصان نہ اٹھانا پڑے جیسا کہ اللہ کے نبیؑ نے اپنی قوم سے مشورہ کیا اور مشورہ کے بعد فیصلہ کیا۔

۷۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق ہر حال میں اللہ ہی سے مدد مانگنی چاہیئے اور خواہ اپنے پاس کتنے ہی اسباب و وسائل جمع ہوں اور افرادی قوت بھی خوب مہیا ہو لیکن ان اسباب و وسائل پر نظر کرنے کے بجائے حق تعالیٰ کی نصرت طلب کرنی چاہیئے اور اس پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے۔

خصوصاً جنگ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کردہ دعا جو اس حدیث میں مذکور ہے اس کا اہتمام تمام لوگوں کو عموماً اور قائدینِ امت کو خصوصاً کرنا چاہیئے۔

اٹھارواں قصہ:۔﴿۱۸﴾

میری آنکھوں نے جھوٹ دیکھا

تمہید

انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ جو وسعتِ ظرفی اور انسانیت کا جو اعلیٰ مقام عطا فرماتے ہیں اس کے نتیجہ میں اسی طرح کی عجیب واقعات ظہور میں آتے ہیں۔ زیرِ نظر یہ واقعہ حضرت عیسیٰ بن مریم کا ہے جو الفاظ کے اعتبار سے تو بہت مختصر لیکن فوائد کے اعتبار سے بہت عظیم ہے۔

نص الحدیث:

روى البخاري ومسلم في صحيحيهما عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: (رَأَى عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَجُلا يَسْرِقُ ، فَقَالَ لَهُ: أَسَرَقْتَ؟ قَالَ: كَلا وَاللهِ الَّذِي لا إِلَهَ إِلا هُوَ، فَقَالَ عِيسَى: آمَنْتُ بِاللَّهِ وَكَذَّبْتُ عَيْنِي).

ترجمۃ الحدیث:۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ایک بار حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا: کیا تونے چوری کی ہے؟ وہ فوراً کہنے لگا: ہرگز نہیں! اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا کہ: میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھ کو جھٹلاتا ہوں"

تخریج الحدیث:۔

صحیح البخاری ر اُحادیث الأنبیاء (۶/۴۷۸)
صحیح مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب فضائل عیسیٰؑ (۴/۱۸۳۸)

تشریح الحدیث

حضرات انبیاء علیہم السلام انسانی زندگی میں ایک منفرد اور مختلف کردار اور نمونہ کے حاصل ہوتے ہیں ان کی زندگی دیگر انسانوں کی طرح نہیں ہوتی کہ جذبات سے مغلوب ہو جائیں۔ ان کے اندر انسانیت کا احترام بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ وہ ایک انسان کو گناہ سے بچانے کے لئے اپنی ذات پر بھی بات لے لیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان اور جلیل القدر انبیاء میں سے تھے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا۔ انبیاءؑ کی شان یہ ہوتی ہے کہ کسی کو غلط کام

کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اس شخص سے کہا کہ تم چوری کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ: میں چوری نہیں کر رہا تھا اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

چنانچہ جب اس نے قسم کھائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باوجود اس کے کہ اپنی آنکھوں سے اسے چوری کرتے ہوئے دیکھا تھا اس کی قسم کو سچ جانا' اور فرمایا کہ میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور اپنی آنکھوں کو جھٹلاتا ہوں گویا ایک مسلمان کے متعلق یہ خیال کیا کہ وہ جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا اور اسے رسوائی سے بچایا اس سے معلوم ہوا کہ حتی الامکان ایک مسلمان کو رسوائی سے بچانا انبیاء کرام کا طریقہ ہے یہ بات نہیں تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جھوٹے اور سچے شخص کے درمیان فرق نہیں کر سکتے تھے بلکہ ان کی نظر میں اللہ کے نام کی عظمت یہ تھی کہ جب اس نے اللہ کی قسم کھائی تو اسے جھوٹا گردانا مناسب نہ سمجھا اور اپنے مشاہدہ کو غلط قرار دیدیا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام بندوں پر نگران اور ان کے افعال پر سزا دینے والے نہیں ہوتے' رقیب و نگران اور سزا دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ کوئی شخص کوئی جھوٹی قسم کھا کر دنیا میں سزا سے اپنے آپ کو بچالے لیکن اللہ کے عذاب سے تو خلاصی اور مفر ممکن نہیں۔

چند عبرت و نصائح

اس حدیث میں ہمارے لئے نصیحت کے کئی پہلو ہیں۔

۱۔ پہلی بات تو یہ کہ اللہ کے نام کی عظمت بہت زیادہ ہے۔ انسان کو اس کے نام کا بہت زیادہ احترام کرنا چاہیئے' ایک مسلمان کے قلب میں اللہ کے نام کی عظمت تمام چیزوں سے زیادہ ہونی چاہیئے۔ جب کوئی اللہ کا نام لے کر اور اس کا واسطہ دے کر کوئی بات کہے تو اس کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں اور یہ گمان کرنا چاہیئے کہ یہ شخص اتنی عظیم ذات کے نام کا واسطہ دے رہا ہے تو اس ذات کے نام کے ساتھ جھوٹ نہیں بول سکتا' البتہ اگر وہ فی الحقیقت جھوٹا ہے اور اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھا رہا ہے تو وہ اپنے جھوٹ کی سزا بھگتے گا۔ اسی طرح اگر حکم کے اور قاضی کے سامنے کوئی اللہ کے نام سے جھوٹا حلف لے اور اس کے خلاف سچی شہادتیں موجود ہوں تو قاضی کو اختیار ہے کہ اسکے حلف کو رد کر دے خصوصاً جب کہ وہ جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی کا حق غصب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

۲۔ حتی الامکان ایک مسلمان کی پردہ پوشی اور اس کے عیوب کو چھپانا چاہیئے۔ اور اگر وہ اپنے کسی گناہ کی معذرت یا اس سے انکار کرے تو اسے قبول کرنا چاہیئے۔ بشرطیکہ اس سے کسی کا کوئی حق فوت نہ ہوتا ہو۔ نہ کسی کے ساتھ کوئی زیادتی ہوتی ہو۔ البتہ اگر پردہ پوشی سے کس کا حق ضائع ہونے کا احتمال اور اندیشہ ہو تو پھر پردہ دری کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن وہ پردہ دری بھی متعلقہ شخص کے سامنے ہونی چاہیئے۔ غیر متعلقہ متعلقہ افراد کے سامنے پردہ دری پھر بھی نہ کرنا چاہیئے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں

حصّۂ دوم

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے عجیب واقعات

انیسواں قصہ :۔﴿۱۹﴾

غیبی رزق کا انتظام

تمہید

اللہ پر توکل اور اعتماد اہل اللہ کا سرمایہ ہے' اور یہ وہ سرمایہ ہے کہ ہر ایک سے بے نیاز کر دیتا ہے' جسے اللہ پر توکل اور اعتماد کی دولت نصیب ہو جائے وہ ہر شئ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اس کی ضروریات کا کفیل خود خالقِ کائنات ہوتا ہے اور پھر اس کی قدرت کے ایسے عجیب و غریب واقعات ظہور میں آتے ہیں۔

نص الحدیث :

روى الطبراني في الأوسط، والبيهقي في الدلائل، عن أبي هريرة قَالَ: «أصَابَ رَجُلاً حَاجَة، فَخَرَجَ إِلى الْبَرِيَّةِ، فَقَالَتَ امْرَأَتُه: اللَّهُمَّ ارْزُقْنا مَا نَعْتَجِنُ وَمَا نَخْتَبِزُ، فَجَاءَ الرَّجُلُ وَالْجَفْنَةُ مَلأَى عَجِينًا، وَفِي التَّنُّورُ الشِّوَاء، والرَّحِي تَطْحَنُ، فَقَالَ: مِنْ أَيْنَ هٰذَا؟ قَالَتْ: مِنْ رِزْقِ اللهِ، فَكَنَسَ مَا حَوْلَ الرَّحَى، فَقَالَ رسول الله ﷺ: (لَوْ تَرَكَهَا لَدَارَتْ أَوْ طَحَنَتْ إِلى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) .

ترجمۃ الحدیث :۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ :

"ایک شخص حاجت مند تھا' وہ رزق کی تلاش میں جنگل کی طرف نکل گیا۔ پیچھے اس کی بیوی نے دعا کی:

"اے اللہ! ہمیں کچھ ایسی چیز (آٹا) عطا فرما کہ ہم اسے گوندھ کر روٹی بنا سکیں' وہ شخص واپس آیا تو دیکھا کہ آٹے کا برتن آٹے سے بھرا ہوا ہے اور تنور میں گوشت بھن رہا ہے' اور چکی آٹا پیس رہی ہے اس نے کہا کہ یہ کہاں سے آیا؟ وہ کہنے لگی کہ یہ اللہ کا عطا کردہ رزق ہے۔ اس نے چکی کے ارد گرد سے جھاڑو دے دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ اسے اسی طرح چھوڑ دیتا تو وہ چکی قیامت تک اسی طرح گھومتی رہتی یا فرمایا اسی طرح آٹا پیستی رہتی (اور آٹا کبھی ختم نہ ہوتا)۔

تخریج الحدیث :

رواہ الطبرانی فی الأوسط۔ والبیہقی فی الدلائل۔ مسند البزار ومسند الإمام احمد بن حنبلؒ۔

قال الہیثمی فی مجمع الزوائد: رواہ احمد والبزار والطبرانی فی الأوسط بنحوہ۔

تشریح الحدیث

اس حدیث میں رسول کریم ﷺ نے نیک میاں بیوی کا قصہ بیان فرمایا ہے جو غربت وافلاس کے باعث شدید فاقہ کشی اور بھوک کا شکار تھے، لیکن اللہ تعالیٰ پر یقین واعتماد اور توکل کی دولت سے مالا مال تھے، شوہر بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر جنگل میں نکل گیا تو بیوی نے پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے جو تمام بے سہاروں کا سہارا ہے دعا کی:

"اے اللہ! ہمیں کچھ آٹا عطا کر دے جسے ہم گوندھ کر روٹی بنا سکیں" اُدھر جب وہ شخص واپس گھر پہنچا تو عجیب منظر دیکھا کہ آٹے کا برتن بھرا ہوا ہے، گوندھا ہوا آٹا اس میں موجود ہے۔ اور چکی میں گندم بھری ہوئی ہے اور آٹا پیس رہی ہے جب کہ تنور میں تازہ گوشت بھن رہا ہے۔ وہ حیران پریشان کہ تازہ گوشت اور اتنا کثیر آٹا کہاں سے آگیا۔ چنانچہ اس نے بیوی سے پوچھا کہ:

"یہ کہاں سے آیا؟ بیوی نے کہا کہ یہ سب اللہ کا عطا کردہ رزق ہے۔ اس شخص نے وہ آٹا جو چکی کے ارد گرد تھا جھاڑو سے صاف کر دیا۔

رسول کریم ﷺ نے ہمیں بتلایا کہ: "اگر وہ اسے یونہی چھوڑ دیتا تو قیامت تک چکی یونہی چلتی رہتی اور آٹا پیستی رہتی"۔

بعض لوگ اس قسم کے واقعات کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ اور اس قسم کے واقعات عقل کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے اور انسانی عقل ان کو تسلیم کرنے سے عاری ہے۔ لیکن حدیث اور دیگر صحیح دلائل سے ثابت شدہ اس قسم کے واقعات انکارِ حدیث کے علاوہ مزاجِ شریعت اور اللہ کی قدرت کا بھی ایک طرح سے انکار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بغیر ظاہری سبب کے بھی پالتے ہیں۔ انسان تو اسباب کا محتاج ہے لیکن اللہ ربّ العالمین محتاج نہیں ہیں اسباب ووسائل کے، اور واقعہ یہ ہے کہ اسباب بھی تو اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس لئے اس کی قدرت ان تمام باتوں پر حاوی ہے۔ اس قسم کے واقعات کو انسانی عقل کی بنیاد پر پرکھنا صحیح نہیں ورنہ دین کے ایک اہم حصہ کا انکار لازم آئے گا۔ یعنی معجزات اور کرامات جو بالکل برحق ہیں، عقل پرست اور مادہ ووسائل کی بنیاد میں بسنے والے ہر چیز کو اسی تناظر میں دیکھتے ہیں جو اللہ دشمن کے گھر میں موسیٰ کی پرورش کر سکتا ہے، جو اللہ پتھر کے پیٹ میں موجود کیڑے کو رزق دے سکتا ہے اور جو اللہ ماں کے خون کو بچہ کی غذا بنا سکتا ہے اور جو اللہ بیج کو مٹی کی تاریکی میں پالتا اور پھر اسے کونپل بنا کر زمین کا سینہ چیر کر نکالتا اور اسے پھل دار درخت میں تبدیل کرتا ہے، وہ اللہ جو کروڑہا کروڑ مخلوقات کو ہمہ وقت پال رہا ہے اور قیامت تک پالتا رہے گا، وہ اللہ ایک انسان کو جو اس کا نام لیوا، اس کے احکامات پر چلنے والا اور اس کی مان کر گزارنے والا ہے اسے بغیر کسی سبب کے رزق نہیں دے سکتا؟ اس کا انکار بے عقلی کی دلیل ہے۔ یہ صفحات اس موضوع پر

تفصیل کے متحمل نہیں ورنہ دو چار دس نہیں بیشمار واقعات قرآن و حدیث میں بھرے پڑے ہیں جو اللہ کی عجیب قدرت کے شاہکار ہیں۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ کرامات کا ثبوت اپنے نیک بندوں کے لئے' اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی کس طرح مدد فرماتے اور ان کے رزق رسانی کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ کرامات الصالحین برحق ہیں اور نصوصِ کثیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ' بندگان صلحاء کی کرامات برحق ہیں۔

لیکن آج کل بہت سے لوگوں نے جھوٹی کرامات کا ایک ایسا دروازہ کھول دیا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی بزرگی ثابت کرنے کی فکر میں رہتے ہیں' اس باب میں جھوٹے واقعات کی کثرت ہو گئی ہے لہٰذا بالکل معتبر اور سچی بات کی تو تصدیق کر سکتے ہیں ورنہ ہر سنی سنائی کرامت کی تائید و تصدیق نہیں کرنا چاہئے' یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہیکہ کرامات کسی مسئلہ کیلئے حجت شرعی نہیں بن سکتیں۔

۲۔ حدیث سے دعا کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دعا اگر اخلاص کے ساتھ اور اپنی لازمی شرائط کے ساتھ کی جائے ضرور شرفِ قبول حاصل کرتی ہے اور بعض اوقات تو فوراً نتیجہ مل جاتا ہے' جیسے اس واقعہ میں اس عورت کی دعا کا فوری اثر اللہ تعالیٰ نے دکھایا۔ اس لئے ہمیشہ دعا کا اہتمام اس کی لازمی شرائط کے ساتھ کرتے رہنا چاہیئے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کی تصدیق اس واقعہ کی مزید تاکید کرتی اور اسے معتبر ترین بناتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو جو نعمتِ غیر مترقبہ عطا فرمائیں اسے ختم کرنے اور اس کی ناقدری کرنے سے گریز کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ چکی کو یونہی چلتے رہنے دیتا اور اس کے ارد گرد کے آٹے کو صاف نہ کرتا تو چکی قیامت تک چلتی رہتی اور آٹا نکلتا رہتا۔ لیکن اس نے گھبرا کر اس کی صفائی کر دی اور آٹا آنا بند ہو گیا۔

اسی طرح خود رسول اللہ ﷺ کیساتھ جو معجزہ خندق میں پیش آیا کہ حضرت جابرؓ کا تیار کیا ہوا تھوڑا سا کھانا ایک عظیم لشکر کے لئے کافی ہو گیا تو اس میں بھی حضور علیہ السلام نے حضرت جابرؓ سے یہی فرمایا کہ میرے آنے تک برتن کو کھولنا مت اور جب آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے نکالنا

شروع کیا تو بھی آپ سالن اور روٹی کا برتن فوراً ڈھک دیتے تھے (نبیٔ رحمتؐ ۳۲۹)
گویا غیبی نصرت کی حقیقت معلوم کرنے کی انسان کو کوشش نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اللہ کی عطا کردہ اس نعمت اور نصرت پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

بیسواں قصہ :۔ ﴿۲۰﴾

......اور مردہ زندہ ہو گیا

تمہید

موت اور قبر کے حالات کے بارے میں تجسس انسانی فطرت ہے' بنی اسرائیل کے کچھ لوگ ایک مرتبہ کسی قبرستان سے گذرے تو دل میں عجیب خواہش نے سر اٹھایا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے اور اس سے موت کے متعلق معلوم کریں' اللہ نے انکی خواہش کو پورا کیا' ذیل کے قصہ میں اس کی تفصیل بتلائی گئی ہے۔

نص الحدیث :

عن جابر بن عبد الله: أن رسول الله ﷺ قَالَ: (خَرَجَتْ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ حَتَّى أَتُوا مَقْبَرَةَ لَهُم مِنْ مَقَابِرِهِمْ، فَقَالُوا: لَوْ صَلَّيْنَا رَكْعَتَيْنِ، وَدَعَوْنَا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُخرِجَ لَنَا رَجُلاً مِمَّنْ قَدْ مَاتَ نَسْأَلَهُ عَنِ الْمَوْتِ، قَالَ: فَفَعَلُوا فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ أَطْلَعَ رَجُلٌ رَأْسَهُ مِنْ قَبْرٍ مِنْ تِلْكَ الْمَقَابِرْ ؛ خِلاسِيٌّ، بَيْنَ عَيْنَيْهِ أَثَرُ السُّجُودِ، فَقَالَ: يَا هؤُلاءِ مَا أَرَدْتُم إِلَيَّ ؟ فَقَدْ مِتُّ مُنْذُ مَائَةِ سَنَةٍ، فَمَا سَكَنَتْ عَنِّي حَرَارَةُ الْمَوْتِ حَتَّى كَانَ الآنَ، فَادْعُوا اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لِي يُعِيدُنِي كَمَا كُنْتُ) .

ترجمۃ الحدیث :

حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بنی اسرائیل کی ایک جماعت سفر میں نکلی' چلتے چلتے وہ قبرستانوں میں سے کسی قبرستان پر پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم دو رکعت پڑھ کر اللہ عز و جل سے دعا کریں شاید وہ ہمارے واسطے مردوں میں سے کسی ایک آدمی کو زندہ کر کے باہر نکال دے تا کہ ہم اس سے موت کے متعلق دریافت کریں۔

انہوں نے ایسا ہی کیا' اسی اثناء میں ان قبروں میں سے کسی قبر سے ایک آدمی کا سر نمودار ہوا' اس کی رنگت گندمی تھی اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سجدہ کا نشان تھا' اس نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: "اے لوگو! تمہارا مجھ سے کیا ارادہ ہے؟ (مجھے زندہ کرانے کا کیا مقصد ہے؟) میں تو سو سال سے مرا ہوا ہوں اور موت کے وقت کی حرارت مجھ سے ابھی تک ٹھنڈی نہیں حتی کہ ابھی بھی اس کی حرارت موجود ہے تم اللہ عز و جل سے دعا کرو کہ مجھے ویسا ہی کر دے جیسا کہ میں تھا"۔

تخریج الحدیث :۔

أخرجه 'احمد فی مسندہ' کتاب الزھد ۱۶/ ۱۷۔

منصف ابن ابی شیبہ ۹/ ۶۲

مسند البزات ا/ ا۔

تشریح الحدیث

رسول کریم ﷺ نے احادیث میں کئی مقامات پر بنی اسرائیل کے عجیب قصے اور واقعات عبرت و نصیحت کے لئے بیان فرمائے ہیں۔ اور وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل بہت عجیب قوم تھی' اس کی عادت اور انداز واطوار بھی دیگر قوموں سے بہت مختلف تھے' ان کے بہت سے واقعات عجیب وغریب اور نصیحت سے بھرپور ہوتے ہیں۔

یہ واقعہ بھی اس اعتبار سے عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض لوگوں کی دعا اور خواہش کے پیشِ نظر ان کی نصیحت کے لئے ایک مردہ شخص کو زندہ فرمادیا اور اس نے ان سے باتیں کیں۔

اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہیں مگر دنیا کے اندر اصول یہی ہے کہ مردوں کو قیامت سے قبل دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا البتہ بعض مرتبہ ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ کسی نبی یا نیک لوگوں کی خواہش پر عبرت و نصیحت اور اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے مظاہرہ کے لئے بعض مردوں کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرمایا ہے۔ ان معدودے چند واقعات میں سے ایک تو وہ ہے جو سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيارِهِم وَهُم أُلُوفٌ حَذَرَ المَوتِ۔
فَقالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحياهُم۔ (الآية)

"کیا آپؐ نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے'
پھر فرمایا اللہ نے ان کو کہ مرجاؤ۔ پھر ان کو زندہ کردیا"۔ (البقرہ/ ۲۴۳)

یہ واقعہ بھی بنی اسرائیل ہی کا ہے جس کی تفصیل ابنِ کثیر میں بیان کی گئی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کسی شہر میں بستی تھی' وہاں طاعون پھیلا یہ لوگ گھبرا گئے اور موت کے خوف سے تقریباً دس ہزار افراد وہاں سے نکل بھاگے اور کہیں دور دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں مقیم ہوگئے۔ اللہ نے یہ حقیقت بتلانے کے لئے کہ موت سے کسی حال میں مفر نہیں' ان کو سزا دی اور دو فرشتے بھیج دیئے اور انہوں نے ان کے سروں پر ایسی آواز لگائی کہ سب کے سب موت کے منہ میں چلے گئے' اور ان کی لاشیں گل سڑ گئیں۔

ایک زمانۂ دراز کے بعد بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت حزقیل علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا تو بڑی تعداد میں انسانی ہڈیاں دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی سارا واقعہ انہیں بتلایا' انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ انہیں پھر زندہ فرمادے۔ اللہ نے حضرت حزقیلؑ کی دعا قبول فرمائی اور ان

سب کو زندہ کر دیا"۔(تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن ار ۵۹۲ر ۵۹۳)

اسی طرح اس شخص کے زندہ ہونے کا واقعہ جس کو بعض لوگوں نے قتل کر دیا تھا پھر اسے اللہ نے دوبارہ زندہ کیا اور اس نے اپنے قاتل کے بارے میں بتلایا۔(البقرہ) اور حضرت عیسیٰؑ کے قول پر اللہ نے مردہ کو زندہ کر دیا۔

تو مُردوں کو زندہ کرنے کے چند واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو مذکورہ بالا حدیث مین ذکر کیا گیا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے بعض لوگ سفر میں نکلے۔ راہ میں کسی قبرستان سے گذر ہوا تو دل میں خیال ہوا کہ کاش ایسا ہو جائے کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے اور ہم اس سے قبر اور موت کے احوال معلوم کریں۔ انہوں نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ کسی کو زندہ کر دے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ایک نیک مردہ شخص کو زندہ کر دیا' جس نے زندہ ہونے کے بعد ان لوگوں کو مخاطب کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ شخص گندمی رنگت والا تھا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان سجدہ کا نشان تھا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص اپنی زندگی میں نماز کا پابند اور احکاماتِ الٰہیہ پر عامل تھا۔

اس شخص نے زندہ ہو کر ان لوگوں سے ان کی اس حرکت پر اپنی ناگواری کا اظہار کیا کہ انہوں نے اسے دوبارہ کیوں زندہ کروایا۔ اور اس نے بتلایا کہ اسے موت آئے ہوئے سو برس گزر چکے ہیں اور جس وقت سے اسے موت آئی ہے اس وقت سے لے کر اب تک موت کی گرمی ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ اور اس نے ان لوگوں سے درخواست کی کہ اللہ سے دعا کریں کہ اسے اس کی حالت پر لوٹا دیں یعنی اسے دوبارہ موت آجائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موت کی سختی طویل عرصہ تک بھی برقرار رہ سکتی ہے۔ اور یہ سختی صلحاء کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام اہلِ ایمان کو موت کی سختی اور سکرات کی شدّت سے محفوظ فرمائے اور ہم سب کو دنیا و آخرت کی راحت نصیب فرمائے اور ہماری قبروں کو جنت کا باغ بنائے۔ آمین

چند عبرت و نصائح

۱۔ سابقہ امتوں اور اقوام کے متعلق جو واقعات اور حالات قرآن و سنّت میں بیان کئے گئے ہیں ان کے قابلِ اعتماد اور صحیح ہونے میں تو کوئی شک اور شبہ نہیں ہے اور ان سے بلاشبہ عبرت و نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔

البتہ قرآن وسنت کے علاوہ جو باتیں اور واقعات اسرائیلی روایات سے منقول ہیں ان کی صحت کے متعلق کوئی بات حتمی طور پر نہیں کی جاسکتی کہ آیا وہ صحیح ہیں یا غلط؟

اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ ان اسرائیلی روایات سے منقول جو بات قرآن وسنت کے احکامات سے متصادم ہو تو اس کو تو رد کردینا چاہئے۔

اسرائیلیات کا حکم:۔

اسرائیلیات ان روایات کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ ان کی حقیقت یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعین مشرف بہ اسلام ہونے سے قبل اہلِ کتاب کے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے' بعد میں جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی تو انہیں قرآن کریم میں پچھلی امتوں کے بہت سے وہ واقعات نظر آئے جو انہوں نے اپنے سابقہ مذہب کی کتابوں میں بھی پڑھے تھے' چنانچہ وہ قرآنی واقعات کے سلسلہ میں وہ تفصیلات بھی مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے جو انہوں نے اپنے پرانے مذہب کی کتابوں میں دیکھی تھیں' یہی تفصیلات ''اسرائیلیات'' کے نام سے تفسیر کی کتابوں میں داخل ہوگئیں ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے جو بڑے محقق مفسرین میں سے ہیں لکھا ہیکہ اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ روایات جن کی سچائی قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ مثلاً اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے یا مثلاً فرعون کا غرق وغیرہ۔ ان کی تصدیق قرآن کریم نے بھی کی ہے۔

۲۔ وہ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے مثلاً اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی آخری عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہوگئے تھے' اس کی تردید قرآن کریم سے ثابت ہے وما کفرَ سُلیمانُ (البقرہ) ''اور سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا''۔ اسی طرح مثلاً اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت داوٗد علیہ السلام نے اپنے سپہ سالار اوریا کی بیوی سے زنا کیا (نعوذ باللہ) یہ بھی قرآن وسنت کی رو سے کھلا جھوٹ ہے۔ تو اس قسم کی روایتوں کو غلط اور جھوٹا سمجھنا لازم ہے۔

۳۔ وہ روایات جن کے بارے میں قرآن وسنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں جیسے کہ توراۃ کے احکامات وغیرہ۔ ایسی روایات کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے نہ ان کی تصدیق کی جائے نہ تکذیب۔ (خلاصہ از مقدمہ تفسیر معارف القرآن۔ ا ر ۵۲' ۵۳)

اس ساری تفصیل کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب یہ بات سمجھ لیں کہ مذکورہ بالا واقعہ بالکل درست اور قابلِ اعتماد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے۔ درحقیقت احیاءِ موت کے یہ چند واقعات جو

پیش آئے ہیں وہ اس بات کو بتلانے کے لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اس وقت اِن مُردوں کو زندہ کر کے قبروں سے صحیح سالم اٹھانے پر قادر ہیں ٹھیک اسی طرح روزِ قیامت بھی وہ تمام انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے اور جہلاء کا یہ اعتراض کہ مرنے کے بعد جب ہڈیاں تک گل سڑ جائیں گی تو ہم دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے بالکل بے تکا اور باطل ہو جاتا ہے۔

۲۔ حدیث میں بیان کردہ واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی اہم کام سے قبل دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرنا مستحب ہے تا کہ جو کام کرنے جا رہا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کرم شامل ہو جائے۔ نماز کی برکت سے تمام کاموں میں خیر و برکت اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اہلِ ایمان کو یہی حکم فرمایا ہے کہ:

یاأیُها الَّذینَ اٰمنُوا استعینُوا بالصّبر و الصّلواۃ (البقرہ)

”اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعہ سے“۔

۳۔ حدیث سے صلحاء اور نیک لوگوں کے حق میں کرامت کے ظہور اور اس سے برحق ہونے کی دلیل بھی موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہ طورِ کرامت ان نیک بندوں کے لئے ایک مردہ کو زندہ فرما دیا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کی ایسی دعائیں بھی بعض اوقات قبول فرما لیتے ہیں جن کا پورا کرنا عام طور پر محال اور مشکل ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے بھی خلاف ہوتا ہے۔

اکیسواں قصہ :۔﴿۲۱﴾

نصف مال سمندر کی نذر

تمہید

قدرت انسان کی ہوس اور لالچی طبیعت کو سبق سکھانے کے لئے بعض اوقات بے زبان جانوروں سے بھی عجیب کام لیتی ہے' ایک ایسے ہی ہوسِ زر میں مبتلا انسان کا قصہ جس کو اللہ نے ایک بندر کے ذریعہ سبق سکھایا۔ لسانِ نبوت اس عجیب قصہ کو بیان کرتی ہے۔

نص الحدیث :۔

عن أبي هريرة عن رسول الله ﷺ قَالَ: (إِنَّ رَجُلاً كَانَ يَبِيعُ الخَمْرَ فِي سَفِينَةٍ وَكَانَ يَشُوبُ الخَمْرَ بِالمَاءِ وَمَعَهُ قِرْدٌ، فَأَخَذَ الْكِيسَ فَصَعِدَ الدَّقَلَ، فَجَعَلَ يُلْقِي دِينَاراً فِي الْبَحْرِ وَدِينَاراً فِي السَّفِينَةِ، حَتَّى جعلهُ نِصْفَينِ).

ترجمة الحدیث :۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایک شخص کشتی کے اندر شراب فروخت کیا کرتا تھا اور (چونکہ ہوسِ زر میں مبتلا تھا اس لئے حرام کمائی کے باوجود مزید حرام کا ارتکاب کرتا اور) شراب میں پانی ملایا کرتا تھا' اس کے ساتھ ایک بندر بھی تھا' اس بندر نے اس کے دینار کی تھیلی اٹھائی اور بادبان کے ڈنڈے پر جا چڑھا۔ اور تھیلی میں سے ایک دینار نکالتا اور اسے سمندر میں ڈال دیتا اور دوسرا دینار نکالتا اور اسے کشتی میں ڈال دیتا اس طرح اس نے سارے دیناروں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا (اور آدھا سمندر کی نذر کر دیا تاکہ جو ملاوٹ کے عوض مال کمایا ہے وہ ضائع ہو جائے کہ وہ شخص ان دیناروں کا حق دار نہیں تھا)۔

تخريج الحديث:۔

رواہ الحربی فی الغریب عن ابی ہریرہؓ مرفوعاً۔ ۲/۱۵۵/۵۔
ورواہ البیہقی فی "شعب الایمان"۔ ۳۳۲/۴۔
ورواہ احمد فی مسندہ۔ ۳۰۶/۲۔

تشریح الحدیث

یہ ایک ہوسِ میں مبتلا لالچی تاجر کا قصہ ہے جو ام الخبائث شراب کی خرید و فروخت کا کاروبار کیا کرتا تھا' زیادہ مال کم وقت میں کمانے کی دھن نے اسے ملاوٹ پر آمادہ کر دیا اور اس نے شراب میں پانی ملانا شروع کر دیا۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اسلام سے قبل پچھلی شریعتوں میں سے بعض شرائع کے اندر شراب

حرام نہیں تھی جیسا کہ اسلام کے بھی ابتدائی دور میں حرام نہیں تھی۔ لہٰذا یہ اشکال ختم ہو گیا کہ اس شخص کو شراب میں ملاوٹ پر قابلِ مذمت گردانا گیا لیکن خود شراب فروخت کرنا کیسے صحیح اور روا تھا؟ اور حدیث میں اس پر اسے قابلِ مذمت کیوں نہ گردانا گیا؟ حدیث سے یہ تو ہم نہیں پیدا ہونا چاہئے کہ شراب فروخت کرنا کوئی برا عمل نہیں۔

یہ واضح رہنا چاہئے کہ پچھلی شریعتوں میں سے کسی شریعت کا واقعہ ہے' شریعتِ محمدیہ میں شراب سے ہر قسم کا ادنیٰ تعلق خواہ پینے کا ہو خواہ پلانے کا خواہ فروخت کا ہو خواہ خریدنے کا' خواہ بنانے اور کشید کرنے کا ہو خواہ اس میں کسی بھی قسم کے تعاون کا ہر طرح کا تعلق بالکل حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔

بہر کیف! وہ شخص شراب میں ملاوٹ کرتا اور پانی ملا کر فروخت کیا کرتا تھا' اور اس کا یہ کاروبار ایک کشتی میں جاری تھا۔ اس کے ساتھ ایک بندر بھی تا جو یہ سب معاملہ دیکھتا تھا۔ اس نے اچانک یہ کیا کہ اس شخص کے دیناروں کی تھیلی اٹھا کر بادبانی کشتی کا جو اوپر والا ڈنڈا ہوتا ہے اس پر جا چڑھا تاکہ اس تاجر کے ہاتھ نہ لگے اور تھیلی میں سے دینار نکال کر ایک سمندر میں پھینکنا شروع کر دیا' ایک دینار سمندر میں پھینکتا جاتا دوسرا کشتی میں ڈالتا جاتا۔ اس طرح اس نے آدھے دینار سمندر بُرد کر دیئے اور آدھے دینار تاجر کے لئے کشتی میں ڈال دیئے' گویا اسے ایک طرح سے سبق سکھا دیا کہ جو مال تو نے ملاوٹ کر کے کمایا تھا اس پر تیرا کوئی حق نہیں بنتا تھا لہٰذا وہ اسی قابل تھا کہ سمندر میں پھینک دیا جائے۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ حدیث کا بنیادی سبق اور تعلیم تو غش (دھوکہ اور ملاوٹ) کی مذمت اور اس کا ناجائز ہونا بیان کرنا ہے اور اس پر مرتب ہونے والے قدرتی اثرات کا بیان ہے' کسی کو دھوکہ دینا اور مال میں ملاوٹ کر کے فروخت کرنا قطعاً حرام ہے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی بھی حرام ہے۔

شریعتِ اسلامیہ نے بھی "ملاوٹ" کو بدترین گناہ اور حرام قرار دیا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ غَشَّ فلیس منّا۔ (الحدیث) جس نے ملاوٹ کی یا دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ اسلام نے جس قدر سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا بدقسمتی سے ہمارے مسلمان بھائی اتنا ہی اس کے اندر مبتلا ہیں۔ ہوسِ زر میں مبتلا انسانیت سے عاری' سفاک لوگ اشیائے ضرورت کی ہر چیز میں ملاوٹ کرنے سے باز نہیں رہتے' دودھ' شہد' گھی وغیرہ تو معمولی اشیاء ہیں ستم تو یہ ہے کہ دواؤں تک میں ملاوٹ ہونے لگی ہے' آخرت سے غافل' زر کے پجاری یہ غلیظ عناصر ہمارے معاشرہ میں یہ گھناؤنا کھیل دھڑنے سے کھیلتے ہیں اور کوئی انکے ہاتھ روکنے والا نہیں۔ ایسے لوگ انسانیت کے قاتل ہیں۔

بہر حال! ملاوٹ زدہ اشیاء فروخت کرنا اور خود ملاوٹ کرنا سخت گناہ اور حرام ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ غلط کاموں پر اصل سزا تو آخرت ہی میں دیں گے، لیکن بعض اوقات دنیا میں بھی اس کی سزا دیتے ہیں، انسان کے اوپر پیش آنے والے مختلف حوادث اور مصائب دنیا کی غلط کاریوں کا ہی شاخسانہ ہوتی ہیں۔

اس تاجر کو ملاوٹ کی سزا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کے اپنے بندر کے ذریعہ دی کہ اس نے اس کے آدھے مال کو سمندر کی نذر کر دیا۔

۳۔ حدیث سے حیوانات کے عجیب و غریب اسرار بھی معلوم ہوتے ہیں کہ جانوروں اور حیوانات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک عقل اور بعض معاملات کو سمجھنے کا ذوق رکھا ہے۔ مذکورہ واقعہ میں بندر کا یہ عمل اس کے معاملہ کو سمجھنے اور عدل وانصاف کے مطابق کام کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

۴۔ ایک بات ضمناً یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر انسان کے پاس حرام اور ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ رقم یا مال ہو تو اسے استعمال کرنا نہ چاہئے بلکہ اسے ضائع کر دینا یا کسی دوسرے مستحق کو دے دینا چاہیئے۔ چنانچہ شریعتِ اسلامیہ میں یہی حکم ہے کہ اوّل تو ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرنے سے اجتناب کرو، اور اگر کہیں سے ناجائز مال مل جائے تو کم از کم اسے استعمال نہ کرو۔

بعض لوگوں کے پاس سود کی رقم جمع ہوتی ہے تو اسے بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے، سود کی رقم حرام ہے، ایسی رقوم اور اموال کو کسی مستحق کو دیدینا بہتر ہے لیکن مستحق کا تعین علماء سے پوچھ کر کیا جائے۔

بائیسواں قصہ:۔﴿۲۲﴾

گائے اور بھیڑیئے کا انسان سے مکالمہ

تمہید

اس دنیا کے اندر پیش آنے والے عجائبات اس قادرِ مطلق کے کرشمے ہیں کہ ہر شئے اس کی قدرت کا نمونہ ہے۔ وہ جسے چاہے گویائی بخش دے، نطق و بیان سے نواز دے اس کی قدرت ہے، چاہے تو بھلے انسان کو نطق و بیان سے محروم کردے اور چاہے تو بے زبان جانوروں کو نطق و گویائی بخش دے۔

زیر نظر واقعہ ایک ایسے ہی کرشمۂ قدرت کا ہے جب خالقِ نطق و بیان نے گائے اور بھیڑیئے کو انسان سے گفتگو کرنے کی قدرت عطا کی۔

نص الحدیث:

روى البخاري في صحيحه عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْـهُ قَـالَ صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ صَلاةَ الصُّبْحِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: (بَيْنَا رَجُلٌ يَسُوقُ بَقَرَةً إِذْ رَكِبَهَا فَضَرَبَهَا، فَقَالَتْ: إِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهَذَا، إِنَّمَا خُلِقْنَا لِلْحَرْثِ. فَقَالَ النَّاسُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ!! فَقَالَ: فَإِنِّي أُومِنُ بِهَذَا أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَمَا هُمَا ثَمَّ.

وَبَيْنَمَا رَجُلٌ فِي غَنَمِهِ إِذْ عَدَا الذِّئْبُ فَذَهَبَ مِنْهَا بِشَاةٍ، فَطَلَبَ حَتَّى كَأَنَّهُ اسْتَنْقَذَهَا مِنْهُ، فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ: هَذَا اسْتَنْقَذْتَهَا مِنِّي، فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ، يَوْمَ لا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِي، فَقَالَ النَّاسُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ، قَالَ: فَإِنِّي أُومِنُ بِهَذَا، أَنَا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَمَا هُمَا ثَمَّ).

ترجمۃ الحدیث:

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھی، اس کے بعد لوگوں کی طرف رخ فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"ایک شخص ایک گائے کو ہانک رہا تھا کہ اسی دوران اس پر سوار ہو گیا اور اسے (دوڑانے کے لئے) مارنے لگا، وہ گائے کہنے لگی کہ: "ہمیں اس کام (سواری) کے لئے نہیں پیدا کیا گیا، ہم تو فقط کھیتی باڑی کے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں"۔

یہ سن کر لوگ کہنے لگے: سبحان اللہ! گائے بھی بات کرتی ہے؟؟؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی۔ حالانکہ وہ وہاں (اس واقعہ کے

موقع پر) موجود نہیں تھے (پھر بھی یقین رکھتے ہیں)۔

"اور ایک شخص اپنے مویشیوں کے درمیان تھا کہ اسی دوران اچانک ایک بھیڑیا اسکے مویشیوں پر حملہ آور ہوا اور ایک بکری ان میں سے اٹھالے گیا' اس نے اس کا پیچھا کیا اور اس سے بکری چھڑانے کی کوشش کی اور بکری اس سے چھڑالی تو بھیڑیئے نے اس سے کہا:

"آج تو اس بکری کو تو نے مجھ سے چھڑالیا لیکن اس کا کون محافظ ہوگا درندوں کے دن میں جس دن میرے سوا کوئی اور اس کا چرواہا نہیں ہوگا"۔

لوگوں نے کہا: سبحان اللہ! بھیڑیا بھی گفتگو کرتا ہے؟؟؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

"بلاشبہ میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں' میں بھی اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی' حالانکہ وہ دونوں وہاں نہیں تھے"۔

تخریج الحدیث:۔

رواہ البخاری فی صحیحہ: کتاب أحادیث الأنبیاء، ٦/ ٥١٢۔

وفی کتاب فضائل الصحابہ. باب قول النبیؐ/ لوکنت متخذ ا خلیلاً۔ ۱۸/۷۔

و رواہ مسلم ایضاً فی کتاب الفضائل. باب فضائل ابی بکرؓ الصدیق۔ ۲/۲/۲۷۲۔ (مسلم مع شرح النووی)

تشریح الحدیث

رسول اکرم ﷺ بعض اوقات بہت سے عجیب و غریب واقعات بیان فرماتے تھے' زیر نظر واقعہ بھی حدیث کے واقعات میں سے بہت عجیب واقعہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایک گائے اور بھیڑیئے کے کلام کرنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

گائے پر سواری کرنے والے شخص کو گائے نے کہا کہ: ہمیں اس کام کیلئے یعنی سواری اور بار برداری کیلئے نہیں پیدا کیا گیا بلکہ ہمیں تو زراعت اور کھیتی باڑی وغیرہ میں استعمال کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور چوپاؤں میں بھی مختلف خصوصیات کے حامل جانور پیدا فرمائے ہیں۔ ہر جانور کی ایک الگ خاصیت ہے اور یوں لگتا ہے کہ گویا وہ جانور خاص اسی مقصد کے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ چنانچہ گائے بیل وغیرہ عموماً بار برداری اور سواری کے لئے استعمال نہیں ہوتے اور ان کی سواری سوار کے لئے بھی کوئی آرام دہ اور راحت رساں نہیں ہوتی۔ بار برداری اور سواری کے لئے اللہ نے گھوڑے اور خچر وغیرہ کو پیدا فرمایا۔ چنانچہ ان کی سواری آرام دِہ بھی ہوتی ہے اور یہ ہر قسم کی بار برداری بھی کر سکتے ہیں۔ گائے بیل وغیرہ عموماً ہل چلانے اور کھیتی باڑی میں استعمال ہوتے ہیں اور گھوڑے خچر وغیرہ کھیتی باڑی میں استعمال نہیں ہو سکتے۔ غرض اللہ نے ہر جانور کو الگ خصوصیات کا حامل بنایا ہے اور اس سے وہی کام لینا چاہیئے۔ الغرض اس گائے نے بھی یہی کہا کہ ہمیں اس کام کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔

لوگوں کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہ گائے بھی کلام کر سکتی ہے اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ! گائے کلام کرتی ہے؟ گویا ان کے لئے یہ ایک ناقابلِ یقین بات تھی۔ اور اس پر انہوں نے تعجب کا اظہار کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ میں اور ابو بکرؓ اور عمرؓ تو اس پر یقین رکھتے ہیں حالانکہ وہ دونوں وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں حضرات کے متعلق اتنے وثوق سے اس لئے فرمایا کہ آپ کو یقین تھا کہ یہ حضرات آپؐ پر کامل اعتماد اور اتنا یقین رکھتے ہیں کہ آپ جو بھی بات کہیں خواہ کتنی ہی عجیب اور بہ ظاہر خلافِ حقیقت ہو لیکن وہ جھوٹ نہیں ہو سکتی اور یہی ایمان بالغیب کا وہ درجہ ہے جو اہلِ ایمان سے مطلوب ہے کہ اَن دیکھی اور بہ ظاہر عقل میں نہ آنے والی ان باتوں کی تصدیق کرنا جو قرآن وحدیث سے ثابت ہوں۔ اور ایسے ہی بندوں کو اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے۔

اَلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (البقرہ)

(متقی) وہ لوگ ہیں جو غیب کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

اسی طرح دوسرے واقعہ میں ارشاد فرمایا کہ ایک بھیڑیئے نے گفتگو کی۔ جب چرواہے نے بہادری اور ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بکری کو بھیڑیئے سے چھڑالیا تو بھیڑیئے نے کہا کہ: آج تو تو نے اسے مجھ سے چھڑالیا لیکن اس دن اسکا پرسانِ حال کون ہوگا جب درندوں کا دن ہوگا اور ان بکریوں کا کوئی چرواہا نہ ہوگا سوائے میرے۔ اس دن تو یہ مجھ سے بچ نہ سکے گی۔

علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد یا تو قیامت کا دن ہے کہ اس دن ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی جانوروں اور بھیڑ بکریوں کو بھیڑیئے سے بچانے کی کس کو فکر ہوگی؟ یا اس سے مراد قدیم زمانوں کے تہوار اور قومی عید کا دن ہے کہ اس روز لوگ اپنے میلوں اور کھیل کود میں اتنے منہمک ہوتے ہیں کہ انہیں اپنے مویشیوں کی حفاظت کا بھی پورا خیال نہیں ہوتا تھا اور بھیڑیئے جانوروں کو اٹھالے جاتے تھے۔

(ملخصاً از شرح النووی علی الصحیح مسلم ۲/۲۷۲)

لوگوں نے اس پر بھی تعجب کا اظہار کیا کہ ایک بھیڑیا بھی انسانی گفتگو کر سکتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی بات ارشاد فرمائی کہ: بلاشبہ میں اور ابو بکرؓ و عمرؓ تو اس پر یقین رکھتے ہیں باوجودیکہ وہاں موجود نہیں تھے"۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ حدیث سے بنیادی طور پر تو حضرات شیخین ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کی عظیم فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو ان دونوں پر ایسا اعتماد تھا کہ از خود ایک بار نہیں دو بار فرمایا کہ: میں اور ابو بکر

وعمرؓ تو اس پر یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کو یہ یقین تھا کہ خواہ ساری دنیا میری بات کو تسلیم نہ کرے لیکن یہ دونوں حضرات ایمان اور یقین کے اس مقام پر فائز ہیں کہ خواہ بات بظاہر کتنی ہی خلافِ عقل کیوں نہ ہو یہ اس کو بالکل صحیح اور سچا سمجھیں گے اور واقعہ بھی یہی تھا۔ معراج کا واقعہ اور اس پر صدیقِ اکبرؓ کی بے ساختہ تصدیق و تائید اس کا عملی ثبوت ہے اور انہیں صدیق کے مقام پر فائز کرنے کا نبوی اظہار ہے۔

چنانچہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اس حدیث کو ان حضرات کے فضائل کے باب میں ہی ذکر فرمایا ہے۔ امام بخاریؒ نے یہ حدیث ''باب فضائل عمرؓ'' میں اور امام مسلمؒ نے ''باب فضائل ابی بکر الصدیق'' میں نقل کی ہے۔

۲۔ ایمان بالغیب اور ایمان بالرسول ﷺ کے بغیر کسی کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے معنی یہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو بات بھی فرمائیں اسے حق اور سچ سمجھیں خواہ وہ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَما يَنطِقُ عنِ الْهَوىٰ إِنْ هُوَإِلاَّ وَحىٌ يُوحىٰ۔ (النجم۔ ۳/۴)

اور (یہ نبیؐ) اپنی خواہشِ نفس سے کچھ نہیں کہتے' بالیقین وہ تو وحی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔

عقل میں آنے والی بات کو تسلیم کرنا اور خلافِ عقل کو رد کر دینا یا تسلیم نہ کرنا ایمان بالغیب اور ایمان بالرسولؐ نہیں بلکہ ایمان بالعقل ہے۔ جب کہ اسلام کا مطلوب ''ایمان بالغیب'' اور ایمان بالرسولؐ ہے یہی اس حدیث کا اہم سبق اور تعلیم ہے۔

۳۔ جانوروں اور بہائم کا انسانوں سے گفتگو کرنا بظاہر تو محال ہے لیکن خلافِ عقل اور مستبعد نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ جانوروں کو گویائی بخش دیں' اللہ تعالیٰ جب روزِ حشر انسان کی زبان پر مہر لگا دیں گے اور اس کے اعضاء جسم اس کے خلاف گواہی دیں گے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ انسان کے جسم کے دوسرے اعضاء ہاتھ پاؤں وغیرہ کو گویائی عطا کریں گے۔

اَلْيَومَ نَخْتِمُ عَلىٰ أَفْواهِهِمْ و تُكَلِّمُنا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِماكانُوْايَكْسِبُون (یٰس/۶۵)

آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ہم سے بات کریں گے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان (غلط کاموں) کی جو وہ کیا کرتے تھے۔

تو جب اللہ تعالیٰ انسان کے دوسرے اعضاء جسم کو گویائی عطا فرمائیں گے تو جانوروں کو بھی قوتِ گویائی عطا فرما سکتے ہیں اور اس پر اظہارِ تعجب کرنا یا اسے محال یا مستبعد سمجھنا صحیح نہیں' اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کامل یقین نہ ہونے کا اظہار ہے۔

۴۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے کو اللہ تعالیٰ نے زراعت اور کھیتی باڑی کیلئے موزوں بنایا ہے نہ کہ

سواری اور بار برداری کیلئے۔ ہر کام کیلئے اس کے مناسب اور موزوں جانور اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ سواری اور بار برداری کیلئے گھوڑے اور خچر وغیرہ کو بنایا ہے۔ لہٰذا جس جانور کو جس کام کیلئے بنایا گیا ہے اس سے وہی کام لینا چاہیئے۔

۵۔ ایک مسلمان کیلئے ہر اس بات پر یقین کرنا اور اس کی تصدیق کرنا واجب اور ضروری ہے جو قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ خواہ وہ انسانی عقل کے مطابق ہو یا خلافِ عقل۔ اگر وہ بات قرآن وسنت کے دلائلِ صحیحہ کے ساتھ ثابت ہو تو اس کا انکار بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ بات جس کا انکار کیا جارہا ہے ضروریاتِ دین میں سے ہو مثلاً رسول اللہ ﷺ کا واقعہ معراج وغیرہ کا انکار' تو وہ کفر تک پہنچا دیتا ہے اور اگر ضروریاتِ دین میں سے نہ ہو تو فسق تک تو پہنچا ہی دیتا ہے' آجکل یہ رواج چل نکلا ہے کہ جو بات قرآن وحدیث کی کسی کی عقل میں نہ آئے تو اسکا فوراً انکار کر دیتے ہیں' یہ نہایت سنگین بات ہے' اس سے بہت زیادہ اجتناب کرنا چاہیئے۔

تیئسواں قصہ ﴿۲۳﴾

نومولود بچہ...... جھولے میں گفتگو کرتا ہے

تمہید

نومولود بچہ کا عام انسانوں کی طرح بولنا ایک حیرت انگیز بات اور اللہ کی قدرت کا عجیب اظہار ہے' تاریخ انسانیت میں یہ محیر العقول واقعہ تین بار پیش آیا ہے کہ ایک نومولود اور جھولے میں پڑے ہوئے بچہ نے بات کی' نہ صرف بات کی بلکہ نہایت دانشمندانہ اور عاقلانہ گفتگو کی۔ رسول کریم ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے کہ ایک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گفتگو کی' دوسرے صاحب جریج نے (جس کا قصہ آگے آئیگا انشاء اللہ) تیسرے اس بچہ نے جس کا واقعہ ذیل کی حدیث میں مذکور ہے۔

نص الحدیث:

روي البخاري في صحيحه عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: (كَانَتِ امْرَأَةٌ تُرْضِعُ ابْنًا لَهَا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَمَرَّ بِهَا رَجُلٌ رَاكِبٌ ذُو شَارَةٍ، فَقَالَتِ: اللَّهُمَّ اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهُ، فَتَرَكَ ثَدْيَهَا، وَأَقْبَلَ عَلَى الرَّاكِبِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ لا تجعلني مِثْلَهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ثَدْيِهَا يَمَصُّهُ). قَالَ أَبو هُرَيْرَةَ: «كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَمَصُّ إِصْبَعَهُ».

(ثُمَّ مُرَّ بِأَمَةٍ، فَقَالَتِ: اللَّهُمَّ لا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَ هَذِهِ، فَتَرَكَ ثَدْيَهَا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا، فَقَالَتْ: لِمَ ذَاكَ؟ فَقَالَ: الرَّاكِبُ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، وَهَذِهِ الأَمَةُ يَقُولُونَ سَرَقْتِ زَنَيْتِ وَلَمْ تَفْعَلْ).

ونص الحديث عند مسلم: (بَيْنَا صَبِيٌّ يَرْضَعُ مِنْ أُمِّهِ، فَمَرَّ رَجُلٌ رَاكِبٌ عَلَى دَابَّةٍ فَارِهَةٍ وَشَارَةٍ حَسَنَةٍ، فَقَالَتْ أُمُّهُ: اللَّهُمَّ اجْعَلِ ابْنِي مِثْلَ هَذَا، فَتَرَكَ الثَّدْيَ، وَأَقْبَلَ إِلَيْهِ فَنَظَرَ إِلَيْهِ فَقَالَ اللَّهُمَّ لا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ثَدْيِهِ فَجَعَلَ يَرْتَضِعُ، قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَحْكِي ارْتِضَاعَهُ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ فِي فَمِهِ، فَجَعَلَ يَمُصُّهَا، قَالَ: وَمَرُّوا بِجَارِيَةٍ وَهُمْ يَضْرِبُونَهَا، وَيَقُولُونَ: زَنَيْتِ سَرَقْتِ، وَهِيَ تَقُولُ حَسْبِيَ اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، فَقَالَتْ أُمُّهُ: اللَّهُمَّ لا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهَا، فَتَرَكَ الرَّضَاعَ وَنَظَرَ إِلَيْهَا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا.

فَهُنَاكَ تَرَاجَعَا الْحَدِيثَ، فَقَالَتْ: حَلْقَى، مَرَّ رَجُلٌ حَسَنُ الْهَيْئَةِ فَقُلْتُ: اللَّهُمَّ اجْعَل ابْنِي مِثْلَهُ، فَقُلْتَ: اللَّهُمَّ لا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، وَمَرُّوا بِهَذِهِ الأَمَةِ وَهُمْ يَضْرِبُونَهَا،

وَيقُولُونَ: زَنَيْتِ، سَرَقْتِ، فَقُلْتُ: اللَّهُمَّ لا تَجْعَلِ ابْنِي مِثْلَهَا، فَقُلْتَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا، قَالَ: إِنَّ ذَاكَ الرَّجُلَ كَانَ جَبَّارًا، فَقُلْتُ: اللَّهُمَّ لا تَجْعَلْنِي مِثْلَهُ، وَإِنَّ هَـٰذِهِ يَقُولُونَ لَهَا: زَنَيْتِ وَلَمْ تَزْنِ، وَسَرَقْتِ وَلَمْ تَسْرِقْ، فَقُلْتُ: اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا).

ترجمۃ الحدیث

بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے' فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بنی اسرائیل کی ایک خاتون اپنے نومولود بچہ کو دودھ پلارہی تھی' وہاں سے ایک سوار گذرا' بڑا خوشحال اور بہترین شخصیت والا' اس خاتون نے فوراً دعا کی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا بنایئے"۔

اس نومولود نے ماں کے سینہ سے منہ ہٹایا اور اس سوار کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

"اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنایئے"۔ اور پھر ماں کی چھاتی کو چوسنے لگا۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: گویا میں دیکھ رہا ہوں رسول اللہ ﷺ کو اپنی انگلی مبارک چوس رہے ہیں (یعنی اس بچہ کی عملی کیفیت بتارہے ہیں)۔

پھر وہاں سے ایک باندی کو گذارا گیا تو وہ خاتون کہنے لگی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنایئے" اس بچہ نے پھر ماں کے سینہ کو چھوڑا اور کہنے لگا: اے اللہ! مجھے اس باندی جیسا ہی بنایئے۔ وہ عورت (مارے حیرت کے) کہنے لگی یہ کیوں؟ وہ بچہ کہنے لگا کہ: وہ سوار جو گذرا تھا بڑے ظالم و جابر لوگوں میں سے ایک تھا اور یہ باندی اس کے متعلق لوگ تو کہہ رہے ہیں کہ تو نے چوری اور زنا کیا ہے لیکن فی الحقیقت اس نے ایسا نہیں کیا۔

مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ:

"ایک نومولود بچہ اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا کہ وہاں سے ایک سوار شخص شاندار سواری پر بڑی شان و شوکت کے ساتھ گذرا۔ اس بچہ کی ماں نے دعا مانگی: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا بنایئے۔ بچہ نے سینہ چھوڑا اور اس شخص کی طرف رخ کیا اسے دیکھا اور کہا اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنایئے۔ یہ کہہ کر دوبارہ ماں کی چھاتی کی طرف رخ کیا اور دودھ پینے لگا۔

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بچہ کی دودھ پینے کی عملی کیفیت کو نقل کر رہے ہیں اپنی انگشت شہادت کو منہ میں لے کر چوس کر بتاتے ہیں"۔

فرمایا کہ: پھر وہاں سے ایک باندی کو لے کر لوگ گذرے اور اسے مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تو نے بدکاری کی ہے اور چوری کی ہے' اور وہ یہی کہتی کہ: "مجھے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے"۔ اس بچہ کی ماں نے کہا کہ: اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنایئے۔ اس نے پھر دودھ

پینا چھوڑا اور باندی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا: اے اللہ! مجھے اس جیسا ہی بنایئے۔

اس عورت نے ایک درد بھری پکار کے ساتھ کہا: ایک شاندار شخصیت والا آدمی گذرا اور میں نے دعا کی کہ اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا بنایئے تو تو نے کہا کہ: اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنایئے اور پھر لوگ اس باندی کو مارتے پیٹتے گذرے اور اس کے متعلق کہتے ہیں کہ تو نے زنا کیا' چوری کی۔ تو میں نے کہا۔ اے اللہ! میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنایئے تو تو کہتا ہے کہ: اے اللہ! مجھے اس جیسا بنایئے (آخر اس کی کیا وجہ ہے؟) وہ کہنے لگا کہ:

"وہ آدمی تو ایک ظالم شخص تھا تو میں نے یہ دعا کی کہ: اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنایئے' اور یہ جو باندی ہے تو لوگ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ تو نے زنا کیا حالانکہ اس نے زنا نہیں کیا اور لوگ کہتے ہیں کہ تو نے چوری کی حالانکہ اس نے چوری نہیں کی۔ تو اس لئے میں نے دعا کی کہ اے اللہ! مجھے اس جیسا بنایئے۔

تخریج الحدیث:

بخاری رکتاب أحادیث الأنبیاء۔ ۶/۷۶ ۴۔

مسلم رکتاب البر والصلۃ۔ باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع فی الصلاۃ۔ ۴/۱۹۷۶

تشریح الحدیث

نومولود بچہ کا عاقلانہ اور دانشمندانہ کلام کرنا ایک نہایت غیر معمولی بات اور حیرت انگیز ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا مختلف طریقوں سے اظہار فرماتے ہیں' جیسا کہ اس حدیث میں بیان کردہ واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ماں نے بچہ کے لئے ظاہری اعتبار سے اچھے حال والے شخص کو دیکھ کر اللہ سے اپنے بچہ کے لئے دعا کی کہ اسی جیسا بنادے۔ بچہ نے فوراً اس کی تردید کردی۔ حالانکہ وہ دودھ پیتا بچہ تھا' اول تو اس عمر کے بچے گفتگو ہی پر قادر نہیں ہوتے چہ جائیکہ کوئی دانشمندانہ کلام کریں' پھر ایک ایسی بات کہنا جو نہ صرف بظاہر اس کے حق کے برعکس ہو بلکہ حقیقتِ حال کو پیشِ نظر رکھ کر صحیح بات کہنا حیرت بالائے حیرت ہے۔

لیکن اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرمانے کیلئے عقل مند اور باشعور انسانوں کا ہی انتخاب نہیں فرماتے بلکہ بعض اوقات نومولود اور کم سن و ناسمجھ بچوں کے ذریعہ بھی بڑے بڑے حقائق کا اظہار فرما کر اپنی قدرت کا اظہار فرماتے ہیں۔

چنانچہ اس واقعہ میں دو بڑے حقائق کا اظہار فرمایا۔

پہلی حقیقت یہ کہ وہ شخص جو ظاہری اعتبار سے بہت خوشحال' شاندار شخصیت کا مالک اور بڑی

شان و شوکت والا لگ رہا تھا' حقیقتاً ایک نہایت ظالم و جابر شخص تھا اور لوگوں پر ظلم کیا کرتا تھا اور اس قابل نہ تھا کہ اسکی تقلید کی جاتی۔

دوسری حقیقت یہ کہ وہ مظلوم باندی جو ظاہری اعتبار سے بڑی مفلوک الحال' لوگوں کے طنز و طعن کا نشانہ تھی اور اس کی عزت و آبرو پر حرف زنی کی جارہی تھی وہ در حقیقت ایک پارسا اور عفیفہ و پاک دامن و باکردار تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں عظیم حقیقتوں کا اظہار ایک کم سن' نو مولود اور بے سمجھ بچہ کے ذریعہ فرما کر اپنی قدرتِ کاملہ کو ثابت فرمایا۔

چند عبرت و نصائح

یہ واقعہ بہت سے اہم فوائد پر مشتمل ہے۔

۱۔ بنیادی مقصد اور تعلیم اس حدیث کی یہ ہے کہ اللہ رب العالمین کی قدرت کسی سبب اور ذریعہ کی محتاج نہیں' نہ ہی وہ کسی کام کو کرنے کے لئے عرف اور زمانہ کے عام رواج کے محتاج ہیں۔ وہ چاہیں تو کسی باشعور انسان سے گویائی سلب کرلیں چاہیں تو نو مولود بچہ کو حقیقت پسندانہ اور دانشمندانہ گفتگو سکھادیں' اور اللہ تعالیٰ شانہ' اپنی اس قدرت کا اظہار باندازِ مختلفہ فرماتے رہتے ہیں۔

۲۔ دوسرا اہم فائدہ حدیث میں بیان کردہ واقعہ سے یہ حاصل ہوا کہ ہر شئے کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن' انسان کو اس کے ظاہر سے زیادہ باطن کی فکر کرنی چاہیئے اور کسی بھی شئ کو ظاہری چمک و دمک اور ظاہری حسن و خوبی کی بناء پر نہیں اپنانا چاہیئے بلکہ باطنی خوبیوں کی بناء پر اپنانا چاہیئے۔

اس بچہ کی ماں ایک انسان کی ظاہری خوشحالی اور رعب داب' کرّوفر' شان و شوکت اور مالداری سے متاثر ہوگئی اور اتنی مرعوب ہوئی کہ اپنے بچہ کے لئے اس جیسا بننے کی دعا مانگ ڈالی' جب کہ حقیقت اس کے برعکس تھی کہ اس کی ساری خوشحالی' رعب و دبدبہ اور شان و شوکت ظلم و جبر کا نتیجہ تھی' اور یہ اشیاء اگر ظلم اور جبر کے ساتھ حاصل ہوں تو نعمت نہیں وبالِ جان اور ذریعہ عذاب ہیں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کا القاء نہ صرف بچہ کے قلب میں کیا بلکہ اس کی زبان سے اس حقیقت کا اظہار بھی کروادیا اور بچہ نے اپنی ماں کی دعا کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ: اے اللہ! مجھے اس جیسا نہ بنائیے۔

اسی طرح اس کی ماں نے اس باندی کی ظاہری مفلوک الحالی' ظاہری ذلت کے نقوش کو دیکھتے ہوئے اس جیسا نہ بننے کی دعا کردی۔ اللہ رب العالمین نے اس کی حقیقت بھی بچہ کے قلب میں القاء فرمائی تھی لہٰذا اس کا اظہار بھی کروادیا کہ اگرچہ وہ باندی مفلوک الحال ہے' اس پر بدکاری اور بدکرداری کے گھناؤنے الزام لگائے جارہے ہیں لیکن وہ نہ صرف پاکباز' باحیا اور عفیف و پاکدامن ہے

بلکہ چوری وغیرہ سے بھی محفوظ ہے لہٰذا بچہ نے اس جیسا بننے کی دعا کردی۔

دعا کا مقصد:۔

اور بچہ کی دعا کا مقصد یہ نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔ کہ مجھے اس باندی والا حال عطا کر دیجئے بلکہ مقصد یہ تھا کہ جس طرح وہ باندی حق پر ہے اور حق پر ہونے کے باوجود مظلوم ہے اسی طرح مجھے بھی حق پر قائم رکھئے خواہ اس کے نتیجہ میں مجھ پر ظلم کیا جائے اور جس طرح اس آدمی کی شان و شوکت اور دنیاوی نعمتیں اور خوشحالی ظلم و جبر کا نتیجہ ہیں تو مجھے ظلم اور جبر کے ساتھ یہ نعمتیں نہ دیجئے' اگر یہ نعمتیں اور خوشحالی ظلم و جبر کا نتیجہ ہیں تو مجھے ظلم اور جبر کے ساتھ یہ نعمتیں نہ دیجئے' اگر یہ نعمتیں جائز اور حق طریقے سے ملیں تو ٹھیک ورنہ نعمتوں اور خوشحالی کے حصول کے لئے مجھے ظالم اور جابر بننے سے بچایئے پھر میرے لئے ایسی نعمتوں سے مفلوک الحالی بہتر ہے۔

گویا بچہ کی دعا کا مقصد دنیوی نعمتوں اور خوشحالی کا انکار نہیں بلکہ ظلم اور جبر کر کے حاصل ہونے والی نعمتوں اور خوشحالی سے انکار تھا۔ اور دوسرے قضیہ میں یہ مقصود نہیں تھا کہ جس طرح اس باندی کو لوگ موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں اور اسے مار رہے ہیں تو یہی حال میرے ساتھ بھی ہو بلکہ جس طرح یہ باندی حق پر ہونے' باکردار و پاکباز ہونے کے باوجود مظلوم ہے اسی طرح میں بھی حق پر قائم رہوں خواہ مظلوم ہی کیوں نہ بننا پڑے۔

۳۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظالم بننا (خواہ اس کے نتیجہ میں دنیا جہاں کی نعمتیں حاصل ہو جائیں) جائز نہیں اور مظلوم بننا (خواہ اس کے نتیجہ میں کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے) جائز اور پسندیدہ ہے۔ بالفاظِ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی نعمتیں حاصل کرنے اور معزز بننے کے لئے اور دنیاوی شان و شوکت بڑھانے کے لئے ظلم کرنا اور اس کے نتیجہ میں شان و شوکت حاصل کر لینا دنیا والوں کے نزدیک تو شاید اہمیت کا حامل ہو لیکن اللہ کی بارگاہ میں نہ صرف یہ کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ ظلم کے نتیجہ میں عذاب و سزا کا مستحق ہوگا۔

۴۔ اس واقعہ سے قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ کی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

عَسٰی أن تکرَهُوا شیئاً وهو خیرٌ لکم وعسٰی أن تُحِبّوا شیئًا وهو شرٌ لکم الآیة (البقره)

اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں۔

یعنی انسان ہر چیز کو ظاہری اعتبار سے دیکھتا ہے' ظاہراً اچھا ہو تو فریفتہ ہو جاتا ہے حالانکہ اس کے

باطن میں خرابی اور فساد ہوتا ہے۔ اور ظاہر خراب ہو تو اس سے نفرت و بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور اس کے باطن کی اچھائی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ یہ اندازِ فکر صحیح نہیں، ہر چیز کو ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے پرکھ کر اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا اہلِ عقل و دانش کا طریقہ ہے۔

۵۔ ایک ضمنی فائدہ اس حدیث سے یہ حاصل ہوا کہ ایک معلّم، مصلح اور واعظ و داعی کو اپنی بات دوسروں کو سمجھانے کیلیئے ہر ممکن جائز طریقہ اپنانا چاہیئے جس سے اس کی بات دوسروں کو اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے، جیسے حضور اقدس ﷺ نے اس بچہ کے دودھ پینے اور ماں کی چھاتی کو چوسنے کی وضاحت عملاً فرمائی کہ اپنی انگلی مبارک کو منہ میں لے کر بتلایا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ بات سننے والوں کو خوب اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے ذخیرہ میں اس طرح کی بہت سے مثالیں ملتی ہیں کہ آپؐ نے کسی بات کو واضح کرنے اور سمجھانے کے لئے اس کا عملی مظاہرہ کر کے بتلایا۔

﴿إنّ اللّٰهَ لا يُضيع أجرَالمُحسِنين﴾

بلا شبہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے۔

حصہ سوم

اعمالِ حسنہ کی
دنیاوی برکات وفوائد
کے
ایمان افروز واقعات

چوبیسواں قصہ ﴿۲۴﴾

موت کا غار

تمہید

انسانی فطرت ہے کہ جب وہ مصیبت کا شکار ہوتا ہے تو پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو یاد کرتا ہے جب چاروں طرف سے راستے مسدود ہو جائیں اور کوئی راہ نہ سجھائی دے تو غافل سے غافل شخص کو بھی خدا یاد آجاتا ہے۔

ان تین افراد کا احوال جو موت کے غار میں پھنس گئے تھے اور وہ اندھیرا غار ان کو قبر کا گڑھا محسوس ہونے لگا تھا' جب موت اپنا بھیانک جبڑا کھولے ان کی طرف بڑھ رہی تھی...... تو انہوں نے اسی ذات کا سہارا لیا جو بے کسوں اور بے بسوں کا آخری ٹھکانہ ہے اور اس کی رحمت نے انہیں مایوس نہ کیا کہ یہی اس کی شانِ رحیمی ہے۔

نص الحدیث:

روى البخاري ومسلم في صحيحيهما عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ؛ أَنَّهُ قَالَ: (َ بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَشَّوْنَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ، فَأَوَوْا إِلَى غَارٍ فِي جَبَلٍ. فَانْحَطَّتْ عَلَى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ، فَانْطَبَقَتْ عَلَيْهِمْ.

فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: انْظُرُوا أَعْمَالًا عَمِلْتُمُوهَا صَالِحَةً لِلّٰہِ، فَادْعُوا اللّٰہَ تَعَالَى بِهَا، لَعَلَّ اللّٰہَ يَفْرُجُهَا عَنْكُمْ.

فَقَالَ أَحَدُهُمْ: اللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِي وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ، وَامْرَأَتِي، وَلِي صِبْيَةٌ صِغَارٌ أَرْعَى عَلَيْهِمْ، فَإِذَا أَرَحْتُ عَلَيْهِمْ، حَلَبْتُ، فَبَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ فَسَقَيْتُهُمَا قَبْلَ بَنِيَّ، وَأَنَّهُ نَأَى بِي ذَاتَ يَوْمٍ الشَّجَرُ، فَلَمْ آتِ حَتَّى أَمْسَيْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا، فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ أَحْلُبُ، فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ، فَقُمْتُ عِنْدَ رُءُوسِهِمَا أَكْرَهُ أَنْ أُوقِظَهُمَا مِنْ نَوْمِهِمَا، وَأَكْرَهُ أَنْ أَسْقِيَ الصِّبْيَةَ قَبْلَهُمَا، وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ، فَلَمْ يَزَلْ ذَلِكَ دَأْبِي وَدَأْبُهُمْ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ، فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا فُرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ، فَفَرَجَ اللّٰہُ مِنْهَا فُرْجَةً فَرَأَوْا مِنْهَا السَّمَاءَ.

وَقَالَ الْآخَرُ: اللّٰهُمَّ إِنَّهُ كَانَتْ لِيَ ابْنَةُ عَمٍّ، أَحْبَبْتُهَا كَأَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَاءَ، وَطَلَبْتُ إِلَيْهَا نَفْسَهَا فَأَبَتْ حَتَّى آتِيَهَا بِمِائَةِ دِينَارٍ، فَتَعِبْتُ حَتَّى جَمَعْتُ مِائَةَ دِينَارٍ، فَجِئْتُهَا بِهَا، فَلَمَّا وَقَعْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا، قَالَتْ: يَا عَبْدَ اللّٰہِ، اتَّقِ اللّٰہَ، وَلَا

تَفْتَحِ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ، فَقُمْتُ عَنْهَا، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا مِنْهَا فُرْجَةً، فَفَرَجَ لَهُمْ.

وَقَالَ الآخَرُ: اللَّهُمَّ إِنِّي كُنْتُ اسْتَأْجَرْتُ أَجِيرًا بِفَرَقِ أَرُزٍّ، فَلَمَّا قَضَى عَمَلَهُ قَالَ: أَعْطِنِي حَقِّي، فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ فَرَقَهُ، فَرَغِبَ عَنْهُ، فَلَمْ أَزَلْ أَزْرَعُهُ حَتَّى جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرِعَاءَهَا، فَجَاءَنِي، فَقَالَ: اتَّقِ اللّٰهَ، وَلَا تَظْلِمْنِي حَقِّي، قُلْتُ: اذْهَبْ إِلَى تِلْكَ الْبَقَرِ وَرِعَائِهَا فَخُذْهَا، فَقَالَ: اتَّقِ اللّٰهَ، وَلَا تَسْتَهْزِئْ بِي، فَقُلْتُ: إِنِّي لَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ، خُذْ ذَلِكَ الْبَقَرَ وَرِعَاءَهَا، فَأَخَذَهُ فَذَهَبَ بِهِ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ، فَافْرُجْ لَنَا مَا بَقِيَ، فَفَرَجَ اللّٰهُ مَا بَقِيَ) .

ترجمۃ الحدیث

صحیحین میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے' وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"(بنی اسرائیل کے) تین افراد کسی سفر میں چل رہے تھے کہ اچانک انہیں بارش نے آگھیرا' انہوں نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لے لی' غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان گر پڑی اور اس کا منہ (دہانہ) بند ہو گیا۔

ان میں سے کسی نے کہا کہ: اپنے اپنے نیک اعمال کو دیکھو وہ اعمال صالحہ جو تم نے خالص اللہ کی رضا کے لئے کئے ہوں اور ان کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرو شاید اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارے لئے اس غار کا دہانہ کھول دے۔

چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ بلاشبہ میرے ساتھ میرے ضعیف العمر والدین تھے' میری بیوی تھی اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کے لئے میں بکریاں چراتا تھا' جب شام ہوتی تو میں دودھ دوہتا اور اپنے والدین سے ابتدا کرتے ہوئے انہیں اپنے بچوں سے پہلے پلاتا تھا۔

ایک روز میں درخت کے پتوں کی طلب میں دور نکل گیا اور شام گئے واپس آیا تو میں نے اپنے والدین کو سوتا ہوا پایا' میں نے حسبِ معمول دودھ دوہا' پھر دودھ کا برتن لایا اور والدین کے سرہانے کھڑا ہو گیا کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ والدین کو نیند سے جگاؤں' اور یہ بھی مجھ کو گوارا نہ تھا کہ والدین سے پہلے اپنے بچوں کو پلاؤں حالانکہ بچے بھوک سے میرے قدموں میں بلک رہے تھے' لیکن میں اسی حال میں رہا اور بچے بھی اسی حال میں (بھوک سے بلکتے رہے) یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو گیا۔ اگر آپ کے علم میں میرا یہ عمل آپ کے رضا کے لئے تھا تو (اس کی برکت سے) ہمارے واسطے اس غار کا منہ کھول دے کہ ہم آسمان دیکھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے اتنی کشادگی پیدا کر دی کہ وہ آسمان کو دیکھنے لگے۔

دوسرے نے کہا: اے اللہ! میری ایک چچازاد تھی' میں سے اتنی شدید محبت کرتا تھا جتنی کہ مرد عورتوں سے کر سکتے ہیں۔ میں نے اس سے اسے طلب کیا (اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے) تو اس نے انکار کر دیا یہاں تک کہ میں سو دینار اسے دوں' میں نے سو دینار جمع کرنے میں بڑی مشقت اٹھائی۔ پھر وہ لے کر اس کے پاس گیا۔

جب میں اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو وہ کہنے لگی: اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر۔ اور مہر کو ناحق طریقہ سے نہ کھول۔ میں یہ سن کر کھڑا ہو گیا۔ اگر میں نے آپ کے علم کے مطابق یہ عمل آپ کی رضا کیلئے کیا تھا تو ہمارے لئے (اس کی برکت سے) کشادگی فرما۔ اللہ نے مزید کشادگی فرمادی۔

تیسرے نے کہا اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو تین صاع (ایک مقدار) چاول پر ملازم رکھا۔ جب اس کا کام ختم ہو گیا تو اس نے کہا میرا حق دو۔ میں نے اس کی مقررہ مقدار اسے پیش کر دیئے۔ اس نے اس سے منہ موڑ لیا (اور وہ نہ لئے اور چلا گیا) میں نے اس کے چاولوں کے ذریعہ زراعت شروع کر دی (اور اس میں برکت ہوئی) یہاں تک کہ میں نے اس سے گائیں اور مویشی جمع کر لئے' پھر وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر میرے حق کے معاملہ میں۔ میں نے کہا جاؤ وہ ساری گائیں اور مویشی تم لے لو۔ وہ کہنے لگا اللہ سے ڈر اور مجھ سے مذاق مت کر۔ میں نے کہا میں تم سے مذاق نہیں کر رہا۔ جاؤ وہ ساری گائیں اور مویشی لے لو۔ اس نے وہ سب لے لیں اور چلا گیا۔ اگر آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ کام تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہمارے لئے جو کچھ باقی رہ گئی ہے وہ بھی کشادگی فرما' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے باقی رکاوٹ کو بھی کھول دیا''۔

تخریج الحدیث:

صحیح البخاری کتاب البیوع۔ کتاب أحادیث للأنبیاء / باب حدیث الغار (۶/۵۰۵)

صحیح مسلم۔ کتاب الذکر والدعاء۔ باب قصۃ اصحاب الغار الثلاثۃ۔ ۴/۲۰۹۹

تشریح الحدیث

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے اس واقعہ سے متعلق روایات کا تتبع کیا ہے اور کہا ہے کہ اس قصہ کے وقوع سے متعلق' اس کے مقام اور ان تین افراد سے متعلق یہ بات کہ وہ کون تھے اور کس قوم کے تھے؟ کوئی بات صحیح احادیث میں واضح نہیں ہے۔

البتہ الفاظِ حدیث میں غور کرنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم کہ ان تین افراد کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا' کیونکہ تینوں نے اپنے نیک اعمال کا واسطہ دیا اس سے واضح ہوا کہ تینوں اللہ کا خوف

رکھنے والے تھے‘ اسی طرح ان کی قوم بھی نیکی اور تقویٰ سے متصف تھی کہ اس لڑکی نے اللہ سے ڈرنے کا واسطہ دیا اور بے حیائی کے ارتکاب سے روکنے کی پوری سعی کی۔ یہ سب باتیں دلالت کرتی ہیں کہ اس پوری قوم میں نیکی اور صلاح غالب تھی۔ اور پچھلی اقوام میں سے یہ صفت سب سے زیادہ بنی اسرائیل میں پائی جاتی تھی۔

لیکن قطع نظر اس بات کے کہ یہ افراد کس قوم کے تھے؟ یا یہ واقعہ کہاں پیش آیا؟ اصل بات اس قصہ میں بیان کردہ نیک اعمال اور ان کی تاثیر ہے۔

حدیث کے الفاظ اور ان کے ترجمہ سے قصہ پوری طرح واضح ہے اور اس میں کسی تفصیلی تشریح کی گنجائش نہیں ہے۔

ان تینوں افراد کو سفر میں یہ واقعہ پیش آیا‘ اور ظاہر ہے کہ غار کا منہ بند ہو جانا اس طور پر کہ روشنی کی کرن بھی اندر نہ پہنچے اور آسمان کی جھلک تک نظر نہ آئے تو یقینی طور پر موت کی دلیل ہے۔ گویا وہ غار ان کے لئے موت کا غار بن گیا تھا اور اگر وہ چٹان جو غار کے دہانہ پر آگری تھی نہ ہٹتی تو لازماً وہ غار ان کے لئے قبر بن جاتا۔

بے بسی اور بے کسی کے اس عالم میں انہیں اسی ذاتِ الٰہی کا سہارا ہوا جو ہر مصیبت اور پریشانی سے انسان کو نجات دینے والا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ جب انسان کی نظریں اسباب و وسائل سے ہٹ کر صرف اور صرف خالقِ اسباب پر مذکور ہو جاتی ہیں‘ اور تقدیر کا جبر اپنی پوری قوت کے ساتھ انسان کے یقین پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جن اشیاء پر انسان عمر بھر بھروسہ کرتا رہا ہوتا ہے ان کی حقیقت اس پر آشکار ہونے لگتی ہے اور اللہ وحدہ‘ لاشریک کی ذات پر یقین اور اس سے رجوع میں یکایک اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ کسی کے ساتھ خاص نہیں انسانی فطرت اور جبلت یہی ہے۔

ان تینوں افراد نے بھی آپس میں یہی مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے۔ طے یہ ہوا کہ ہر ایک اپنے کسی ایسے عمل کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کرے جس کے بارے میں اسے یقین ہو کہ اس نے وہ عمل خالص اللہ کی رضا کے لئے کیا تھا۔

اب ذرا ایک نظر انکے اعمال پر ڈالئے‘ ذرا تصوّر کیجئے کہ ایک شخص غریب اور سارا دن مویشی چرانے کی محنت برداشت کر رہا ہے لیکن شام کو جب گھر جاتا ہے تو بھوک سے بلکتے دل کے ٹکڑوں پر اپنے ماں باپ کو ترجیح دیتا ہے اور انہیں پہلے سیراب کرتا ہے پھر بچوں کو پلاتا ہے اور پھر بیوی کو اور اگر والدین سو گئے تو انہیں پلائے بغیر اپنے بچوں کو سیراب کرنا اس کے نزدیک والدین کے حقوق کے منافی ہے اور انہیں جگانا بھی ان کے حق میں برا سمجھتا ہے۔ بچوں کو رات بھر بلکتا دیکھتا ہے لیکن پہلے ماں باپ کو پلاتا ہے پھر بچوں کو۔ دنیا کی کونسی طاقت تھی جو اسے بچوں کو پلانے سے روک رہی تھی؟ لیکن والدین کی

عظمت بچوں کی بھوک سے زیادہ تھی۔ ظاہر ہے اس عمل کے اخلاص میں کیا کمی تھی؟ اللہ کے یہاں مقبول ہوا اور اسکی برکت سے غار کا دہانہ ذرا سا کھل گیا کہ روشنی کی کرن اور آسمان کی جھلک دکھائی دے جائے۔

دوسرے شخص کو دیکھئے کہ گناہ کے ارتکاب کے لئے دن رات مشقت برداشت کرتا ہے اور جب اس محبوبہ سے گناہ کا اختیار ملتا ہے تو اس کا ایک ہی جملہ اس کو گناہ سے روک دیتا ہے اور اللہ کا پاکیزہ نام اس کے دل کی خواہش پر غالب آجاتا ہے۔

ہاں! ایمان والے بندے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ

''اذا ذُکِرَ اللّٰہُ وجِلَت قُلوبُہُم (الأنفال)

جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل اس کے خوف سے پگھل جائیں۔

وہ صاحبِ ایمان تھا' صاحبِ کردار تھا' وہ اللہ کا بندہ تھا جب ہی اللہ کا خوف اسے گناہ سے روکنے پر قادر ہو گیا' وہ نفس کا بندہ نہ تھا' تو کیوں نہ اس کے اس عظیم عمل کو بارگاہِ الٰہی میں پذیرائی نصیب ہوتی۔ وہ جب اس عمل کا واسطہ دیتا ہے تو غار کے منہ پر پڑی وہ چٹان کچھ مزید کھسک جاتی ہے اور زندگی کی آس اور امید بڑھا دیتی ہے۔

تیسرے شخص کو دیکھئے کہ کیا صاحبِ کردار اور بلند سوچ کا حامل تھا کہ مزدور کی اجرت دبانے کے بجائے جب کہ وہ از خود چھوڑ گیا تھا' مزید کاروبار میں لگا دی' اس کی نیت کی برکت کہ اس مال سے خوب تجارت ہوئی' زراعت ہوئی اور مال مویشی خوب جمع ہو گئے۔ ان سب کے لئے اس نے اتنی محنت کی لیکن جب صاحبِ حق نے اپنا حق مانگا تو وہ سب کچھ جو اپنی محنت کے بل بوتے پر جمع کیا تھا سب کچھ اس کے حوالہ کر دیا۔

حرص و ہوس اور لالچ میں مبتلا یہ دنیا ایسے کسی بلند کردار انسان کی آج کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟ دوسروں کا خون نچوڑ کر اپنے پر تعیش محلات کھڑے کرنے والوں پر مشتمل اس معاشرہ کیلئے تو واقعتاً یہ ایک نادر مثال ہے' بارگاہِ الٰہی میں یقیناً یہ اعمال قبول کئے جانے ہی کے قابل تھے کہ اس کی برکت سے چٹان ہٹ گئی اور زندگی کا دروازہ کھل گیا۔ **واللہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر۔**

چند عبرت و نصائح

یہ پورا واقعہ بے شمار اہم فوائد اور نصائح پر مشتمل ہے۔ غور کیا جائے تو اس کے ایک ایک جزو میں اہلِ ایمان کے لئے عبرت و نصیحت کے نہ جانے کتنے پہلو پوشیدہ ہیں۔ تفصیل کی تو گنجائش نہیں' اختصاراً چند اہم فوائد کو ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

۱۔ اعمالِ خیر اور حسنات کے دنیا میں بھی مؤثر ہونے اور انسان کی زندگی پر اثر انداز ہونے پر یہ واقعہ

پوری طرح دلالت کرتا ہے' جس کے ایک ایک لفظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نیک اعمال کا اصل ثواب تو آخرت ہی میں ملے گا لیکن دنیا کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی برکات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرواتے ہیں' نیکی اور بدی دونوں کے دنیوی اثرات بھی ہوتے ہیں' بدی انسان کی زندگی میں بے برکتی' دنیا سے محبت' آخرت سے غفلت' دنیا میں پریشانی' ذلت اور نحوست پیدا کرتی ہے جب کہ نیکی انسان کے کاموں میں برکت' آخرت کی فکر' طبیعت میں سکون بخشتی ہے' انسانوں کے درمیان عزت اور احترام پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ انسان کے افعال نیک و بد' کے مؤثر ہونے کے منکر ہیں ان کے لئے یہ واقعہ ایک واضح دلیل ہے۔

۲۔ دوسرا اہم فائدہ حدیث سے یہ حاصل ہوا کہ اللہ رب العالمین سے اپنے نیک اعمال کا وسیلہ دیکر مانگنا جائز اور درست ہے' جیسے کہ نیک انسانوں کا بھی وسیلہ دینا جائز ہے۔

مذکورہ واقعہ میں تینوں افراد نے اللہ تعالیٰ سے اپنے نیک اعمال کا واسطہ اور وسیلہ دیکر دعا کی کہ ہمارے اِن نیک اور خالص اعمال کے ذریعہ اس مصیبت کو ہم سے دور فرما۔

بہت سے لوگ وسیلہ کے منکر ہیں کہ وسیلہ دینا جائز نہیں۔ یہ حدیث واضح طور پر ان لوگوں کے اوپر حجت ہے۔

۳۔ تقویٰ اور اللہ کا خوف و خشیت' دو ایسی چیزیں ہیں کہ یہ انسان کو ہر بلاء و کرب سے نجات دیتی ہیں۔ یعنی جو شخص حقیقتِ تقویٰ پر عمل کرے کہ محض اللہ کے خوف سے گناہ کے اسباب مہیا ہونے کے باوجود اور گناہ کا ماحول ہونے کے باوجود اور گناہ پر کسی دنیوی سزا و پکڑ کا خوف نہ ہونے کے باوجود گناہ نہ کرے اور اللہ کا خوف اس پر غالب آجائے جیسا کہ اس دوسرے شخص کے ساتھ ہوا کہ محض اللہ کے خوف سے بدکاری کا ارادہ ترک کر دیا اور وہ بھی عین اس وقت جب خواہش کا منہ زور گھوڑا بے لگام ہونے کو تھا اور اس کی بے لگامی کے لئے کوئی مانع' اور رکاوٹ نہیں تھی۔ اللہ نے اس تقویٰ کی برکت یہ نصیب فرمائی کہ راستہ کھول دیا۔ اور تقویٰ کا یہی فائدہ ہے۔ رشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجعَلْ لَه' مَخرَجاً۔ (الطلاق/۲)

اور جو کوئی اللہ سے ڈرے' وہ اس کے لئے راہ نکلنے کی بنا دیتا ہے۔

۴۔ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی' کرب و بلاء اور مصیبت کے وقت انسان کو اللہ سے رجوع کرنا چاہیئے' اپنے گناہوں کی معافی اور استغفار کی کثرت کرنی چاہیئے۔ اور مصیبت میں اللہ کو یاد کرنا اور اس سے رجوع کرنا بھی انسان کے لئے اس مصیبت کو نعمت بنا دیتا ہے۔ ورنہ بعض اوقات۔ اللہ بچائے' انسان پر بڑی بڑی مصیبت آتی ہے اس کے باوجود وہ اللہ کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ اس کی طرف رجوع نہیں کرتا یہ بڑی سخت دلی اور تشویش کی بات ہے اور علامت ہے اس بات کی کہ اور ان کے دل

زنگ آلود ہو چکے ہیں:

خَتَمَ اللّٰہُ علیٰ قُلوبِھِم (البقرہ/۷)

اللہ نے ان کے دلوں پر مُہر لگادی ہے'

۵۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی کوئی انتہا نہیں' اور ان کے ساتھ نیکی کرنا' ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا اللہ کے یہاں بڑی قدر و قیمت کا حامل عمل ہے۔ والدین کا جو عظیم حق اور ان کی عظمت واحترام اللہ نے رکھا ہے وہ اسلام کے سوا دنیا کے دیگر مذاہب میں کہیں نہیں ہے۔ اور والدین کیساتھ حسنِ سلوک کا بہترین نتیجہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی دکھاتے ہیں۔ برالوالدین (والدین سے بہترین برتاؤ) اسلام کا ایک مستقل حکم ہے' اور بموجب حدیثِ نبویؐ انسان کیلئے جنت میں جانے کا سہل ترین راستہ ہے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ کا خوف اور خشیت ان عظیم عبادات میں سے ہے جو گناہوں سے روکنے کا ذریعہ اور معاصی سے اجتناب کا راستہ ہے۔ جس دل میں تقویٰ اور خوف خدا ہو اس کے لئے گناہ کا کیسا ہی ماحول کیوں نہ ہو اور گناہ پر کسی دنیوی پکڑ دھکڑ کا خوف بھی نہ ہو تب بھی اس کے لئے گناہ سے بچنا بہت آسان ہے۔ یہی تقویٰ اور خشیت الٰہی ہے جو عینِ تکمیلِ شہوت کے موقع پر بھی گناہ سے باز رکھتی ہے۔ اور یہی خوف خدا ہے جو عرب کے مسکین اور غریب چرواہے کی زبان سے "فأین اللّٰہ؟" (تو اللہ کہاں گیا؟ وہ تو دیکھ رہا ہے) کہلوا رہا ہے' اور یہی وہ خشیتِ الٰہی ہے جو رات کی تاریکی میں عرب کی اس غریب لڑکی کو ماں کے حکم کے باوجود دودھ میں ملاوٹ سے باز رکھتی ہے اور فاروقِ اعظمؓ کی مومنانہ فراست سے اللہ کے حکم کے مطابق عمر ثانیؒ کی نانی بنتی ہے۔

۷۔ حدیث سے ایک اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ گناہ کا ارادہ کرنے والا گناہگار نہیں ہوتا جب تک کہ اس ارادہ پر عمل نہ کرلے اور یہ کہ خواہشِ گناہ 'گناہ نہیں۔ گناہ کی خواہش پر عمل کرنا گناہ ہے' جیسا کہ وہ شخص جو زنا کے ارادہ سے گیا اور عین زنا کے وقت خوفِ الٰہی سے رک گیا تو اس کا یہ عمل باعثِ اجر ہے کہ اللہ کے خوف سے ایسے مشکل وقت میں ترکِ گناہ پر آمادہ ہو گیا۔

۸۔ حدیث سے حقوق العباد کی اہمیت اور ان کی بہترین طریقہ سے ادائیگی کرنے والے کا اللہ کے یہاں مقرب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ مستأجر (وہ شخص جس نے مزدور کو اجرت پر کام کے لئے رکھا تھا) نے نہ صرف مزدور کے اصل حق کو محفوظ رکھا بلکہ اس کو مزید کاروبار و زراعت میں لگادیا تاکہ اس کی اجرت مزید بڑھ جائے حالانکہ ایسا کرنا اس کے لئے شرعاً ضروری نہیں تھا۔ اور پھر اس کی اصل مزدوری اور اجرت سے کئی گناہ زیادہ مال اس نے مزدور کو دیا تو یہ اس کے بہترین سلوک کی دلیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا یہ عمل اتنا مقبول ہوا کہ ایک ناممکن کام اس عمل کی برکت

سے ممکن ہو گیا لہٰذا انسان کو دوسرے انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کا ہمیشہ اہتمام کرنا چاہیئے اور انہیں ضائع کرنے سے حتی الإمکان گریز کرنا چاہیئے کہ بندوں کے حقوق کی معافی نہیں ہو گی جب تک کہ صاحبِ حق معاف نہ کردے یا اس کا حق ادا نہ کردیا جائے۔

۹۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ کاروبار' تجارت اور زراعت وغیرہ میں اگر دیانت داری کو اپنایا جائے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماتے ہیں۔

نیت کی صفائی کسی بھی وسیلہ میں برکت کے حصول کے لئے نہایت ضروری ہے۔ صاحبِ مال کی نیت میں کوئی فتور نہیں تھا بلکہ اس کی نیت بہت عمدہ اور اچھی تھی' اس نے تھوڑی سی اجرت کو جب کام میں استعمال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس قلیل مال میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ نہایت تھوڑے عرصہ میں وہ اتنا زیادہ ہو گیا کہ صاحبِ حق کو یقین نہیں آیا۔ یہ سب نیت کی درستگی اور دیانتداری کا نتیجہ ہے۔

۱۰۔ فقر و فاقہ اور افلاس انسان کو بعض اوقات اپنی عزت و عصمت تک فروخت کرنے پر آمادہ کردیتی ہے اور وہ چند پیسوں کے حصول کیلئے جسم فروشی جیسا سفلی عمل تک کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے فقر و فاقہ اور افلاس و محتاجی سے پناہ مانگنی چاہیئے' اور اس افلاس سے بچنے کیلئے محنت کر کے' رزقِ حلال کے حصول کی بھی جدوجہد کرنی چاہیئے۔

آج پوری دنیا میں جہاں جہاں جسم فروشی ہو رہی ہے اس کی بنیادی وجہ غربت و افلاس ہے اور مجبور لڑکیاں چند روپوں اور ٹکوں کے عوض اپنا آپ فروخت کرتی ہیں۔ یہ درحقیقت معاشرتی عدم توازن کی وجہ سے ہے۔

اسلام کا نظام مالیات و نظام معاشرت جو نظام ہمیں عطا کرتا ہے اس سے معاشرہ میں عدمِ توازن پیدا نہیں ہوتا اور اس طرح کی نوبت ہی نہیں آتی کہ کوئی باحیا خاتون اپنی عصمت بیچنے پر مجبور ہو جائے' مسلمانوں کے مالدار اپنے غرباء کی حاجت روائی کرتے رہیں گے' زکوٰۃ' صدقات' عطیات کے ذریعہ تو معاشرہ میں عدمِ توازن پیدا نہیں ہو گا اور یہی اسلام کے نظامِ حیات و نظامِ معیشت کی بنیادی خوبی ہے۔

تلك عشرة كاملة

پچیسواں قصہ ﴿۲۵﴾

رحمتِ حق بہانہ می جوید

تمہید

اللہ تعالیٰ جب کسی کو نوازنا چاہتے ہیں تو بعض اوقات کسی معمولی عمل پر بھی رحمت و مغفرت فرمادیتے ہیں۔ اس کا کرم کسی پر بھی ہو سکتا ہے۔ایک ایسے شخص کا واقعہ جو سر سے پیر تک گناہوں میں ڈوبا ہوا تھا لیکن رحمتِ حق کی دستگیری سے اس کی عنایت و کرم کا مستحق ہو گیا۔

نص الحدیث:

روى الترمذي في سننه عن ابنِ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُحَدِّثُ حَدِيثًا لَوْ لَمْ أَسْمَعْهُ إلا مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ، حَتَّى عَدَّ سَبْعَ مَرَّاتٍ، وَلَكِنِّي سَمِعْتُهُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ : (يَقُولُ كَانَ الْكِفْلُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ لا يَتَوَرَّعُ مِنْ ذَنْبٍ عَمِلَهُ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَأَعْطَاهَا سِتِّينَ دِينَارًا عَلَى أَنْ يَطَأَهَا، فَلَمَّا قَعَدَ مِنْهَا مَقْعَدَ الرَّجُلِ مِنِ امْرَأَتِهِ أَرْعَدَتْ وَبَكَتْ، فَقَالَ: مَا يُبْكِيكِ؟ أَأَكْرَهْتُكِ؟ قَالَتْ: لا، وَلَكِنَّهُ عَمَلٌ مَا عَمِلْتُهُ قَطُّ، وَمَا حَمَلَنِي عَلَيْهِ إلا الْحَاجَةُ.

فَقَالَ: تَفْعَلِينَ أَنْتِ هَذَا، وَمَا فَعَلْتِهِ، اذْهَبِي فَهِيَ لَكِ. وَقَالَ: لا وَاللهِ، لا أَعْصِي اللهَ بَعْدَهَا أَبَدًا، فَمَاتَ مِنْ لَيْلَتِهِ، فَأَصْبَحَ مَكْتُوبًا عَلَى بَابِهِ، إِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لِلْكِفْلِ).

ترجمۃ الحدیث:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو سنا کہ حدیث بیان فرماتے تھے، اور اگر میں نے ایک مرتبہ یا دو یا تین یا چار یا پانچ یا چھ یا سات مرتبہ اس کو آپؐ سے نہ سنا ہوتا (تو یہ حدیث بیان نہ کرتا) لیکن میں نے اس سے بھی زیادہ دفعہ یہ حدیث سنی ہے۔(اس لئے اس کے بالکل یقینی ہونے کی بناء پر یہ حدیث بیان کر رہا ہوں)۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ:

"بنی اسرائیل میں کفل نامی ایک شخص تھا، جو کسی گناہ کے کرنے سے اجتناب نہ کرتا تھا، اس کے پاس کوئی عورت آئی (اپنے کسی کام سے) تو اس نے اس عورت کو ساٹھ دینار دیئے اور اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اس سے بدکاری کرے گا۔ چنانچہ جب وہ اس عورت سے بدکاری کرنے کے لئے

عورت کے ....پاس بیٹھا تو وہ کانپنے اور رونے لگی' اس نے کہا کہ کیوں روتی ہے؟ کیا میں تجھ کو ناپسند کرتا ہوں؟ وہ کہنے لگی نہیں (یہ بات نہیں) لیکن یہ ایک ایسا کام ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا اور میری محتاجی نے مجھے اس پر مجبور کر دیا (ورنہ ہرگز یہ کام نہ کرتی)

اس نے کہا کہ: ایک طرف تو یہ کہتی ہے اور دوسری طرف وہ جو کر چکی ہے (یعنی پیسے لے چکی ہے) جا چلی جا وہ پیسے بھی تیرے ہی ہیں۔ اور کہنے گا: نہیں اللہ کی قسم! آج کے بعد میں اللہ کی کبھی بھی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اسی رات اس کا انتقال ہو گیا۔ جب صبح ہوئی تو اس کے دروازہ پر لکھا ہوا تھا:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت فرمادی ہے"۔

تخریج الحدیث:۔

أخرجہ الترمذی فی سننه وقال: ہذا حدیث حسن۔ ۶/۲ ۷

تشریح الحدیث

بنی اسرائیل کا یہ شخص جس کا نام کفل تھا' نہایت فاسق و فاجر اور بد کردار شخص تھا' اللہ کی حرمات کو توڑنے والا' شعائر اللہ کی بے حرمتی کرنے والا اور عزت و آبرو کو لوٹنے والا تھا' مالدار تھا اکثر لوگ اس سے اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے پیسے لیتے تھے' ان میں خواتین کی کثرت تھی' یہ خواتین کو اس شرط پر پیسے دیتا تھا کہ ان کی عزت پر حملہ اور ان کی عصمت دری کرے' غربت و افلاس سے خواتین اس کی شرط کو پورا کرنے پر مجبور ہو جاتی تھیں۔

ایسی ہی ایک عورت نے اس سے اپنی ضرورت کے لئے کچھ پیسے طلب کئے تو اس نے حسبِ معمول وہی شرط رکھی' اور اس شرط پر اسے ساٹھ دینار دے دیئے۔ عورت مجبوراً راضی ہو گئی۔ جب تکمیل شرط کا وقت آیا اور وہ بدکاری کے لئے اس عورت کے پاس بیٹھا تو وہ اللہ کے خوف اور خشیّت سے کانپنے اور لرزنے لگی' اس پر گریہ طاری ہو گیا۔ وہ شخص حیران ہوا کہ روتی کیوں ہے؟ اس نے پوچھا تو کہنے لگی کہ:

"میں نے یہ کام کبھی نہیں کیا' اور آج بھی صرف ضرورت اور حاجت مندی کی وجہ سے اس پر مجبور ہوئی ہوں (ورنہ کبھی ہرگز ایسا نہ کرتی)۔

اس عورت کی یہ بات اس کے دل پر اثر انداز ہو گئی۔ اس نے کہا کہ ایک طرف تو یہ کہتی ہے اور دوسری طرف پیسے مانگتی ہے۔ خیر جا۔ وہ پیسے بھی تیرے ہوئے۔ اس کے بعد کہنے لگا:

"نہیں' اللہ کی قسم! میں آئندہ کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کروں گا"۔

اب اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے! جونہی اس نے توبہ کی اللہ نے فوراً اسے موت دے دی' کیونکہ سچی

توبہ کے بعد بندہ گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے' اور ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آئندہ اس کو گناہ کے ماحول سے محفوظ رکھنے کے لئے اسی رات اس کو موت دے دی۔

جب صبح کو اس کا دروازہ دیکھا گیا تو اس پر غیبی طور پر یہ لکھا ہوا تھا:

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کفل کی مغفرت فرمادی"۔

اللہ کی رحمت جس پر ہو جائے تو یونہی کرم ہوتا ہے کہ کوئی لمبی چوڑی محنت کئے بغیر مغفرت کا پروانہ عطا ہو جاتا ہے۔ وہ غفور الرحیم ہے اسے نہ کسی کی عبادت کی محتاجی نہ اعمال کی۔ وہ اپنا فضل جس پر چاہے کر دے کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ وہ صمد اور بے نیاز ہے۔ جسے چاہے نواز دے۔

ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

چند عبرت ونصائح

۱۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ ایسا بے نیاز ہے کہ کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا کہ مغفرت وہدایت اس کے ہاتھ میں ہے۔ جب چاہے جسے چاہے ہدایت سے نواز دے' جس کی چاہے بغیر عمل کے مغفرت فرمادے' یہ اس کی نکتہ نوازی ہے کہ دل کے اخلاص سے کی جانے والی توبہ کو قبولیت کا وہ مقام عطا فرمائے کہ سب دیکھتے رہ جائیں۔

۲۔ انسان کو کبھی کسی کے ظاہری حال کو دیکھ کر اس کے مستقبل کے متعلق کوئی رائے نہیں قائم کرنی چاہئے اسلئے کہ بڑے سے بڑا فاجر و فاسق بھی کسی بھی وقت رحمتِ حق کی آغوش میں جا سکتا ہے۔ اور بڑے سے بڑا عابد وزاہد کسی بھی لمحہ بارگاہِ حق سے راندہ' درگاہ ہو سکتا ہے۔

وہ چاہے تو بلعم باعور کو تمام تر عبادات کے باوجود محروم و شقی کر دے اور چاہے تو فضیل بن عیاض جیسے بڑے ڈاکو کو لمحوں میں اپنی طرف بلالے اور اپنی رحمت کا مورد بنادے۔ حدیث میں بیان کردہ واقعہ بھی اس کی ایک واضح مثال ہے۔

۳۔ محتاجی اور افلاس سے بچنے کی کوشش کرنا چاہئے اور اللہ سے اس سے پناہ بھی مانگنی چاہیئے کہ یہ ایسی چیز ہیکہ انسان کو بڑے سے بڑے ناپسندیدہ عمل پر بھی مجبور کر دیتی ہے۔

۴۔ حدیث بیان کرنے میں حضراتِ صحابہ کرامؓ کی غایت درجہ احتیاط کا اندازہ بھی اس حدیث سے واضح طور پر ہو رہا ہے کہ ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ایک دو بار سنی ہوتی یا تین چار مرتبہ سنی ہوتی یا پانچ چھ سات دفعہ سنی ہوتی تو تم سے بیان نہ کرتا کہ اس میں اس بات کا احتمال تھا کہ میں کوئی غلط بات آپ کی طرف منسوب کر دوں۔ یا مجھ سے حدیث بیان کرنے میں نادانستگی میں بھول ہو جائے۔ جو بڑا سخت گناہ ہے۔ لہٰذا اس کو جو بیان کر رہا ہوں تو سات سے زیادہ بار میں نے آپؐ

سے یہ حدیث سنی ہے تب جاکر اسے پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ بیان کر رہا ہوں۔

بلاشبہ حدیثِ رسول کا حق یہی ہے کہ جب تک یقینی طور پر معلوم نہ ہو اسے حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا بے احتیاطی کی بات ہے۔

چھبیسواں قصہ ﴿۲۶﴾

بادل بھی ہے حکمِ الٰہی کا پابند

تمہید

یہ ساری کائنات اور اس کے اندر موجود تمام کائناتی اشیاء حکمِ الٰہی کے تابع ہیں' سورج' چاند' ستارے' سیاراتِ فلک سب اس کے حکم کے تحت گردش کررہے ہیں۔ دنیائے رنگ وبو کو سیراب کرنے اور خشک کھیتوں کو سرسبز وشاداب لہلہاتے گلستانوں میں تبدیل کرنے والے بادل بھی اسکے حکم کے خلاف اپنی مرضی سے کہیں نہیں برس سکتے۔ جب بندہ اپنے مالک کا بن جاتا ہے تو مالک اپنی کائنات کی اشیاء کو اس کے مصالح کے تحت استعمال کرتے ہیں' جس کام میں بندہ کے لئے بہتری ہوتی ہے کائنات کے نظام کو بھی اس کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ زیرِ نظر واقعہ ایک ایسے شخص کا ہے جو اللہ کا ہوگیا تو اللہ اس کا ہوگیا۔

نص الحدیث:

روى مسلم في صحيحه عن أبي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلاةٍ مِنَ الأَرْضِ، فَسَمِعَ صَوْتًا فِي سَحَابَةٍ: اسْقِ حَدِيقَةَ فُلان، فَتَنَحَّى ذَلِكَ السَّحَابُ، فَأَفْرَغَ مَاءَهُ فِي حَرَّةٍ، فَإِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذَلِكَ الْمَاءَ كُلَّهُ، فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ، فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِي حَدِيقَتِهِ، يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهِ، فَقَالَ لَهُ: يَا عَبْدَ اللهِ مَا اسْمُكَ؟ قَالَ: فُلانٌ لِلاسْمِ الَّذِي سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ.

فَقَالَ لَهُ: يَا عَبْدَ اللهِ، لِمَ تَسْأَلُنِي عَنِ اسْمِي؟ فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِي هَذَا مَاؤُهُ يَقُولُ: اسْقِ حَدِيقَةَ فُلان لاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيهَا؟

قَالَ: أَمَّا إِذْ قُلْتَ هَذَا، فَإِنِّي أَنْظُرُ إِلَى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا، فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ، وَآكُلُ أَنَا وَعِيَالِي ثُلُثًا، وَأَرُدُّ فِيهَا ثُلُثَهُ).

ترجمۃ الحدیث:

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

"ایک شخص کسی بیابان اور ویران زمین میں تھا کہ اسی دوران اس نے ایک بادل میں آواز سنی: فلاں کے باغ کو سیراب کر۔ تو وہ بادل (دوسرے بادلوں سے ہٹ کر) ایک طرف کو چلا گیا اور پانی ایک

پتھریلی زمین میں برسادیا۔ وہ سارا پانی وہاں بنی نالیوں میں جمع ہوتا گیا (اور ایک جانب کو بہتا گیا) وہ شخص (جس نے آواز سنی تھی) پانی کے پیچھے پیچھے چلا (کہ دیکھے آخر کیا ماجرا ہے؟) آگے چل کر اس نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا بیلچے سے پانی کو باغ کی طرف پھیر رہا ہے۔

اس شخص نے اس باغ والے سے کہا: اے اللہ کے بندے! تیرا کیانام ہے؟ اس آدمی نے وہی نام بتایا جو اس نے بدلی میں سنا تھا۔

اب اس باغ والے نے پوچھا کہ اے اللہ کے بندے! تو نے میرا نام کس لئے پوچھا ہے؟ اس نے کہا کہ: میں نے اس بدلی میں جس کا یہ پانی آرہا ہے غیبی آواز سنی تھی کسی کہنے والے نے تمہارا نام لے کر کہا تھا کہ فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کردے۔ تو آخر تم اس باغ میں کیا کرتے ہو؟ (جو اتنے مقرب ہو اللہ کے یہاں)۔

اس نے کہا کہ جب تم نے یہ بات کہی ہے تو مجھے بتانا ہی پڑیگا' میں اس باغ کی پیداوار کو دیکھتا ہوں' اسکی کل پیداوار میں سے ایک تہائی صدقہ کردیتا ہوں' ایک تہائی میں اور میرے اہل وعیال کھاپی لیتے ہیں اور ایک تہائی دوبارہ اسی باغ میں استعمال کرلیتا ہوں"۔

تخریج الحدیث :۔

صحیح مسلم۔ کتاب الزھد والرقائق رباب الصدقۃ علی المساکین۔ ۲/۴۱۱۔

تشریح الحدیث

رسول کریم ﷺ نے اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی غیبی قوتوں کے ذریعہ اپنے فرماں بردار بندوں کی عجیب طریقہ سے امداد کرنے کا ایک حیرت انگیز واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جب بندہ اللہ کی رضاجوئی کیلئے کام کرتا ہے تو کس طرح اللہ کی غیبی مدد ونصرت اسکے ساتھ ہوتی ہے۔

اس واقعہ کا لب لباب یہ ہے کہ ایک شخص کسی بیابان اور صحرا میں تھا' اچانک اس نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا کہ: فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کر!۔ یہ آواز بادل میں سے آئی تھی' کہنے والا سامنے نہیں تھا' لہٰذا اس شخص کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا عجیب بات ہے۔

اس نے دیکھا کہ پھر وہ بادل دوسرے بادلوں سے ہٹ کر ایک طرف کو چل دیا اور کچھ دور جاکر ایک پتھریلی' سیاہ پتھروں والی زمین میں اپنا پانی برسانے لگا' زمین پتھریلی تھی تو اس نے پانی جذب نہیں کیا بلکہ وہ سارا پانی وہاں بنی مختلف نالیوں میں جمع ہوگیا اور ایک جانب کو بہنے لگا۔

یہ شخص پانی کے پیچھے پیچھے چلتا رہا تاکہ دیکھے کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ چلتے چلتے وہ ایک باغ میں پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ پانی اس باغ میں جارہا ہے اور وہاں ایک آدمی کھڑا بیلچے سے اس پانی کو باغ کے اندر

مختلف جگہوں پر پھیر رہا ہے۔ وہ زمین نہری تو تھی نہیں' بارش کے پانی پر ہی اس کی پیداوار کا مدار تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بادل کو حکم دیا کہ اس آدمی کے باغ کو سیراب کرے۔

یہاں ایک عجیب نکتہ یہ ہے کہ بادل ایک پتھریلی زمین پر برسا' حالانکہ وہ براہِ راست اس باغ پر بھی برس سکتا تھا' لیکن ایسا نہیں ہوا' بظاہر اس کی وجہ یہ تھی۔ واللہ اعلم۔ کہ بعض اوقات براہِ راست کسی کھیتی یا باغ میں بارش برسنے سے کھیتی اور باغ کی پیداوار کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور وہاں پانی کو جڑوں میں نالیوں کے ذریعہ پہنچانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

قدرت نے اس کا انتظام یوں فرمایا کہ پتھریلی زمین پر اسے برسایا تاکہ زمین وہ پانی جذب نہ کرلے کیونکہ اگر ریتلی زمین ہوتی تو سارا پانی وہی اپنے اندر جذب کرلیتی' اور پھر وہ پانی مختلف نالیوں کے ذریعہ اس شخص کے باغ تک پہنچا اور اس نے اپنی ضرورت کے مطابق اسے باغ میں پہنچادیا۔ یہ شخص جس نے آواز سنی تھی بڑا حیران تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ آخر اس سے رہا نہ گیا اور اسنے باغ والے سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جو نام بتایا تو وہی تھا جو اس نے بادل کی آواز میں سنا تھا۔ باغ والے نے پوچھا کہ آخر تم میرا نام کیوں دریافت کررہے ہو؟ اس نے ساری بات بتلائی اور اس سے پوچھا کہ تم ایسا کونسا خاص کام اور نیک عمل کرتے ہو جس کی بدولت اللہ کے اتنے مقرب بن گئے کہ بادل کو اللہ تعالیٰ تمہارا نام لیکر تمہارے باغ کو سیراب کرنے کا حکم فرمارہے ہیں؟

اس نے کہا کہ بھائی اب تم نے پوچھا ہے تو بتانا ہی پڑیگا' بات یہ ہے کہ میں اپنی کل پیداوار کے تین حصے کردیتا ہوں:

ایک حصہ تو فقراء و مساکین اور ضرورت مندوں میں خرچ کردیتا ہوں۔ دوسرا حصہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہوں اور تیسرا حصہ دوبارہ کھیتی باڑی میں لگادیتا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کی برکت سے اس کیلئے غیبی مدد کا انتظام فرمایا۔ کیونکہ شب و روز کی خون پسینہ ایک کرکے حاصل ہونے والی کمائی کا ایک بڑا حصہ فقراء و مساکین میں خرچ کردینا بہت حوصلہ اور ہمت کی بات ہے۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ کائنات کی ہر چیز اور نظامِ کائنات کا ہر حصہ اللہ کے حکم کا پابند ہے۔ بادل کو جس جگہ برسنے کا حکم ہوگا وہاں ہی برسے گا دوسری جگہ اپنی مرضی سے نہیں برس سکتا۔ ایک بادل کسی جگہ پر نظر آتا ہے پانی سے لبریز ہوتا ہے' محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ اب برسے گا لیکن وہ برسے بغیر گزر جاتا ہے کہ اس کے لئے جہاں کا حکم ہے وہیں برسے گا۔ یہ شب و روز کے مشاہدہ کی بات ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص اور نیک بندوں اور صلحاء کی ضروریات اور رزق رسانی کا کیا غیبی انتظام

فرماتے ہیں یہ اس حدیث سے وضاحتاً معلوم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کے اعمالِ حسنہ کو ضائع نہیں فرماتے اور ان کے اعمالِ صالحہ کی برکت دنیا میں بھی ظاہر فرماتے ہیں اور اس کے ثمرات انہیں عطا فرماتے ہیں۔

۳۔ صدقہ کرنا نہایت افضل عمل ہے۔ ایسا عمل جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اس شخص کو بھی صدقہ کی برکت سے یہ نعمت حاصل ہوئی کہ اس کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بادل کو حکم دیا گیا کہ اس کے باغ کو سیراب کرے۔

۴۔ ہر معاملہ میں توازن اور اعتدال اللہ کو محبوب ہے۔ ہر حق دار کو اس کا حق دینا اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے۔ اس شخص نے اپنے مال میں جو متوازن نظام قائم کیا تھا اللہ کو وہ بہت پسند تھا کہ ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دیا۔ جو گھر والوں اور اہل وعیال کا حق تھا انہیں دیا' یہ نہیں کہ اگر صدقہ کرنا محبوب ہے تو اس میں اہل وعیال کے حق کو ضائع کر دیا جائے یا اس کے برعکس سب کچھ اہل وعیال پر ہی خرچ کر دیا جائے اللہ کی راہ میں اس کے غریب' فقیر اور محتاج بندوں کی حاجات سے صرفِ نظر کر لیا جائے۔ اسی طرح جو کھیتی اور معاش کا حق تھا اسے دیا تاکہ اس کا روزگار قائم رہے اور وہ اسی طرح اپنے اہل وعیال اور فقراء و مساکین کی کفالت کرتا رہے۔

محتاج بننے سے زیادہ محتاجوں کی خدمت کے قابل بننا زیادہ محبوب عمل اور عقلمندی کا راستہ ہے۔

ستائیسواں واقعہ ﴿۲۷﴾

وہ بندہ خدا کا محبوب ہے جو......

تمہید

اللہ کے بندوں سے بے لوث 'پر خلوص اور بے غرض محبت' بندوں کے رب کا محبوب بناتی ہے۔ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے' اس سے محبت در حقیقت خالق سے محبت کی علامت ہے' فی زمانہ ی جذبہ پر خلوص اب ناپید ہو چکا ہے' غرض کی دوستی اور مطلب کی محبت تو قدم قدم پر نظر آتی ہے لیکن غرض کی تکمیل اور مطلب بر آری کے بعد سب محبت کے دعوے بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔ موم کی شان "الحب اللہ والبغض اللہ" اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے دشمنی ہوتی ہے۔ ایسے ہی ایک فرد کا واقعہ جو بے غرض محبت کا قائل تھا۔

نص الحدیث:

روى مسلم في صحيحه عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : (أَنَّ رَجُلا زَارَ أَخًا لَهُ فِي قَرْيَةٍ أُخْرَى، فَأَرْصَدَ اللهُ لَهُ عَلَى مَدْرَجَتِهِ مَلَكًا، فَلَمَّا أَتَى عَلَيْهِ، قَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قَالَ: أُرِيدُ أَخًا لِي فِي هَذِهِ الْقَرْيَةِ، قَالَ: هَلْ لَكَ عَلَيْهِ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا؟ قَالَ: لا، غَيْرَ أَنِّي أَحْبَبْتُهُ فِي اللهِ عَزَّوَجَلَّ، قَالَ: فَإِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكَ بِأَنَّ اللهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ)

ترجمۃ الحدیث:۔

حضرت ابو ہریرہؓ' نبی اکرم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"ایک شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی زیارت اور اس سے ملاقات کے لئے چلا' وہ دوسری بستی میں تھا' اللہ تعالیٰ نے اس کے راستہ میں ایک فرشتہ کو اس کا منتظر بنا کر بٹھادیا۔ جب وہ اس تک پہنچا تو فرشتہ نے (جو انسانی شکل میں تھا) اس سے پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ: اس بستی میں میرا بھائی ہے اس سے ملنے جانے کا ارادہ ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ: کیا تمہارا اس پر کوئی حق ہے کہ اس کی وجہ سے وہاں جا رہے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں! (جانے کا سبب سوائے اس کے) کچھ نہیں کہ میں اس سے اللہ عزّ وجل کے لئے محبت کرتا ہوں۔ فرشتہ نے کہا کہ' بلا شبہ میں تمہارے لئے اللہ کا فرستادہ ہوں (اور یہ پیغام دینے کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ) بلا شبہ اللہ تعالیٰ بھی تم سے اسی طرح محبت فرماتے ہیں جیسے تم اس سے محبت کرتے ہو"۔

تخریج الحدیث :۔

صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلہ والآداب / باب فضل الحب فی اللہ۔ ۲/۳۱۶

تشریح الحدیث

اس واقعہ میں اللہ عزوجل کے بندوں سے اور خصوصاً اہلِ ایمان سے خالص اللہ کی رضا کے لئے محبت کرنے کی فضیلت اور اس کا بہترین نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ بلاشبہ اللہ کی رضا کے لئے محبت کرنا بہت ہی مشکل عمل ہے۔

خود غرضی، مفاد پرستی، مطلب پرستی اور کھوٹ کی اس دنیا میں بے غرض و پر خلوص محبت ناپید ہو چکی ہے حتیٰ کہ خون کے رشتے بھی اب مطلب پورا نہ ہونے پر بے قیمت ہو جاتے ہیں۔

شریعت کا حکم یہ ہے کہ کسی بندہ کے ساتھ دوستی و دشمنی کا مدار ذاتی مفادات، گروہی اغراض، اور طبقاتی بنیاد پر نہ رکھو کہ فلاں چونکہ ہمارے گروہ یا جماعت کا ہے لہٰذا اس سے محبت رکھو، فلاں سے ہمارا کام وابستہ ہے تو اس سے تعلق رکھنا چاہیئے یا فلاں ہمارے طبقہ کا نمائندہ ہے لہٰذا اس سے محبت کرنی چاہیئے اور اس کی حمایت کرنی چاہیئے۔ یہ سب پیمانے اور بنیادیں غلط ہیں۔ ان سے دنیا میں منافقت، کھوٹ، کدورتیں اور بغض و عداوت پھیلا کرتا ہے۔

چنانچہ یہ شب و روز کا مشاہدہ ہے کہ غرض کی دوستی اور مطلب کی محبت انجام کار بدترین دشمنی پر منتج ہوتی ہے اور آج کے دوست کل دشمنوں کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں اور وہ شخص جو کل تک ہماری نگاہوں میں فرشتہ صفت ہوتا ہے، آج روئے زمین کا بدترین انسان بن جاتا ہے، یہ کھوکھلے معیارات اور سطحی بنیادیں اسی طرح کے نتائج پیدا کرتی ہیں۔

دوستی کا مدار بھی اللہ اور دشمنی کا مدار بھی اللہ ہونا چاہیئے۔ فلاں اللہ کا دشمن ہے تو ہمارا بھی دشمن ہے، فلاں اللہ کا محبوب کا تو ہمارا بھی محبوب ہے، اگر کسی سے محبت ہے تو غرض کی بنیاد پر نہیں، مفادات کی تکمیل کیلئے نہیں، ذاتی خواہشات کے لئے نہیں۔ مطلب پورا ہو یا نہ ہو، ہر حال میں محبت اور کسی سے دشمنی بھی اس بنیاد پر نہیں ہونی چاہئے۔

یہ واقعہ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے بندوں سے محبت کرنے کے بہترین انجام کو بیان کرتا ہے کہ بندوں سے بے لوث محبت کرنے والا خالق کی محبت کا مرکز بن جاتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے لگتے ہیں۔ جب بندہ اللہ کا محبوب بن جائے گا تو پھر ساری دنیا بھی اس سے محبت کرنے لگی گی۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

ایمان کے بہترین خصائل میں سے ایک اللہ کے لئے محبت کرنا بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے

ہمیں بتلایا ہے کہ باہمی طور پر اللہ کی رضا کے لئے اور بغیر اغراض و مفادات کے محبت کرنے والے قیامت کے روز نور کے منبروں پر ہوں گے اور انبیاء و شہداء ان کی شاندار مجلس اور اللہ سے ان کے قرب پر رشک کریں گے۔

بلا شبہ اللہ کے لئے محبت کرنا دنیا و آخرت کی سعادتوں کی کلید ہے۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ اللہ کے لئے محبت کی فضیلت کا حدیث سے ثبوت ہوتا ہے کہ ایسے بندہ کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیتے ہیں جو اسکے بندوں سے محبت کرتا ہے۔

۲۔ حدیث سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اللہ کے لئے محبت کے اظہار کے لئے دوستوں اور احباب کی ملاقات اور زیارت کے لئے سفر کرنا بھی جائز ہے اور خیر و برکت کا باعث ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کے پاس اپنے فرشتے انسانی صورت میں بھیجتے ہیں، بعض اوقات کسی بات کی نصیحت کے لئے اور بعض اوقات کسی معاملہ کی وضاحت کے لئے اور بعض اوقات کسی بندہ کے بہترین اور افضل عمل کو بتلانے اور اس کا اللہ کے یہاں مقام و مرتبہ بتانے کے لئے اور وہ بھیجا جانے والا فرشتہ نہ نبی ہوتا ہے نہ رسول۔

۴۔ فرشتوں کا انسانی صورت میں یا کسی دوسری صورت میں متشکل ہونا بھی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ وہ فرشتہ اس شخص کے پاس انسانی صورت میں آیا تھا نہ کہ فرشتوں کی اصلی صورت میں۔

۵۔ اخلاص کی اللہ کے یہاں کیا قیمت ہے؟ اس کا اندازہ بھی اس واقعہ سے ہو جاتا ہے کہ اخلاص کی برکت سے انسان وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے جو برسہا برس کی ریاضت سے بھی حاصل نہیں کر پاتا۔ اس شخص کو محبوبیت الٰہی کا مقام اخلاص کی وجہ سے ہی حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے درمیان خالص اور بے غرض محبت پیدا فرمائے۔ آمین

اٹھائیس واں قصہ ﴿۲۸﴾

یہ نکتہ نوازی مالکِ بے نیاز کی

تمہید

وہ احکم الحاکمین ہے' ارحم الراحمین ہے' اس کی صفت صمد ہے' وہ ایسا بے نیاز ہے کہ جسے چاہے بخش دے' جس پر چاہے فضل و کرم کی بارش کر دے' کوئی اس سے پوچھنے والا نہیں فاحشہ کو پانی پلانے پر بخش دے اس کی شان کریمی ہے' ذیل میں اسکی اس شانِ کریمی کے دو مختصر واقعات ذخیرۂ حدیث سے منتخب کر کے دیئے جا رہے ہیں۔

نص الحدیث:

روى البخاري في صحيحه عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: (بَيْنَا رَجُلٌ يَمْشِي، فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ، فَنَزَلَ بِئْرًا فَشَرِبَ مِنْهَا، ثُمَّ خَرَجَ، فَإِذَا هُوَ بِكَلْبٍ يَلْهَثُ، يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ: لَقَدْ بَلَغَ هَـذَا مِثْلُ الَّـذِي بَلَغَ بِي، فَمَلأَ خُفَّهُ، ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ، ثُمَّ رَقِيَ، فَسَقَى الْكَلْبَ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ قَالَ: فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ).

وروى مسلم في صحيحه عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: (أَنَّ امْـرَأَةً بَغِيًّا رَأَتْ كَلْبًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ يُطِيفُ بِبِئْرٍ، قَدْ أَدْلَعَ لِسَانَهُ مِنَ الْعَطَشِ، فَنَزَعَتْ لَهُ بِمُوقِهَا، فَغُفِرَ لَهَا).

وفي رواية عند البخاري عن أبي هريرة: (غُفِرَ لامْرَأَةٍ مُومِسَـةٍ مَـرَّتْ بِكَلْـبٍ عَلَى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ، قَالَ: كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ، فَنَزَعَتْ خُفَّهَا، فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا، فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذَلِكَ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک شخص چلا جا رہا تھا کہ دورانِ سفر اسے سخت پیاس لگی' وہ ایک کنویں میں اترا اور اس سے پانی پیا۔ پھر باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا (پیاس کی شدت سے) ہانپ رہا ہے اور گیلی مٹی چاٹ رہا ہے مارے پیاس کے۔ اس نے کہا کہ اس کا بھی وہی حال ہے جو ابھی میرا تھا۔ اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا اور اسے اپنے منہ سے پکڑا۔ پھر اوپر چڑھا اور کتے کو پانی پلا دیا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (کہ اس نے ایک جانور کی پیاس بجھانے کی نیکی کی توفیق دی) اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی''۔

صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا ہمارے لئے جانوروں کے کام آنے میں بھی اجر ہے؟ فرمایا: جاندار میں اجر ہے''۔ (ہر وہ چیز جس کے اندر تر جگر ہو یعنی جاندار خواہ انسان ہو یا جانور اس کی خدمت کرنے اور اسے کھلانے پلانے پر اجر ہے)۔

امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت تخریج کی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایک فاحشہ عورت نے ایک سخت گرم دن میں ایک کتے کو دیکھا کہ کنویں کے گرد منڈلا رہا ہے' اور اپنی زبان پیاس کی شدت سے باہر نکالا ہوا ہے۔ اس نے اپنا موزہ اتارا (اور اس میں پانی بھر کر اسے پلادیا) اس کی اسی عمل پر مغفرت کردی گئی۔

بخاریؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

''ایک بدکار عورت کی مغفرت کردی گئی جو ایک کتے پر گذری تھی جو کنویں کے گرد پیاس سے ہانپ رہا تھا' قریب تھا کہ پیاس سے ہلاک ہو جاتا۔ اس عورت نے اپنا موزہ اتارا اسے اپنی اوڑھنی سے باندھا اور کتے کے لئے کنویں سے اس کے ذریعہ پانی نکالا' اس کے اس عمل کی بناء پر اس کی مغفرت کردی گئی''۔

تخریج الحدیث :۔

پہلی حدیث: صحیح البخاری۔ کتاب المساقاۃ، باب فضل سقی الماء۔ ۵/ ۴۰

دوسری حدیث: صحیح مسلم کتاب السلام۔ باب فضل سقی البھائم / ۲/ ۷/ ۲۳

صحیح بخاری۔ کتاب بدء الخلق

تشریح الحدیث

اوپر بیان کردہ دونوں واقعات بظاہر ایک جیسے ہیں۔ پہلے واقعہ میں ایک شخص جو کسی سفر میں جارہا تھا' شدید پیاس کا شکار ہوا' اس زمانہ میں جابجا کنویں ہوا کرتے تھے' ایک کنویں پر اس نے پانی دیکھا تو کنویں میں اتر کر اپنی پیاس بجھائی' باہر نکلا تو پیاس سے ہانپتا ایک کتا نظر آیا۔ اسے فوراً خیال آیا کہ جس طرح یہ پیاس سے ہانپ رہا ہے میں بھی ابھی ذرا دیر قبل اسی طرح پیاس سے بے چین تھا۔ فوراً اس نے موزہ اتارا' اس کو منہ سے پکڑا اس میں پانی بھرا اور کتے کو پلادیا۔

اسی طرح دوسرے واقعہ میں وہ عورت فاحشہ تھی' کتے کو پیاس سے زبان لٹکائے دیکھا تو بے چین ہوگئی اور اپنے موزہ میں پانی نکال کر اسے پلایا۔ اس زمانہ میں چمڑہ کے موزے ہوتے تھے جن میں پانی ٹھہر جاتا تھا۔

دونوں واقعات میں اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر دونوں کی مغفرت فرمادی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو خصوصیات عطا فرمائی ہیں وہ کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں کیں۔ انسان اپنی ضرورت کے لئے کنویں میں اتر کر پانی حاصل کرنے پر قادر ہے لیکن جانور کنویں میں اتر کر اپنی پیاس بجھانے پر قادر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتے کی پیاس بجھانے کے لئے انسان کے دل میں جذبہ پیدا کیا اور انسان کی مغفرت کیلئے یہی عمل بہانہ بن گیا۔ بلاشبہ انّ اللّٰہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر۔

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ دونوں واقعات میں کنویں سے پانی نکالنے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں تھی، نہ کوئی ڈول تھا نہ رسی تھی، نہ کوئی دوسرا برتن تھا۔ اس شخص نے اپنی پیاس تو خود کنویں میں اتر کر بجھالی تھی لیکن کتے کو کیسے پلائے؟ کوئی چیز تو تھی نہیں لہٰذا اس نے موزہ اتارا اسے پانی سے بھرا، لیکن اب اوپر کیسے چڑھے؟ ہاتھوں میں موزہ کو پکڑ نہیں سکتا کہ ہاتھوں سے کنویں کی منڈیر کو پکڑنا ضروری ہے نہیں تو اوپر نہیں چڑھ سکتا۔ لہٰذا اس نے اپنے منہ سے موزہ کو پکڑا۔ حالانکہ عام حالات میں انسان اپنے موزہ اور جوتے وغیرہ کو چہرہ کے قریب لانا بھی گوارا نہیں کرتا چہ جائیکہ منہ سے اسے پکڑے لیکن جب رحم کا جذبہ ہو تو سب کام آسان ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اس عورت کے پاس بھی پانی نکالنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، نہ خود کنویں میں اتر سکتی تھی، آخر موزہ اتارا اور اسے بطور ڈول استعمال کیا، اور اپنا دوپٹہ اتارا، اسے بطور رسی استعمال کیا۔ دونوں واقعات میں ایک بے زبان جانور کو پانی پلانے کے لئے اپنی تکلیف کی پروانہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے مغفرت سے سرفراز فرمایا۔ حالانکہ کتا ایک نجس اور ناپاک جانور ہے، انسان کو طبعًا اسے کراہت ہوتی ہے، خاص طور پر جب کہ وہ آوارہ پھرنے والا ہو۔ لیکن مخلوقِ خدا کی تکلیف کو دور کرنا اللہ کے نزدیک نہایت قابلِ اعزاز عمل ٹھہرا اور اس کی بناء پر وہ مغفرت و فضل کے مستحق ہو گئے۔

چند عبرت و نصائح

اس واقعہ میں عبرت و موعظت کے بہت سے پہلو ہیں۔

۱۔ اللہ کی مخلوق پر رحم کرنا، اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کا مستحق بناتا ہے خصوصاً بے زبان جانوروں پر رحم کرنا، ان کی تکلیف کو دور کرنے کا سامان کرنا بہت بڑی بات اور انسانیت کا بہترین درجہ ہے اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ جب بے زبان جانوروں پر رحم کرنا اللہ کے رحم کا مستحق بناتا ہے تو ان بے زبان جانوروں پر ظلم کرنا اور انہیں تکلیف پہنچانا (جب کہ وہ موذی نہ ہوں) اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ کا بھی مستحق بنائے گا۔

۲۔ انسان کی مغفرت بعض اوقات کسی بظاہر چھوٹے نظر آنے والے عمل پر بھی ہو جاتی ہے،

مغفرت اور رحمتِ حق کسی بھی انسان پر کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ عمر بھر کا پاپی لمحہ بھر میں مقربین میں شامل ہو سکتا ہے اور سو سال کی عبادت لمحہ بھر کی لغزش سے بے قیمت ہو سکتی ہے۔

اسی طرح کسی کا صرف ظاہری حال دیکھ کر اس کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کرنا صحیح نہیں جب تک کہ یقینی طور پر اس کے خاتمہ کی حالت کا علم نہ ہو۔

۳۔ حدیث سے ایک اہم بات یہ ثابت ہوئی کہ نیکی کے کسی کام کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے خواہ بظاہر وہ کتنی ہی حقیر یا کم درجہ کی محسوس ہو رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی یہاں عمل کی مقدار اور ظاہری شکل کا اعتبار نہیں ہوتا اس کے اخلاص کو دیکھا جاتا ہے اور اسی کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔

نبی ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں یہی مضمون ارشاد فرمایا ہے کہ:

لا تحقرنّ من المعروف شيئًا (الحديث)

نیکی کی کسی بات کو ہرگز حقیر مت جانو۔

ہو سکتا ہے وہی چھوٹی سی نیکی انسان کی مغفرت کا باعث بن جائے کہ اللہ جل جلالہ 'نکتہ نواز ہیں بشرطیکہ ہم نکتہ لگاتے رہیں' کیا خبر کونسا نکتہ نوازا جائے۔

۴۔ معاصی اور کبائر کے ارتکاب سے کوئی مسلمان کافر نہیں ہوتا نہ ہی رحمتِ حق سے محروم ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات بڑا سخت گناہگار بغیر توبہ کے اپنے کسی نیک عمل کی بناء پر بخشا جاتا ہے جیسے وہ عورت بخشی گئی۔ کسی بھی گناہگار سے گناہگار مسلمان کو کافر نہ کہنا چاہیئے نہ سمجھنا چاہیئے۔

۵۔ اللہ کے اخلاق سے اپنے آپ کو متصف کرنے کی کوشش کرنا بہت عظیم عمل ہے۔

تخلّقوا باخلاق الله (اللہ کے اخلاق جیسے اپنے اخلاق بنانے کی کوشش کرو) کے حکم پر عمل کرنا اللہ کو بہت محبوب ہے۔ عبادات و فرائض کی اہمیت اپنی جگہ اور ان سے کسی حال میں مفر نہیں لیکن مخلوقِ خدا کے ساتھ رحم و کرم کرنا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا عظیم انسانیت ہے۔

نبی کریم ﷺ نے یہی انسانیت اپنی حیاتِ طیبہ میں صحابہؓ کو سکھائی اور اسی انسانیت نے اسلام کو قلیل مدت میں چاردانگِ عالم میں پھیلادیا۔

انتیس واں قصہ ﴿۲۹﴾

ایک سنگین غلطی...... مگر خوفِ خدا سے

تمہید

عمر بھر گناہوں کی دلدل میں دھنسے ہوئے ایک شخص کا واقعہ جس نے خوفِ خدا سے ایک نہایت سنگین غلطی کا ارتکاب کیا لیکن رحمتِ حق کی دستگیری سے کامیاب ہوا۔ اس غلطی کو ـــــ ایں خطا از صد صواب اولیٰ تراست تو نہیں کہا جاسکتا لیکن یہ خوفِ خدا کی اہمیت کو ضرور اجاگر کرتی ہے۔

نص الحدیث:

روی مسلم في صحیحه عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: (قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ حَسَنَةً قَطُّ لأَهْلِهِ: إِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوهُ، ثُمَّ اذْرُوا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ، وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ، فَوَاللهِ لَئِنْ قَدَرَ اللهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ، فَلَمَّا مَاتَ الرَّجُلُ فَعَلُوا مَا أَمَرَهُمْ، فَأَمَرَ اللهُ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيهِ، وَأَمَرَ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟ قَالَ: مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ، وَأَنْتَ أَعْلَمُ ، فَغَفَرَ اللهُ لَهُ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایک شخص نے جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی اپنے گھر والوں سے کہا کہ: "جب وہ مرجائے تو اسے جلا کر راکھ کر دیا جائے اور اس کی راکھ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے آدھی خشکی میں اڑادی جائے اور آدھی سمندر میں بہادی جائے۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ اس (جان) پر قادر ہو گئے تو اسے ایسا عذاب دیں گے کہ تمام جہاں والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ دیا ہوگا"۔

چنانچہ جب وہ مر گیا تو اس کے گھر والوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم فرمایا کہ اس کی راکھ جمع کر دو تو اس نے ساری راکھ جو کچھ روئے زمین کی خشکی میں تھی اکٹھی کر دی، اور سمندر کو حکم دیا تو اس نے بھی سمندروں کی گہرائیوں میں موجود ساری راکھ جمع کر دی۔ (پھر اسے گویائی اور حیات دے کر اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟

اس نے کہا: اے میرے رب! آپ کے ڈر کی وجہ سے اور آپ حقیقت خوب جانتے ہیں (کہ میں نے آپ کے خوف سے ہی ایسا حکم دیا تھا) اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی"۔

تخریج الحدیث :۔

صحیح مسلم۔۴/۲۱۱۱۔

صحیح البخاری۔۶/۵۱۴۔

تشریح الحدیث

یہ واقعہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے۔ ان تمام روایات کو سامنے رکھا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

”یہ شخص بہت مال ودولت والا اور کثیر اولاد والا تھا' اللہ تعالیٰ نے اسے دنیاوی مال ودولت کی بھی فراوانی عطا فرمائی تھی اور جوان بیٹے بھی عطا فرمائے تھے' اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کے باوجود وہ بڑا مُسرِف (اپنی جان پر ظلم کرنیوالا) اور نیکی سے دور بھاگنے والا تھا' ساری عمر اس نے گناہوں میں' معاصی کے ارتکاب میں اور کبائر میں مبتلا رہتے ہوئے گزاری تھی' کبھی کوئی نیکی کا کام اس سے سرزد نہ ہوا تھا۔

جب اس کی مہلت حیات ختم ہونے کو آئی اور مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اسے خیال آیا کہ میں نے تو اللہ کی عظیم نعمتوں اور اتنے عیش وفراوانی کے باوجود عمر بھر اس کی نافرمانی کی ہے۔ جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو اسے یقین ہو گیا کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اتنا شدید عذاب دیں گے کہ تمام جہانوں میں کسی کو نہ دیا ہو گا۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی کے لمحہ لمحہ سے واقف تھا۔ اس خیال سے اس پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ یہ بھی بھول گیا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں۔ عدم سے وجود بخشنے والی ذات' کائنات کی وسعتوں میں بکھرے ہوئے وجود کو یکجا کرنے اور اسے زندہ کرنے پر قادر نہ ہو گی؟

مارے خوف کے اس نے اپنی موت سے قبل اپنے بیٹوں کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ : میں تم لوگوں کے لئے کیسا باپ تھا؟ بیٹوں نے کہا: بہت بہترین باپ تھے۔ کہنے لگا: لیکن میں نے اللہ کے دربار کے لئے کبھی کوئی نیکی کا ذخیرہ نہیں بنایا۔ لہٰذا مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قادر ہو گیا (حالانکہ وہ ہر وقت قادر ہے) تو مجھے ایسا سخت عذاب دے گا کہ تمام جہانوں میں سے کسی کو نہ دیا ہو گا۔ اس لئے میری موت کے بعد تم لوگ میری لاش کو جلا دینا اور پھر میری راکھ کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا' آدمی روئے زمین کی خشکی پر اڑا کر بکھیر دینا اور آدمی سمندر کی اتھاہ گہرائیوں کی نذر کر دینا' اگر تم ایسا نہ کرو گے (اور اس کا مجھ سے وعدہ نہیں کرتے) تو میں تمہاری میراث غیروں میں تقسیم کر دوں گا۔

بیٹوں نے باپ کی موت کے بعد اس کی وصیت پر عمل کیا اور اس کی لاش کو آگ لگا کر راکھ آدمی خشکی میں اور آدی سمندر میں بہا دی۔

اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا کہ اس کی راکھ پوری روئے زمین میں جہاں بھی ہے' اکٹھی کر دے' حکمِ الٰہی کی پابند زمین نے حکم کی تعمیل کی' سمندر کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنے اندر بہی ہوئی راکھ کو اکٹھا

کردے' اس نے بھی حکم کی تعمیل کی' جب اس کی تمام راکھ اکٹھی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا اور اس سے اس کی اس عجیب و غریب وصیت کا سبب دریافت کیا۔

اس نے کہا کہ: اے میرے رب! آپ اس بات کی حقیقت سے خوف واقف ہیں کہ یہ وصیت میں نے آپکے خوف اور ڈر سے کی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے اس خوف کی وجہ سے اس کی مغفرت فرمادی۔

ظاہر ہے کہ اس کی مذکورہ وصیت سخت گناہ والی بات تھی' کیونکہ جس طرح ایک زندہ انسان کی حرمت ہوتی ہے اسی طرح شریعت نے مردہ نعشوں کے ساتھ بھی احترام کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ کسی مردہ کی لاش کی بے حرمتی کرے' حتیٰ کہ خود اپنی لاش کے لئے بھی ایسی گناہ کی وصیّت حرام ہے اور اس کی یہ وصیت ایک سنگین ترین گناہ کے مترادف تھی؟ علاوہ ازیں یہ اس پر مبنی تھی کہ ایسا کرنے کے بعد (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ کرنے اور عذاب دینے پر قادر نہ ہوگا جو ظاہر ہے ایک سنگین ترین اعتقادی غلطی ہے' لیکن اس وصیت کے پیچھے چونکہ اللہ کا خوف اور عذاب الٰہی اور اس کی پکڑ سے ڈر تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی عمل پر مغفرت فرمادی۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ اللہ کا خوف بہت قیمتی اور بلند چیز ہے' خشیتِ الٰہی کا مقام صلحاء کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے' جس دل میں خوف و خشیت الٰہی پیدا ہو گئے' تو اسے گناہ' نافرمانی اور معاصی سے بچانے کا ذریعہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اس خوفِ الٰہی کی بناء پر گناہوں کو معاف فرماتے ہیں' اسی کی بناء پر ہوائے نفس اور خواہشاتِ نفسانی سے چھٹکارا نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى (النازعات)

سو جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا' اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو بلاشبہ جنت اس کا ٹھکانہ ہے۔

اور یہی خوف ہے جس کے متعلق سورۂ رحمٰن میں ارشاد فرمایا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمن)

اور جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے واسطے دو جنتیں ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کبھی کسی آدمی کے جہل کی بناء پر اس کا عذر قبول فرماتے ہیں۔ جیسے اس مذکورہ شخص کا عذر جہل کی بناء پر قبول فرمایا۔ حالانکہ اس کی غلطی نہایت سنگین تھی۔ اس کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بکھری ہوئی راکھ کو جمع کرنے' اسے دوبارہ زندہ کرنے اور اسے سزا دینے کی قدرت نہیں رکھتا اسکی اس جاہلانہ وصیت کی بناء "جہل" تھا اور سبب اللہ کا خوف تھا لہٰذا اللہ نے اس کے عذر کو قبول فرمایا۔

بعض اوقات علم حجت بن جاتا ہے انسان کے اپنے اوپر اور جہل ذریعہ نجات بن جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تحصیل علم کو ترک کر دیا جائے اور جاہل رہے یا جاہل بننا کوئی اچھی بات ہے۔ بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ جس طرح جہالت بہت خطرناک چیز ہے اسی طرح صرف وہ علم جس پر عمل نہ ہو وہ بھی پکڑ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے ایسے ہی علم سے پناہ مانگی ہے۔

اللّٰھُمّ إنّی أعوذبك من علمٍ لاینفع۔ اے اللہ! نفع نہ دینے والے علم سے آپکی پناہ مانگتا ہوں۔

۳۔ حدیث سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار بھی ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ نے روئے زمین کی خشکیوں اور سمندروں کی گہرائیوں میں بکھری اور بہائی ہوئی راکھ کو جمع کر کے اسے زندہ فرمایا اسی طرح اللہ قیامت کے روز ساری مخلوقات کو دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔

۴۔ حدیث سے ایک اہم تعلیم یہ حاصل ہوتی ہیکہ انسان کو کسی حال میں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو اللہ اتنی سنگین غلطی کرنے والے شخص کو' اور ایک ایسے شخص کو جس نے عمر بھر کوئی نیکی نہ کی ہو اور خود اقراری مجرم ہو' اس کو معاف فرما سکتے ہیں تو ہر وہ شخص جو صدقِ دل سے اس سے توبہ و استغفار کرے تو اسے کیوں معاف نہیں فرمائیں گے۔

۵۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ایک مومن بندہ کی حالت ہمہ وقت دو کیفیتوں کے مابین ہونی چاہیئے۔ یعنی خوف اور رجاء وامید۔ اللہ کے عذاب کا خوف بھی ہو' اور اس کی رحمت کی امید بھی ہو۔ کسی ایک کیفیت کا غلبہ صحیح نہیں۔ خوف کا غلبہ ایسی کیفیت پیدا کر دیتا ہے جو اس حدیث میں مذکور شخص کی ہوئی۔ اور رجاء وامید کا غلبہ نیک اعمال سے بے نیازی پیدا کر دیتا ہے۔ لہٰذا دونوں طرح کی کیفیات ہونی چاہئیں۔

تیسواں قصہ ﴿۳۰﴾

کرو مہربانی اہل زمین پر......

تمہید

معاف کرنااور کرم کرنااللہ کی صفات میں سے ہے' دنیامیں جو کوئی اللہ کی اس صفت کو اپنے اندر پیدا کرے گااللہ تعالیٰ آخرت میں اس کے ساتھ انہی صفات سے معاملہ فرمائیں گے۔ حسنات سے محروم اس شخص کاایمان پرور واقعہ جو دنیامیں مقروضوں کے ساتھ انتہائی نرمی کامعاملہ کرتاتھااور درگزر سے کام لیتاتھا۔

نص الحدیث:۔..............

روي البخاري في صحيحه عن حذيفة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: (إِنَّ رَجُلا كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوحَهُ، فَقِيلَ لَهُ: هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: مَا أَعْلَمُ. قِيلَ لَهُ: انْظُرْ. قَالَ: مَا أَعْلَمُ شَيْئًا، غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا وَأُجَازِيهِمْ، فَأُنْظِرُ الْمُوسِرَ، وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ، فَأَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ).

وفي رواية عن حذيفة أيضاً: (تَلَقَّتِ الْمَلائِكَةُ رُوحَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، قَالُوا: أَعَمِلْتَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا؟ قَالَ: كُنْتُ آمُرُ فِتْيَانِي أَنْ يُنْظِرُوا الموسر وَيَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُعسِرِ، قَالَ: قَالَ فَتَجَاوَزُوا عَنْهُ).

ورواه أيضاً عن أبي هريرة، ونصه: (كَانَ تَاجِرٌ يُدَايِنُ النَّاس، فَإِذَا رَأَى مُعْسِرًا قَالَ لِفِتْيَانِهِ: تَجَاوَزُوا عَنْهُ، لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا، فَتَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنافرماتے تھے:

"تم سے پچھلی امتوں میں ایک شخص تھا' ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کیلئے آئے' (موت کے بعد) اس شخص سے کہا گیا کہ کیا تجھے اپنی کسی نیکی کا علم ہے؟ وہ کہنے لگا: مجھے اپنی کسی نیکی کا علم نہیں (کہ میں نے کبھی کوئی نیکی کی ہو) اس سے کہا گیا کہ ذرا غور کرو۔ کہنے لگا کہ: مجھے اپنی کوئی نیکی معلوم نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ میں دنیا میں لوگوں سے کاروبار کیا کرتا تھا اور ان سے درگذر کرتا تھا (اپنی رقوم کی وصولی میں) چنانچہ میں مالدار کو تو مہلت دیتا تھا اور تنگ دست کو معاف کردیتا تھا (اس کے علاوہ تو کوئی نیکی میرے علم میں نہیں) اللہ تعالیٰ نے اسی عمل پر اسے جنت میں داخل فرمادیا"۔

ایک روایت میں ہے کہ:

"تم سے پچھلی امتوں میں سے ایک شخص کی روح کا ملائک سے سامنا ہوا تو انہوں نے کہا کہ تجھے اپنی کوئی نیکی معلوم ہے؟ کہنے لگا کہ: میں (دنیا میں) اپنے لڑکوں (ملازموں) کو کہتا تھا کہ وہ مالدار کو مہلت دیں اور تنگ دست سے درگزر کریں۔ فرمایا کہ فرشتوں نے اس سے درگذر کیا"۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

"ایک تاجر تھا جو لوگوں کو قرضے وغیرہ دیا کرتا تھا' جب کسی کو تنگ دست دیکھتا تو اپنے ملازم لڑکوں سے کہتا کہ: اس کو معاف کردو' شاید اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معاف کردے۔ اللہ نے اس کو معاف فرمادیا"۔

تخریج الحدیث:

(۱) صحیح البخاری' کتاب احادیث الأنبیاء۔ ۶/ ۴۹۴۔

(۲) صحیح البخاری۔ کتاب البیوع۔ ۴/ ۳۰۷۔

(۳) صحیح مسلم۔ کتاب المساقاۃ۔ باب فضل انظار المعسر۔ ۲/ ۳۶۔

تشریح الحدیث

موت کے وقت ہر انسان کے ساتھ اس کی پوری گزری ہوئی' زندگی کے حالات کے مطابق معاملہ پیش آتا ہے۔ مومنِ کامل کو تو جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إنّ الذينَ قالُوا رَبُّنا اللّٰهُ ثمَّ استقامُوا تَتنزّلُ عليهِمُ الْملائكَةُ أنْ لا تخافوا ولا تحزَنوا وأبشِرُوا بالجنَّةِ الّتى كُنتم تُوعَدُون (حم السجده/ ۳۰)

"بلا شبہ وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جمے رہے' ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ نہ تم کوئی خوف کرو نہ غم کرو' اور خوشخبری ہو تمہیں اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا"۔

گویا موت کے وقت ہر ایک کو اس کا حقیقی انجام بتلادیا جاتا ہے' تفصیلی حساب اور اصل جزا و سزا تو یومِ حشر میں ہوگی۔

اس حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ہمیں ایک ایسے ہی شخص کا واقعہ سنایا ہے جس کے ساتھ موت کے وقت یا موت کے بعد فرشتوں نے مکالمہ کیا اور اس سے پوچھا کہ کیا تجھے اپنی کسی نیکی کا علم ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے تو اپنی کسی نیکی کا علم نہیں ہے۔ میں نے کوئی نیکی کی ہی نہیں۔ فرشتوں نے کہا کہ ذرا غور کرو اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر جواب دو۔ اس نے کہا کہ میرے علم میں تو اپنی کوئی نیکی نہیں ہے' سوائے اس کے کہ میرا دنیا میں کاروبار تھا' لوگوں کو قرض وغیرہ دیا کرتا تھا۔ میرے قرض داروں میں مالدار بھی ہوتے تھے اور غریب و نادار بھی۔ میں ہر اک سے نرمی کا برتاؤ کیا کرتا تھا۔ اور

جب قرض وصول کرنے کا وقت آتا تو وصولی پر مامور اپنے ملازم لڑکوں سے کہا کرتا تھا کہ: مالدار کو تو کچھ مہلت دے دینا اگر وہ نہ دے اور جس کو دیکھو کہ تنگ دست اور غریب ہے تو اس سے درگذر کرنا' جتنا دے اتنا لے لینا' باقی معاف کر دینا۔ شاید اللہ تعالیٰ بھی ہمیں معاف کر دے اور ہم سے درگزر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی عمل پر اسے جنت میں داخل فرمادیا۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ اس حدیث سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ قرض خواہ کو اپنے مقروضوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیئے' اسے اپنا حق وصول کرنے کا تو مکمل اختیار ہے لیکن اس کے لئے افضل اور مناسب یہ ہے کہ قرض داروں سے تسامح اور نرمی کا برتاؤ کرے۔ شاید اللہ تعالیٰ اس کے اسی عمل پر راضی ہو جائیں۔

۲۔ کاروبار میں عموماً آدمی فکر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور مال کی محبت اور ہوس اسے ہر چیز سے بے نیاز کر دیتی ہے اور وہ حصولِ مال کے لئے اخلاق' مروّت' شرافت اور انسانیت سب سے عاری ہو جاتا ہے۔ جیسا ہمارے دور میں آج کل مشاہدہ ہے' خصوصاً اس وقت جب کہ دوسرے پر اپنا کوئی حق نکلتا ہو تو دوسرے کی مجبوری' ناداری اور غربت وافلاس کا بھی خیال نہیں رکھتا۔ لیکن اگر کوئی اس کا خیال کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ خصوصاً اپنے قرض داروں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتا ہے تو یہ اللہ کا پسندیدہ ہو جاتا ہے وہ لوگوں کے ساتھ اپنا دست نگر ہونے کے باوجود مہربانی کرتا ہے اللہ اس پر گناہگار ہونے' نافرمان ہونے کے باوجود مہربانی اور احسان کا معاملہ کرتا ہے۔

؎ کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

۳۔ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت کا اندازہ بھی اس حدیث سے ہوتا ہے کہ عمر بھر کی نافرمانی کی معمولی عمل پر معاف کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ کہ "میری رحمت ہر چیز کو چھائی ہوئی ہے" اور حدیثِ قدسی "میری رحمت میرے غضب سے آگے ہے" کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

۴۔ اس واقعہ سے بھی وہ قاعدہ ثابت ہوا جس کا پیچھے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی جن صفات کا ظہور بندوں سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ انہی صفات کا بدرجہ کمال واتم ظہور فرماتے ہیں۔ جیسا کہ اس واقعہ میں ہوا کہ وہ شخص اپنے قرض داروں کو معاف کر دیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: میں زیادہ حق دار ہوں اس بات کا معاف کروں (کہ معاف کرنا اسی کی صفت ہے) لہٰذا اسے معاف کر دو (روایتِ مسلم) لہٰذا وہ حکم پھر سامنے آیا کہ: تخلّقوا بأخلاق الله۔ اللہ کے اخلاق

سے اپنے آپ کو متصف کرو۔

۵۔ مدّتِ معینہ پر ادھار قرض دینے کا جواز بھی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس دور میں بھی رائج تھا۔

اکتیسواں قصہ ﴿۳۱﴾

ایمان کا ادنیٰ درجہ...... تعلیم معاشرت

تمہید

ایمان کے ستر سے زائد مختلف شعبے ہیں' سب سے افضل لاالٰہ الاّاللہ کہنا ہے اور سب سے ادنیٰ درجہ راہ میں پڑی تکلیف رساں چیز کو راہ سے ہٹا دینا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیم یہی ہے کہ راہ میں پڑی ہوئی مضر اور تکلیف دہ اشیاء مثلاً کانٹا' کچرا وغیرہ ہٹا دینا چاہئے کہ یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ شعبہ اور انسانیت کی آخری علامت ہے۔ ایک ایسے شخص کا واقعہ جو صرف اسی عمل پر جنت کا مستحق قرار پایا۔

نص الحدیث:

روى البخاري ومسلم في صحيحيهما عَنْ أَبي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: (بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ، فَأَخَّرَهُ، فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ).

وجاء في بعض الروايات عند مسلم عَنْ أَبي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ (مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلَى ظَهْرِ طَرِيقٍ، فَقَالَ: وَاللهِ لأُنَحِّيَنَّ هَذَا عَنِ الْمُسْلِمِينَ لا يُؤْذِيهِمْ، فَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ).

وفي رواية أخرى عنده عَنْ أَبي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلاً يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ، فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ، كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ).

ترجمۃ الحدیث:

امام بخاری و امام مسلم رحمہم اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں یہ روایت تخریج فرمائی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایک آدمی راستہ میں چلا جا رہا تھا کہ اثناء سفر اس نے راستہ میں کانٹوں کی ایک ٹہنی پڑی دیکھی اس نے اسے پیچھے ہٹا دیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی"۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ:

"اس شخص نے سر راہ ایک درخت کی ٹہنی پڑی دیکھی تو کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! میں ضرور اسے مسلمانوں کے راستہ سے ہٹاؤں گا تاکہ انہیں تکلیف نہ دے۔ وہ اسی عمل پر جنت میں داخل کیا گیا"۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ :

"نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے ایک شخص کو جنت (کی نہروں) میں غوطہ لگاتا ہوا دیکھا جو سر راہ آنے والی ایک ٹہنی کو کاٹ دینے کے عوض جو لوگوں کو تکلیف دیتی تھی، جنت میں داخل کیا گیا تھا"۔

تخریج الحدیث :

صحیح البخاری۔ کتاب الأذان رباب فضل التہجیر إلی الظہر۔ ۱۳۹/۲

صحیح مسلم۔ کتاب البرّ والصلۃ والآداب ۲۰۲۱/۴۔

تشریح الحدیث

راہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ایمان کا سب سے کم تر درجہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص راہ میں کوئی تکلیف رساں چیز پڑی دیکھے اور اسے نہ ہٹائے تو گویا وہ شخص ایمان کے ادنیٰ درجہ سے بھی محروم ہے۔

حدیث میں بیان کردہ واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادنیٰ درجہ پر عمل کی وجہ سے بھی مغفرت فرما دیتے ہیں جیسے اس شخص کی مغفرت فرمائی۔

اس واقعہ میں دورِ حاضر میں مسلمان کہلانے والے اور دیندار کہلانے والے ان لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو اس کو ہلکا اور معمولی سمجھتے ہیں۔

آج دنیا کی غیر مسلم ترقی یافتہ اقوام کے یہاں یہ بات تہذیب کے خلاف سمجھی جاتی ہے کہ راہ میں کوئی تکلیف دِہ چیز پڑی ہو اور اس کی وجہ سے راہ گیروں اور چلنے والوں کو اذیت و پریشانی کا سامنا کرنا پڑے، غور فرمائیے یہ تعلیم اصلاً اسلام کی ہے اور اسلام نے اسے نتیجہ کے اعتبار سے اتنا افضل بنایا کہ اس پر مغفرت فرمادی گئی، لیکن وائے افسوس اہلِ اسلام پر جنھوں نے ضرر رساں چیز کو راہ سے ہٹانا تو ایک طرف، تکلیف دِہ چیزوں کو راستہ میں ڈالنے کی روش اپنالی، آج حالت یہ ہے کہ ہمارے معاشرہ میں جہاں ۹۹% فی صد مسلمان بستے ہیں، ہمارے راستے، سڑکیں اور عام گزرگاہیں طرح طرح کی رکاوٹوں اور تکلیف دِہ چیزوں سے پٹی پڑی ہیں، چلتے چلتے بیچ راستہ میں تھوک دینا، پان کی پیک، حلق کا بلغم پھینک دینا، گھر کا کوڑا گندگی بیچ سڑک میں ڈال دینا، گھر کے سامنے پانی بہادینا، گھروں اور مساجد کے دروازوں کے سامنے گاڑیاں پارک کردینا، وغیرہ وغیرہ یہ سب باتیں ہمارے مسلم معاشروں میں عام ہیں جو صریحاً اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کی خلاف ورزی ہے، یہ ابلتے گٹر، بدبو پھیلاتے نالے، متعفن اور ٹوٹی سڑکیں اور راستے ہماری حالت کی بہترین عکاسی کرتے ہیں کہ ہم کتنا اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں؟ یہ ہم سب کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔

ذرا سوچئے کہ اللہ تعالیٰ راہ میں پڑے ہوئے درخت کی ٹہنی کو ہٹانے پر مغفرت فرمارہے ہیں،

جنت سے سرفراز فرمارہے ہیں تو کیا اس کے برعکس راستوں کو خراب اور گندا کرنے اور رکاوٹیں کھڑی کرنے پر (جس سے گذرنے والوں کو اذیت ہوتی ہو) باز پرس نہیں فرمائیں گے؟ یقیناً فرمائیں گے۔ اہلِ ایمان کو اپنے اس طرزِ عمل کو بدلنا ہوگا۔ اسلام صرف نماز روزہ ہی نہیں سکھاتا' بلند اخلاق' اعلیٰ کردار اور معاشرہ کو ایک مہذب معاشرہ بنانے کیلئے معاشرتی اقدار کے اپنانے کا بھی حکم دیتا ہے۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ پہلا دنیاوی فائدہ تو یہی حاصل ہوا کہ اسلام کی تعلیمات صرف عبادات کی حد تک محدود نہیں ہیں' اسلام عبادات کی چند رسوم کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ زندگی گزارنے کے ان آفاقی اور فطری طریقوں کا نام ہے جو انسان کے اندر پاکیزگی' بلند اخلاق' اعلیٰ کردار' سوچ وفکر کی رفعت اور بلند پروازی اور تہذیب پیدا کرتے ہیں اور جن کے ذریعہ معاشرہ مہذب اور تعمیری ہو جاتا ہے۔

۲۔ راستہ کا حق یہ ہے کہ اس میں کوئی بھی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے دوسرے گزرنے والوں کو تکلیف ہو' حتیٰ کہ اگر راہ میں کھڑے ہو کر بات کرنے سے راستہ رکتا ہو اور گزرنے والوں کے گزرنے میں خلل پیدا ہوتا ہو تو راہ میں کھڑا ہونا بھی صحیح نہیں۔

۳۔ ایک مسلمان کو تکلیف سے بچانے کی کوشش کرنا اور اس کی خیر خواہی کرنا اتنا عظیم عمل ہے کہ جنت کا مستحق بناتا ہے' راہ سے تکلیف دِہ چیز کا ہٹانا ظاہر ہے مسلمان کو تکلیف سے بچانے کی کوشش ہی ہے جس پر وہ شخص جنت کے باغ میں غوطہ لگاتا ہوا حضور علیہ السلام کو دکھائی دیا' مسلمان' مسلمان کا خیر خواہ ہوتا ہے اور دوسرے مسلمان کو نقصان سے بچانے کی پوری کوشش کرتا ہے' یہی اسلام کی تعلیم ہے اور اسی کا نام اسلام ہے۔

۴۔ کسی راہ گذر اور عام راستہ پر اگر کوئی درخت رکاوٹ بن رہا ہو یا تکلیف دِہ ہو رہا ہو تو اسے کاٹنا جائز ہے۔ البتہ اگر کوئی سایہ دار درخت ہو اور اس سے کوئی تکلیف بھی نہ ہو رہی ہو اور کوئی اہم مجبوری بھی نہ ہو تو اسے کاٹنا نہیں چاہئے۔

بتیس واں واقعہ ﴿۳۲﴾

عظیم قاتل

تمہید

کسی بھی انسان کو ناحق قتل کرنا جرمِ عظیم ہے، قرآن کے مطابق ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ قتل ناحق کا مرتکب بدترین جرم کا مرتکب ہوتا ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ ایک ایسے شخص کا واقعہ عبرت جس نے سو انسانی جانوں کے قتل ناحق کے عظیم جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ جب رحمتِ حق نے دستگیری کی تو پھر مغفرت کا فتح باب ہوا اور بغیر کسی نیک عمل کے اجر و ثواب کا مستحق قرار پایا۔

نص الحدیث:۔..........

روى البخاري في صحيحه عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِي اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ إِنْسَانًا، ثُمَّ خَرَجَ يَسْأَلُ، فَأَتَى رَاهِبًا، فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ: هَلْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ: لا فَقَتَلَهُ.

فَجَعَلَ يَسْأَلُ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ ائْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَكَذَا، فَأَدْرَكَهُ الْمَوْتُ، فَنَاءَ بِصَدْرِهِ نَحْوَهَا، فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلائِكَةُ الْعَذَابِ، فَأَوْحَى اللهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَقَرَّبِي، وَأَوْحَى اللهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَبَاعَدِي، وَقَالَ: قِيسُوا مَا بَيْنَهُمَا، فَوُجِدَ إِلَى هَذِهِ أَقْرَبَ بِشِبْرٍ، فَغُفِرَ لَهُ).

ورواه مسلم في صحيحه، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ قَالَ: (كَانَ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ نَفْسًا، فَسَأَلَ عَنْ أَعْلَمِ أَهْلِ الأَرْضِ، فَدُلَّ عَلَى رَاهِبٍ، فَأَتَاهُ فَقَالَ: إِنَّهُ قَتَلَ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ نَفْسًا، فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَقَالَ: لا، فَقَتَلَهُ، فَكَمَّلَ بِهِ مِائَةً.

ثُمَّ سَأَلَ عَنْ أَعْلَمِ أَهْلِ الأَرْضِ، فَدُلَّ عَلَى رَجُلٍ عَالِمٍ، فَقَالَ: إِنَّهُ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، وَمَنْ يَحُولُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ التَّوْبَةِ، انْطَلِقْ إِلَى أَرْضِ كَذَا وَكَذَا، فَإِنَّ بِهَا أُنَاسًا يَعْبُدُونَ اللهَ، فَاعْبُدِ اللهَ مَعَهُمْ، وَلا تَرْجِعْ إِلَى أَرْضِكَ، فَإِنَّهَا أَرْضُ سَوْءٍ.

فَانْطَلَقَ حَتَّى إِذَا نَصَفَ الطَّرِيقَ أَتَاهُ الْمَوْتُ، فَاخْتَصَمَتْ فِيهِ مَلائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلائِكَةُ الْعَذَابِ، فَقَالَتْ مَلائِكَةُ الرَّحْمَةِ: جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلا بِقَلْبِهِ إِلَى اللهِ، وَقَالَتْ

مَلائِكَةُ الْعَذَابِ: إِنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ، فَأَتَاهُمْ مَلَكٌ فِي صُورَةِ آدَمِيٍّ، فَجَعَلُوهُ بَيْنَهُمْ، فَقَالَ: قِيسُوا مَا بَيْنَ الأَرْضَيْنِ، فَإِلَى أَيَّتِهِمَا كَانَ أَدْنَى فَهُوَ لَهُ، فَقَاسُوهُ، فَوَجَدُوهُ أَدْنَى إِلَى الأَرْضِ الَّتِي أَرَادَ، فَقَبَضَتْهُ مَلائِكَةُ الرَّحْمَةِ).

قَالَ قَتَادَةُ: فَقَالَ الْحَسَنُ: (ذُكِرَ لَنَا أَنَّهُ لَمَّا أَتَاهُ الْمَوْتُ نَأَى بِصَدْرِهِ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا تھا' پھر وہ اپنے متعلق سوال کرنے کے لئے نکلا اور ایک راہب (عیسائی پادری) کے پاس آیا اور اس سے دریافت کرتے ہوئے کہا: "کیا میری توبہ ممکن ہے؟ اس نے جواب دیا: نہیں (تو نے اتنے قتل کئے ہیں تیری مغفرت کہاں؟) اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔

وہ لوگوں سے پوچھتا رہا' کسی نے اسے کہا کہ فلاں فلاں بستی میں جاؤ' (جب وہاں جانے لگا تو راہ میں) اسے موت آگئی' اس نے اپنے سینہ کا رخ اس بستی کی طرف کر لیا (جسکی طرف جا رہا تھا) اب رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے مابین اس کے متعلق جھگڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے (اُس بستی کی) زمین کو حکم دیا کہ ذرا قریب ہو جائے اور اِس بستی کی زمین کو (جہاں سے نکل چکا تھا) حکم دیا کہ دور ہو جائے اور فرشتوں سے فرمایا کہ: دونوں بستیوں کے مابین فاصلہ کی پیائش کرو (جب پیائش کی گئی) تو اس بستی سے (جہاں جا رہا تھا) بالشت بھر قریب نکلا۔ اس کی مغفرت کر دی گئی۔ (بخاری)

مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"تم سے پچھلی امتوں میں ایک ایسا شخص تھا جس نے ننانوے قتل کئے تھے اس نے (لوگوں سے) روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کے متعلق پوچھا تو اسے ایک راہب کے متعلق بتلایا گیا۔ وہ اس راہب کے پاس پہنچا اور کہا کہ: اس نے ننانوے قتل کئے ہیں' کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ راہب نے کہا نہیں۔ اس نے اسے بھی قتل کر کے سو مکمل کر لئے۔

پھر اس نے دوبارہ روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کے متعلق دریافت کیا تو اس کی رہنمائی ایک عالم آدمی کی طرف کی گئی۔ اس نے (اس سے جا کر) کہا کہ: اس نے سو قتل کئے ہیں' کیا اس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ عالم نے جواب دیا: ہاں! توبہ اور اس کے درمیان کوئی حائل ہو سکتا ہے؟ تم فلاں فلاں بستی کی طرف جاؤ' وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں مشغول ہوں گے' جا کر ان کے ساتھ تم بھی عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور اپنی سرزمین کی طرف مت لوٹنا کہ وہ برائی کی سرزمین ہے۔ وہ چلا یہاں تک کہ جب آدھے راستے پر پہنچا تو اسے موت نے آلیا اب رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے

فرشتوں کے درمیان جھگڑا ہوا کہ (اسے کون اوپر لیکر جائیگا؟) ملائکہ رحمت نے کہا کہ: یہ شخص توبہ کر کے آیا ہے اور اپنے قلب کا رخ اللہ کی طرف پھیر لیا ہے (لہٰذا اسے ہم لیکر جائینگے) ملائکہ عذاب نے کہا اس نے کبھی بھی کوئی نیک عمل نہیں کیا (لہٰذا یہ عذاب کا مستحق ہے' اسے ہم لیکر جائینگے)۔

(ان کی مشکل حل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایک فرشتہ ایک آدمی کی شکل میں ان کے پاس آیا تو فرشتوں نے اسے اپنے درمیان بٹھالیا (بطور ثالث کے) اس نے کہا کہ دونوں زمینوں کے درمیان فاصلہ کی پیائش کرو' جس زمین سے یہ زیادہ قریب ہو تو یہ اسی کا ہے (اگر برائی کی سرزمین جہاں سے آرہا ہے' سے زیادہ قریب ہے تو ملائکہ عذاب سے لے جائیں گے اور اگر صلحاء کی جس بستی کی طرف جارہا ہے اس سے زیادہ قریب ہے تو رحمت کے فرشتے اسے لے جائیں گے)۔

فرشتوں نے پیائش کی تو اسے صلحاء کی بستی جہاں جارہا تھا کے زیادہ قریب پایا (کہ حکم الٰہی سے ایک طرف کی زمین قریب ہوئی تھی اور دوسری طرف کی دور) لہٰذا رحمت کے فرشتوں نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا"۔

قتادہؒ نے کہا کہ حسن بصریؒ نے فرمایا: ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنا سینہ اس بستی کی جانب کر لیا تھا۔

تخریج الحدیث:

رواہ البخاری کتاب احادیث الانبیاء۔ ۶/ ۵۱۲۔

رواہ مسلم۔ کتاب التوبۃ' باب قبول توبۃ التائب۔ ۴/ ۲۱۱۸۔

تشریح الحدیث

حدیث میں بیان کردہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان اور وسیع رحمت کے بیان کیساتھ ساتھ اسکی قدرت پر بھی دلالت کرتا ہے' جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رحمت سے نوازنا چاہتے ہیں تو اس کیلئے کائنات کی اشیاء سے بھی غیر معمولی کام لے لیتے ہیں۔ بظاہر یوں لگتا ہے کہ سو انسانی جانیں تلف کرنے والا قاتل کیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو سکتا ہے؟ ممکن ہے کہ کسی ذہن میں یہ بات پیدا ہو کہ انسانی جانوں کا اتنے بڑے پیمانے پر اتلاف تو حقوق العباد میں سے ہے اور حقوق العباد تو بندوں کے معاف کئے بغیر معاف نہیں ہو سکتے تو اس قاتل کو مقتولین کے معاف کئے بغیر کیسے معاف کر دیا گیا؟

جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انصاف فرمانے والے ہیں وہ کسی کے ساتھ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں فرماتے جس شخص کی مغفرت فرمانی ہو اس کے گناہوں کو کسی ذریعہ سے دھودیتے ہیں اور اس کے اصحابِ حقوق کو کسی طرح راضی فرمادیتے ہیں کہ یہ سب اس کی قدرت میں ہے۔

راہب نے اس متلاشیٔ حق کو مایوس کر دیا تھا کہ اس کی توبہ نہیں ہو سکتی۔ وہ شخص چونکہ نرا

راہب تھا عالم نہیں تھا لہٰذا وہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ کی رحمت تو بہت وسیع ہے' اس کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ لہٰذا اس نے فوراً فیصلہ کر دیا کہ تیری توبہ ممکن نہیں۔ اس نے سوچا کہ ننانوے تو کئے ہی ہیں جب توبہ ہی نہیں تو پورے سو کیوں نہ کروں؟ اس نے راہب کو بھی قتل کر دیا۔ پھر جب عالم آدمی کے پاس پہنچا تو اس نے بتلایا کہ بھئی توبہ کیوں ممکن نہیں؟ کیا رکاوٹ حائل ہے تمہارے اور توبہ کے درمیان؟ توبہ کر لو سب معاف ہو جائے گا کہ وہ ذاتِ الٰہی وسیع مغفرت والی ہے' اسکا تو فرمان ہی یہ ہے کہ: "اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر گناہ کر کے ظلم کیا ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخشنے والا ہے' بلاشبہ یہ بڑا غفور الرحیم ہے"۔ (الزمر)

البتہ توبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ تم اس گناہ کو فوراً چھوڑ دو اور اپنے علاقہ سے نکل جاؤ' اور ایک بستی ہے فلاں فلاں نام کی وہاں کچھ نیک لوگ اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں' تم ان کے پاس چلے جاؤ اور جا کر ان کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو جاؤ اللہ نے اسے راہ میں ہی موت دیکر اپنی رحمت و قدرت کا عجیب اظہار فرمایا۔

چند عبرت و نصائح

بے شمار فوائد اور نصائح و عبرت سے پُر یہ واقعہ اللہ کے ان بندوں کے لئے جو نفس و شیطان کے پھندوں میں پھنس کر گناہوں کی دلدل میں سر تاپا ڈوبے ہوئے ہیں' امید کی ایک روشن کرن ہے۔ اس واقعہ کے ہر ہر جزء میں بہت سے فوائد پوشیدہ ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان وسیع رحمت کا اظہار اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ صدقِ دل اور اخلاصِ نیت سے کی جانے والی توبہ عمر بھر کے گناہوں کو لمحہ بھر میں ختم کر دیتی ہے۔

۲۔ انسان کو حق تعالیٰ کی رحمت سے کسی حال میں مایوس اور ناامید نہ ہونا چاہیئے کہ اسکی رحمت سے مایوسی کفر تک پہنچا دیتی ہے ساری انسانیت کے سارے گناہ مل کر بھی اسکی رحمت کے ایک قطرہ کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے۔ انّ ربّك واسعُ المغفرة (النجم) وسعت رحمتي كلّ شيءٍ. (الاعراف)

۳۔ عالم کو عابد پر فضیلت حاصل ہے۔ اس حقیقت کا علمی اظہار اس حدیث میں موجود ہے۔ بے علم عبادت گزار پر وہ عالم زیادہ فضیلت رکھتا ہے جو خواہ کم عمل ہو لیکن اپنے علم سے جو اسے اللہ نے عطا فرمایا ہے امت کی صحیح رہنمائی کرنے والا ہو کہ اسکی صحیح رہنمائی سے نہ جانے کتنی زندگیاں سنور جائیں گے جب کہ بے علم عبادت گزار کی عبادت اس کی اپنی ذات کے لئے ہے۔

چنانچہ اس واقعہ میں بے علم عبادت گزار راہب نے تو اس شخص کو مایوس کر دیا۔ لیکن جب وہ عالم کے پاس گیا تو اس نے حقیقی صورتحال بتلائی اور اس سے توبہ کروالی۔ یہی علم کا فائدہ ہے اور اہلِ علم کا شیوہ کہ وہ حقائق شناس ہوتے ہیں۔

۴۔ قاتلِ عمد کی سزا جہنم ہے لیکن اگر اس نے موت سے قبل توبہ کرلی اور اس گناہ سے تائب ہو گیا تو سزا سے محفوظ رہے گا۔

اہلِ سنت کا عقیدہ ہیکہ شرک کے علاوہ ہر گناہ قابلِ معافی اور قابلِ مغفرت ہے۔

۵۔ اہلِ علم کی شان اور ان کا منصبی فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو صرف احکام کی تعلیم ہی نہ دیں بلکہ ان پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتلائیں۔ جیسے کہ اس عالم نے نہ صرف یہ بتلایا کہ تمہاری توبہ ممکن ہے بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتلایا کہ اس کے لئے تمہیں کیا کرنا ہو گا۔ تو حکم بتلایا اور اس پر عمل کا طریقہ بتلایا۔

۶۔ فرشتے بھی عالم الغیب نہیں ہوتے اور ان کے اجتہاد بھی مختلف ہو سکتے ہیں' جیسے اس واقعہ میں ہوا۔ بظاہر عذاب کے فرشتوں کی بات صحیح تھی لیکن چونکہ رحمت حق نے دستگیری کی ہوئی تھی لہٰذا رحمت کے فرشتوں نے اسے لے لیا۔

۷۔ اہل علم اور علماء کا منصب حکمِ شرعی بتانا اور لوگوں کو توبہ و ہدایت کی راہ پر گامزن کرنیکی سعی و جدوجہد کرنا ہے نہ کہ کسی مجرم پر حدود قائم کرنا جیسا کہ ان عالم نے کیا کہ انکے سامنے اس شخص نے سوقتل کا اعتراف کیا لیکن انہوں نے اس پر حد جاری کرنے کے بجائے اسے توبہ و ہدایت کی راہ کیطرف رہنمائی کی اور یہی حقیقتاً منصب ہے اہلِ علم کا' حدود کو قائم کرنا حکام کی ذمہ داری ہے۔

تینتیسواں قصہ ﴿۳۳﴾

گم شدہ اونٹنی اور بندہ کی توبہ

تمہید

صحرا کے سفر میں تمام زاد و سامان سے لدی ہوئی سواری کی اونٹنی اگر گم ہو جائے تو مسافر کا کیا حال ہوتا ہے' یہ کسی ذی شعور شخص پر مخفی نہیں۔ پھر جب کہ وہ مایوس ہو چکا ہو اور موت آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی ہو' اگر اچانک اس کی اونٹنی کہیں سے مل جائے تو اس کی خوشی کا عالم بھی دیدنی ہوگا۔ بندہ کی توبہ پر اللہ تعالیٰ کی خوشی اس مسافر سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جو زندگی سے مایوس ہو چکا ہو اور اچانک اسے زندگی مل جائے۔

نص الحدیث:

روى مسلم في صحيحه عَنْ سِمَاكٍ قَالَ: خَطَبَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ، فَقَالَ: (لَلّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ مِنْ رَجُلٍ حَمَلَ زَادَهُ وَمَزَادَهُ عَلَى بَعِيرٍ ثُمَّ سَارَ، حَتَّى كَانَ بِفَلاةٍ مِنَ الأَرْضِ، فَأَدْرَكَتْهُ الْقَائِلَةُ، فَنَزَلَ فَقَالَ تَحْتَ شَجَرَةٍ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ وَانْسَلَّ بَعِيرُهُ، فَاسْتَيْقَظَ فَسَعَى شَرَفًا فَلَمْ يَرَ شَيْئًا، ثُمَّ سَعَى شَرَفًا ثَانِيًا فَلَمْ يَرَ شَيْئًا، ثُمَّ سَعَى شَرَفًا ثَالِثًا فَلَمْ يَرَ شَيْئًا، فَأَقْبَلَ حَتَّى أَتَى مَكَانَهُ الَّذِي قَالَ فِيهِ، فَبَيْنَمَا هُوَ قَاعِدٌ إِذْ جَاءَهُ بَعِيرُهُ يَمْشِي حَتَّى وَضَعَ خِطَامَهُ فِي يَدِهِ، فَلَلّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ مِنْ هَذَا حِينَ وَجَدَ بَعِيرَهُ عَلَى حَالِهِ).

قَالَ سِمَاكٌ: فَزَعَمَ الشَّعْبِيُّ أَنَّ النُّعْمَانَ رَفَعَ هَذَا الْحَدِيثَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَأَمَّا أَنَا فَلَمْ أَسْمَعْهُ.

ترجمۃ الحدیث:

سماکؒ بن حرب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ نعمانؓ بن بشیر نے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جس نے اپنا زادِ سفر اور پانی کا مشکیزہ وغیرہ کسی اونٹ پر لادا اور سفر کے لئے چل پڑا۔ یہاں تک کہ ایک ویران بیابان میں جا پہنچا۔ اسے نیند آ گئی تو سواری سے اترا اور ایک درخت کے نیچے قیلولہ کیا' اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو گئیں اور اس کا اونٹ کسی خفیہ جگہ میں چلا گیا۔ یہ جب بیدار ہوا تو وہ ایک منزل تک دوڑ تا تلاش

کرتا رہا لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا۔ پھر دوسری منزل تک دوڑتا تلاش کرتا رہا مگر کچھ نظر نہ آیا۔ پھر تیسری منزل تک دوڑتا تلاش کرتا رہا پھر بھی کچھ نظر نہ آیا' پھر وہ واپس مڑا یہاں تک کہ اسی جگہ آگیا جہاں اس نے قیلولہ کیا تھا۔ ابھی وہ بیٹھا ہوا ہی تھا کہ اچانک اسی اثناء میں اس کا اونٹ چلتا ہوا آگیا اور اپنی مہار اس کے ہاتھ میں ڈال دی۔ تو اس اونٹ کے ملنے کے وقت اس بندہ کو جو خوشی ہوئی اللہ تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے"۔

تخریج الحدیث:

صحیح مسلم عن النعمانؓ بن بشیر۔ کتاب الدعوات۔ باب الحض علی التوبۃ ۲/ ۳۵۴
صحیح البخاری۔ کتاب الدعوات' باب التوبۃ۔ ۱۱/ ۱۰۲

تشریح الحدیث

قدیم زمانہ میں سواری کے لئے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ کا ہی استعمال ہوتا تھا' خصوصاً بیابان اور صحراؤں کے سفر کے لئے اونٹ بہت زیادہ مناسب جانور تھا لہٰذا لوگ صحرا کے سفر اونٹ پر ہی کرتے تھے۔ اپنا تمام زادِ سفر' کھانا پینا اور دیگر ضروریات اونٹ پر لادی جاتی تھیں۔ گویا زندگی کا سارا سامان اونٹ پر ہوتا تھا۔ صحرا میں انسانی زندگی کا مدار اسی اونٹ پر ہوتا تھا۔ اس کی گمشدگی درحقیقت موت کا پیغام ہوتی تھی۔

اس شخص کے ساتھ یہی حادثہ پیش آیا اور اس کو سفر کے دوران نیند آئی تو اس نے ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کا ارادہ کیا۔ سواری سے اترا اور نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ گہری نیند میں چلا گیا۔ جب بیدار ہوا تو زندگی کا مدار وہ اونٹ مع تمام زادِ سفر اور ساز و سامان کے غائب۔ تین اطراف میں ایک ایک میل تک تلاش کیا مگر اونٹ نہ نظر آیا۔ تھک ہار کر اپنی زندگی سے مایوس ہو کر اسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا جہاں سویا تھا۔ اچانک جو سر اٹھایا تو کیا دیکھا کہ اس کا اونٹ اپنے ساز و سامان سمیت چلا آیا اور اپنی مہار اس کے ہاتھوں میں ڈال دی۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

بعض روایات کے مطابق خوشی میں اتنا مدہوش ہو گیا کہ بے خیال میں پکار اٹھا: اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب (نعوذ باللہ) فرمایا کہ جیسی اس بندہ کو اونٹ کے' مایوسی کے عالم میں ملنے کی خوشی ہوئی' اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ بنیادی طور پر تو فضیلت توبہ کی تعلیم اس حدیث میں دی گئی ہے کہ توبہ کی کیا فضیلت ہے۔ اور توبہ ایسا عمل ہے جو اللہ ربّ العالمین کو راضی کر دیتا ہے اور توبہ کرنے والے بندہ پر اللہ کی رحمت ہوتی

ہے' کیونکہ توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ گویا توبہ کرنے والا بندہ اپنے رب کو پکار رہا ہے اور وہ اس کی طرف متوجہ ہے۔

۲۔ حدیث سے اللہ تعالیٰ کے لئے خوش ہونے کی صفت کا اثبات بھی ہوتا ہے' یہ خوش ہونا کیا ہے؟ اس کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ بہرکیف اتنا ضرور ہے کہ اس کا خوش ہونا' بندوں کے خوش ہونے کی طرح نہیں ہے' وہ کیسے خوش ہوتا ہے؟ جیسے اس کی بلند شان کے مطابق ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ احادیث میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کیلئے بعض مخصوص انسانی صفات و خصوصیات کا تذکرہ ہے مثلاً اس کیلئے ہاتھ کا ثبوت' پاؤں کا ثبوت' ہنسنے کا ثبوت وغیرہ وغیرہ ان صفات کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ یہ تمام صفات اس کی بلند شان کے خاص مناسب ہوں گے۔

۳۔ بندہ کو ہر حال میں محتاط اور اپنی ضروریات کے سامان کی حفاظت پر تیار رہنا چاہیئے اور اس سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ یہ اللہ کی نعمتیں ہیں اور انسان کی لازمی ضروریات میں شامل ہیں۔ اس شخص نے اونٹ کو باندھے بغیر قیلولہ شروع کردیا اور اونٹ ادھر اُدھر بھاگ گیا جس سے اسے پریشانی لاحق ہوئی۔ اپنی اشیاء کی حفاظت بھی ضروری ہے اور یہ شرعاً مطلوب ہے۔

۴۔ اس شخص نے جو فرطِ جذبات میں الفاظ کئے اونٹ کے ملنے کے وقت تو یہ الفاظ بالکل غلط اور کفریہ ہیں' لیکن اس شخص نے مدہوشی کے عالم میں ایک بالکل بے اختیار کی کیفیت میں ادا کئے اور یہاں ان کے ذکر کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کی خوشی کی شدت کا اندازہ ہو جائے کہ خوشی کی اس کیفیت میں اس کی ذہنی رَو بھی بہک گئی تھی۔ لیکن یہ اسکے سخت غلط کلمات ہیں ممکن ہے کہ بعد میں اسے احساس ہوا ہو اور اس نے استغفار کرلیا ہو۔

۵۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نقلِ کفر کفر نباشد' یعنی کفریہ الفاظ و کلمات کو حکایتاً بیان کرنا کفر نہیں ہوتا۔ خود قرآن کریم میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کفار کے سخت کفریہ کلمات نقل فرمائے ہیں' مثلاً: قالوا إنّ اللّٰه فقيرٌ و نحن أغنياء" ۔(آل عمران ۱۸۱) یعنی انہوں نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ تو فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں (نعوذ باللہ) وغیرہ۔

لیکن اس میں بہتر یہ ہے کہ ایسے الفاظ و کلمات کی حکایت اور انہیں نقل کرتے ہوئے احتیاط برتی جائے اور انہیں بیان کرنے کے ساتھ ہی ان سے اظہارِ برأت و بیزاری کے لئے فوراً استعاذہ کے کلمات بھی کہہ دیئے جائیں مثلاً نعوذ باللہ' یا العیاذ باللہ وغیرہ۔

﴿وَاذاتُلِیتْ علیھِم آیاتُہٗ زادَتھُم اِیماناً﴾

اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کیجاتی ہیں تو انکے ایمان کو بڑھادیتی ہیں۔

حصہ چہارم

ایمان ویقین

میں اضافہ کرنے والے

واقعاتِ عبرت

چونتیس واں قصہ ﴿۳۴﴾

ادائیگی حق کیلئے غیبی مدد

تمہید

انسان جس چیز کا عزم کرلے اور اپنے بس میں جو کچھ ہے اتنا کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے راہ کھول دیتے ہیں۔ بندوں کے حقوق کی ادائیگی بہت زیادہ اہم ہے۔ ایک ایسے شخص کا واقعہ جس نے اپنا قرض ادا کرنے کے لئے اپنا فرض پورا کیا اور ظاہری وسائل نہ ہونے کے باوجود اپنی بساط بھر کوشش کرلی تو اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت کا مشاہدہ ہوا۔ "نیت صاف منزل آسان" کا محاورہ ایسے ہی وقت بولا جاتا ہے۔

نص الحدیث:

روى البخاري في صحيحه عَنْ أَبِي هُرَيْـرَةَ ﷺ عَـنْ رَسُـولِ اللَّهِ ﷺ : (أَنَّـهُ ذَكَرَ رَجُلا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ سَأَلَ بَعْضَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يُسْلِفَهُ أَلْفَ دِينَـارٍ، فَقَـالَ: ائْتِنِي بِالشُّهَدَاءِ أُشْهِدُهُمْ، فَقَالَ: كَفَى بِاللَّـهِ شَـهِيدًا، قَـالَ: فَـأْتِنِي بِـالْكَفِيلِ، قَـالَ: كَفَى بِاللَّهِ كَفِيلاً، قَالَ: صَدَقْتَ.

فَدَفَعَهَا إِلَيْهِ عَلَى أَجَلٍ مُسَمًّى، فَخَرَجَ فِي الْبَحْرِ، فَقَضَى حَاجَتَهُ، ثُمَّ الْتَمَسَ مَرْكَبًا يَرْكَبُهَا يَقْدَمُ عَلَيْهِ لِلأَجَـلِ الَّـذِي أَجَّلَهُ، فَلَـمْ يَجِـدْ مَرْكَبًـا، فَـأَخَذَ خَشَـبَةً، فَنَقَرَهَا فَأَدْخَلَ فِيهَا أَلْفَ دِينَارٍ، وَصَحِيفَةً مِنْهُ إِلَى صَاحِبِهِ، ثُمَّ زَجَّجَ مَوْضِعَهَـا، ثُـمَّ أَتَى بِهَا إِلَى الْبَحْرِ.

فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي كُنْتُ تَسَلَّفْتُ فُلانًا أَلْفَ دِينَـارٍ، فَسَـأَلَنِي كَفِيـلا، فَقُلْتُ: كَفَى بِاللَّهِ كَفِيلاً، فَرَضِيَ بِكَ، وَسَأَلَنِي شَهِيدًا، فَقُلْتُ: كَفَى بِاللَّهِ شَـهِيدًا، فَرَضِيَ بِكَ، وَأَنِّي جَهَدْتُ أَنْ أَجِدَ مَرْكَبًا أَبْعَثُ إِلَيْـهِ الَّـذِي لَـهُ، فَلَـمْ أَقْـدِرْ، وَإِنِّـي أَسْتَوْدِعُكَهَا.

فَرَمَى بِهَا فِي الْبَحْرِ حَتَّى وَلَجَتْ فِيهِ، ثُمَّ انْصَـرَفَ، وَهُـوَ فِـي ذَلِـكَ يَلْتَمِـسُ مَرْكَبًا، يَخْرُجُ إِلَى بَلَدِهِ، فَخَرَجَ الرَّجُلُ الَّذِي كَانَ أَسْلَفَهُ يَنْظُرُ لَعَلَّ مَرْكَبًا قَدْ جَـاءَ بِمَالِهِ، فَإِذَا بِالْخَشَبَةِ الَّتِي فِيهَا الْمَالُ، فَأَخَذَهَـا لأَهْلِهِ حَطَبًـا، فَلَمَّـا نَشَـرَهَا، وَجَـدَ الْمَالَ وَالصَّحِيفَةَ.

ثُمَّ قَدِمَ الَّذِي كَانَ أَسْلَفَهُ، فَأَتَى بِالأَلْفِ دِينَارٍ، فَقَالَ: واللّٰهِ مَا زِلْتُ جَاهِدًا فِي طَلَبِ مَرْكَبٍ لآتِيَكَ بِمَالِكَ فَمَا وَجَدْتُ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِي أَتَيْتُ فِيهِ، قَالَ: هَلْ كُنتَ بَعَثْتَ إِلَيَّ بِشَيْءٍ؟ قَالَ: أُخْبِرُكَ أَنِّي لَمْ أَجِدْ مَرْكَبًا قَبْلَ الَّذِي جِئْتُ فِيهِ، قَالَ: فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَدَّى عَنْكَ الَّذِي بَعَثْتَ فِي الْخَشَبَةِ، فَانصَرِفْ بِالأَلْفِ الدِّينَارِ رَاشِدًا).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوہریرہؓ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ:

"اس نے بنی اسرائیل کے کسی شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگے' اس نے کہا کہ گواہ لاؤ تاکہ میں انہیں قرض کے اس معاملہ پر گواہ بنالوں' قرض خواہ نے کہا کہ: اللہ کی گواہی کافی ہے۔ اس نے کہا اچھا کوئی کفیل (ضامن) لے آؤ۔ کہنے لگا کہ اللہ ہی میرا ضامن اور کفیل ہے۔ اس نے کہا تم نے سچ کہا۔ اور ایک مقررہ مدت تک کے لئے اس نے ہزار دینار اسے قرض دے دیئے۔

قرض لینے والا اپنے کسی کام سے سمندر میں سفر پر گیا اور اپنا کام پورا کیا' فارغ ہونے کے بعد جب اس نے سمندر عبور کرنے کے لئے سواری (کشتی وغیرہ) تلاش کی تاکہ اس پر سوار ہو کر اپنی مقررمدت پر جو اس نے متعین کی تھی ادائیگی قرض کے لئے' پہنچ جائے تو اسے کوئی سواری نہ ملی۔ اس نے ایک بڑی لکڑی لی' اسے اندر سے کھود کر کھوکھلا کیا اور ہزار دینار اس میں رکھ دیئے اور ایک خط قرض دینے والے کے نام لکھ کر رکھ دیا۔ پھر اس نے کھوکھلی جگہ کو اچھی طرح سے بند کر دیا۔ اور اسے لے کر سمندر پر آگیا اور دعا کی کہ:

"اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے فلاں آدمی سے ہزار دینار قرض کے طور پر لئے تھے' اس نے مجھ سے ضامن مانگا تو میں نے کہا کہ میرا ضامن اللہ ہی ہے۔ وہ آپ کی ضمانت پر راضی ہو گیا۔ پھر اس نے گواہ کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا: میرے لئے اللہ ہی گواہ کے طور پر کافی ہے۔ وہ آپ کی گواہی پر راضی ہو گیا اور میں نے اب بہت کوشش کی کہ کوئی ایسی سواری ڈھونڈوں جس کے ذریعہ اس کا قرض اس تک بھیج سکوں' لیکن میں اس میں کامیاب نہ ہوا اور میں اس قرض کی حفاظت آپ کے ہی سپرد کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی یہاں تک کہ وہ پانی میں داخل ہو گئی۔ پھر وہ واپس لوٹ آیا اور وہ پھر کشتی کی تلاش میں رہا کہ اپنے شہر کی طرف نکل جائے۔

اُدھر وہ شخص جس نے قرض دیا تھا نکلا (سمندر کی طرف تاکہ دیکھے) شاید کوئی کشتی آئی ہو اس کا مال لے کر۔ اچانک اس نے وہی لکڑی جس میں مال تھا دیکھی' اس نے اسے لے لیا یہ سوچ کر کہ گھر

والوں کو ایندھن میں کام آئے گی۔ گھر جا کر اس نے جو اسے چیرا تو اس میں اپنا مال اور خط پایا۔

پھر کچھ دنوں بعد قرض لینے والا شخص آگیا اور ہزار دینار لے کر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: اللہ کی قسم! میں مسلسل کشتی کی تلاش میں رہا تاکہ تمہارا مال لے کر تمہارے پاس آؤں، مگر مجھے اب سے قبل کوئی کشتی نہ ملی۔

اس نے کہا کہ کیا تم نے مجھ کچھ بھیجا تھا؟ کہنے لگا کہ: میں تمہیں بتلا رہا ہوں کہ میں نے اس سے پہلے کوئی سواری نہ پائی کہ اس میں آتا۔ اس نے کہا کہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے ادائیگی کر دی ہے جو تم نے لکڑی میں بھیجا تھا۔ لہٰذا اپنے ہزار دینار لے کر کامیاب واپس لوٹ جاؤ"۔

تخریج الحدیث:۔

صحیح البخاری / کتاب الکفالہ۔ باب الکفالۃ والقرض (۴/۴۶۹)

تشریح الحدیث

یہ واقعہ بہت عجیب ہے، ایک طرف اللہ کی قدرت پر، اور دوسری طرف دونوں آدمیوں کے اخلاص پر دلالت کرتا ہے۔

قدیم زمانہ میں لوگ عموماً تجارت کے لئے ایک دوسرے سے قرض وغیرہ لیا کرتے تھے اور تجارتی مقاصد کے لئے سفر بھی کرتے تھے۔ اس شخص نے قرض مانگا تو اصولاً اس نے گواہ مانگے تاکہ کل کو وہ انکار نہ کر بیٹھے، اس نے کہا کہ گواہ تو کوئی نہیں ہے، اللہ ہر جگہ حاضر ہے وہ دیکھ رہا ہے اسکو گواہ بناتا ہوں وہی میرے لئے بطور گواہ کافی ہے۔ اس نے کہا اچھا پھر کوئی ضامن ہی لے آؤ کہ اگر تم نے نہ دیا تو وہ دے دیگا تمہاری طرف سے۔

اس نے کہا ضامن بھی کوئی نہیں ہے، اللہ ہی میرا ضامن بھی ہے۔ وہ اس پر راضی ہو گیا اور کہنے لگا تم نے سچ کہا۔ دونوں کے دلوں میں اس قدر اخلاص اور سچائی تھی کہ دونوں نے ایک دوسرے کی بات کو درست تسلیم کیا۔ چنانچہ اس نے قرض دے دیا۔

اس شخص کو اچانک ایک کام سے اس شہر سے دوسرے شہر جانا پڑ گیا اور راستہ میں دریا تھا۔ دریا پار کر کے دوسرے شہر چلا گیا۔ جب قرض لوٹانے کا مقررہ وقت قریب آیا تو اس شخص نے چاہا کہ واپس جا کر قرض لوٹا دے لیکن دریا پر کوئی کشتی نہ ملی۔ بڑی تگ ودو کی لیکن ناکام رہا۔ قرض وقت پر لوٹانا بھی ضروری لیکن سواری بھی ندارد، کرے تو کیا کرے۔ چونکہ دل میں اخلاص تھا، اس نے سوچا کہ اپنی سی کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں، اس نے قرض کی واپسی کی انوکھی راہ نکالی۔ لکڑی کا ایک تنا لیا، اسے اندر سے کھود کو کھوکھلا کر دیا، جب اس کے اندر کچھ جگہ بن گئی تو ہزار دینار اس میں رکھ دیئے اور اس کے منہ کو مضبوطی سے بند کر دیا۔ ساتھ ہی ایک خط بھی مالک کے نام لکھ کر اس میں رکھ دیا اور پھر اللہ

تعالیٰ سے دعا کی کہ:

"اے اللہ! حقدار کو مقررہ وقت پر قرض واپس کرنے کے لئے میں جو کچھ کر سکتا تھا کیا' اس سے آگے میرے بس میں نہیں ہے' میں اس امانت کو تیرے حوالے کرتا ہوں' تو جانتا ہے کہ میری نیت میں کھوٹ نہیں ہے' اے اللہ! اس کو بحفاظت مالک تک پہنچادے" اور پھر وہ لکڑی کا تنہ دریا بُرد کر دیا۔

دینے والے کی وسعت ظرفی' لینے والے کا اخلاص اور نیت کی صفائی سے منزل آسان ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے وہ لکڑی مالک کو اس طرح پہنچائی کہ وہ وقت مقررہ پر دریا کے کنارے پہنچا شاید کوئی کشتی آئے اور مقروض اس کا قرضہ واپس کر دے۔ کافی وقت گزر گیا مگر کشتی کو نہ آنا تھا نہ آئی۔ وہ مایوس ہو چکا تھا' اچانک اس نے دیکھا کہ ایک بڑا سا تنہ پانی میں بہتا ہوا آرہا ہے۔ اس نے سوچا کہ چلو اسی تنے کو لے چلتا ہوں' گھر میں جلانے کے کام آئے گا۔ یہ سوچ کر اس نے اس تنہ کو اٹھایا اور لے جا کر گھر والوں کے حوالے کر دیا۔ جب اسے جلانے کے لئے درمیان سے چیرا گیا تو ایک حیرت انگیز منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ ایک ہزار دینار اور ایک خط جو اسی کے نام لکھا گیا تھا اس میں موجود تھے۔ وہ مطمئن اور شاداں فرحاں اپنا مال لے کر فارغ ہو گیا۔

کچھ روز کے بعد وہ قرض لینے والا شخص آیا اور ہزار دینار قرض بھی ساتھ لایا۔ اسے خیال تھا کہ وہ لکڑی اس تک نہیں پہنچی ہو گی لہٰذا جو اس کا حق ہے وہ تو اسے ادا کر دوں۔ اور اس شخص سے کہا کہ میری پوری کوشش رہی کہ کسی طرح کشتی اور سواری حاصل کر کے مقررہ وقت پر تمہیں تمہارا حق پہنچادوں لیکن میں سواری حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا' اب یہ تمہارا قرض لایا ہوا اسے لے لو اور اس سے لکڑی کا کوئی تذکرہ تک نہ کیا۔

چونکہ صاحبِ مال کی نیت بھی ٹھیک تھی' وہ اگر چاہتا تو لکڑی کا ملنا چھپالیتا کیونکہ ثبوت تو کوئی تھا نہیں' لیکن اس نے پوچھا کہ کیا تم نے کچھ میری طرف بھیجا تھا؟ قرض دار نے جواب دیا کہ: میں نے کہانا کہ میں اس سے قبل کسی سواری کے حصول میں کامیاب نہ ہو سکا کہ تمہاری طرف آتا۔ لکڑی کی بات ابھی بھی ذکر نہ کی اور اسے چھپاتا رہا۔ اب صاحبِ مال نے کہا کہ مجھے تمہاری بھیجی ہوئی لکڑی مل گئی تھی اور اس میں سے ہزار دینار بھی مل گئے تھے لہٰذا میں تو اپنا حق وصول کر چکا ہوں تم اپنے ہزار دینار لے کر کامیاب واپس ہو جاؤ۔

چند عبرت و نصائح

یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے جہاں منفرد اور دلچسپ ہے وہیں ارباب بصیرت و دانش کیلئے نصیحت کے کئی پہلو بھی اجاگر کرتا ہے' یہ واقعہ ہماری اجتماعی بے حسی اور بے ضمیری کیلئے ایک آئینہ ہے'

جس میں ہم اپنے بظاہر مہذب لیکن بباطن کھوکھلے اور ہوس زر میں مبتلا معاشرہ کی صورت دیکھ سکتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انسان کی دنیاوی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے' یہ انسان اتنا خود غرض واقع ہوا ہے کہ عموماً کسی کو بغیر کسی مطلب یا مفاد کے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی ضرورت مند تمہارے پاس کسی ضرورت کی تکمیل کے لئے آئے تو اس کی حتی الوسع ضرورت پوری کرنے کی کوشش کیا کرو۔ کوئی قرض خواہ تم سے قرض مانگے تو اسے قرض دے دیا کرو اگر تم استطاعت رکھتے ہو۔

لین دین کے معاملات میں تحریر کرنا' گواہ بنانا اور ضامن بنانا حکم شریعت بھی ہے اور دنیا بھر میں مروج بھی۔ لیکن بعض مواقع ایسے آجاتے ہیں کہ جہاں یہ سب میسّر آنا مشکل ہوتا ہے۔ اور دینے والے کے لئے فیصلہ کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے جب کہ لینے والے کے لئے یقین دہانی کرانا مشکل ہوتا ہے۔ مذکورہ واقعہ کا مرکزی اور بنیادی نکتہ دائن اور مدیون (قرض دینے والے اور قرض لینے والے) دونوں افراد کی نیت کی درستگی اور سچائی ہے جس نے اس عجیب و غریب واقعہ کو جنم دیا۔

یہی سچائی اور نیت کی درستگی ہے کہ دائن اللہ کی شہادت اور اس کی ضمانت کو کافی سمجھتا ہے اور مدیون کے حق میں اسے قبول کرتا ہے۔

یہی سچائی ہے جو مدیون کو وقتِ مقررہ پر قرض کی ادائیگی کے لئے بے چین کر دیتی ہے اور وہ بظاہر بڑا احمقانہ لیکن حقیقتاً بڑا دیانتدارانہ فیصلہ کرتا ہے۔

اور یہی نیت کی سچائی ہے جو مدیون کو ہزار دینار روانہ کرنے کے باوجود مطمئن نہیں ہونے دیتی اور دوبارہ ہزار دینار لے کر دائن کے سامنے لا کھڑا کر دیتی ہے۔

نیت کا یہی اخلاص ثبوت نہ ہونے کے باوجود مدیون سے حق وصول ہونے کا اقرار کرا دیتا ہے' حالانکہ وہ چاہتا تو مزید ہزار دینار وصول کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

تعلیم یہ ملی کہ معاملات میں اگر نیت صاف ہو اور دلوں میں کھوٹ نہ ہو تو پھر دیانتداری کے ایسے ہی عجائبات ظہور میں آتے ہیں۔

۲۔ ضرورت مند کو حسبِ استطاعت قرض دینا بھی نیکی اور اجر ہے۔

۳۔ مقروض کی ذمہ داری یہ ہے کہ وقتِ مقررہ پر قرض کی ادائیگی کا پورا اہتمام کرے اور دائن کو کوئی زحمت اور ذہنی کلفت نہ ہونے دے۔

۴۔ معاملات میں اللہ پر توکل کرنا انسان کے بہت سے معاملات کے لئے خیر کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں' من یتوکّل علی اللّٰہ فھو حسبہ۔

۵۔ اس بات کو یقینی بنانا اور اس کا خود یقین حاصل کرنا کہ حقدار کو اس کا حق پہنچایا نہیں ضروری ہے۔

صرف اتنا کافی نہیں کہ صاحبِ حق کو اس کا حق ارسال کر دیا جائے۔ بعض اوقات کسی وجہ سے حق دار تک حق نہیں پہنچتا لہٰذا اس کے پہنچنے کا یقین حاصل کرنا مدیون کے ذمہ ہے' جیسا کہ اس واقعہ میں مقروض نے کیا۔ واللہ اعلم

پینتیس واں قصہ ﴿۳۵﴾

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے

تمہید

رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ "مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے"۔ ہر عمل کا ایک محل ہوتا ہے غیر محل میں کئے جانے والے عمل کی اہمیت نہیں ہوتی۔ نماز کے وقت میں خدمتِ خلق کرنا عبادت نہیں ہوتا' ایسے ہی صدقہ اسی کو دیا جاسکتا ہے جو صدقہ کا مصرف ہو شرعاً ورنہ صدقہ معتبر نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں تو اصل میں نیت کو دیکھا جاتا ہے بعض اوقات غلط عمل کو بھی نیت کے اخلاص کی وجہ سے قبولیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے' ایک ایسے ہی شخص کا واقعہ جو غلط جگہ پر صدقہ دے رہا تھا مگر نیت کی درستگی دیکھئے کہ ....

نص الحدیث:

روى البخاري عن أبي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ : (قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لأَتَصَدَّقَنَّ، بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ، فَوَضَعَهَا فِي يَدِ سَارِقٍ، فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصُدِّقَ عَلَى سَارِقٍ.

فَقَالَ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، لأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ، فَوَضَعَهَا فِي يَدَيْ زَانِيَةٍ، فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى زَانِيَةٍ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى زَانِيَةٍ! لأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ.

فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ، فَوَضَعَهَا فِي يَدَيْ غَنِيٍّ، فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصُدِّقَ عَلَى غَنِيٍّ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ، عَلَى سَارِقٍ، وَعَلَى زَانِيَةٍ، وَعَلَى غَنِيٍّ!!! فَأُتِيَ، فَقِيلَ لَهُ: أَمَّا صَدَقَتُكَ عَلَى سَارِقٍ فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهِ، وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا أَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا، وَأَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهُ يَعْتَبِرُ، فَيُنْفِقُ مِمَّا أَعْطَاهُ اللهُ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایک شخص نے کہا (دل میں عہد کیا) کہ (آج رات) میں ضرور کچھ صدقہ دوں گا۔ پھر وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا لیکن (لاعلمی میں) ایک چور کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں میں چرچا ہوا اور وہ باتیں بنانے لگے کہ رات ایک چور کو صدقہ دیا گیا ہے۔

اس نے کہا: اے اللہ! آپ ہی کے لئے تمام تعریف ہے (آج کی رات) میں ضرور کچھ صدقہ دوں گا' پھر وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا لیکن (لاعلمی میں) ایک زانیہ وفاحشہ عورت کو دے دیا۔ صبح کو لوگ پھر باتیں بنانے لگے کہ آج رات زانیہ کو صدقہ دے دیا گیا۔

اس نے کہا: اے اللہ! تعریف تمام آپ کی ہی ہے (آج رات) میں ضرور کچھ صدقہ دوں گا۔ پھر وہ اپنا صدقہ لے کر نکلا اور (لاعلمی میں) ایک مالدار کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ صبح کو لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ: مالدار کو صدقہ دیا گیا۔

وہ (دل گرفتہ ہو کر) کہنے لگا: اے اللہ! آپ ہی کے لئے تمام تعریف ہے۔ ایک چور' ایک زانیہ اور ایک مالدار ہی میرے حق میں آئے۔

(خواب میں) اس کے پاس کوئی (فرشتہ غالبًا) آیا اور اس سے کہا گیا:

"جہاں تک تمہارے چور کو دیئے گئے صدقہ کا تعلق ہے تو (اس سے دل گرفتہ نہ ہو) شاید وہ چور اس کی برکت سے چوری سے توبہ کرلے (کہ جب اللہ تعالیٰ اس طرح غیب سے رزق کا سامان کر سکتا ہے تو میں چوری کیوں کروں؟)

اور جہاں تک زانیہ کو صدقہ دینے کا تعلق ہے تو (اس سے بھی ملول ہونے کی ضرورت نہیں) ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے زنا سے توبہ کرلے (کہ جب اللہ تعالیٰ بغیر کسی فاحشہ کا ارتکاب کئے رزق کا سامان کر سکتا ہے تو میں ایسا گھناؤنا کام کیوں کروں)۔

اسی طرح مالدار کو صدقہ دینے سے بھی (رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں) شاید کہ وہ اس کے اندر یہ اعتبار پیدا کردے کہ (یہ شخص اتنا چھپ کر اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہے) تو وہ بھی اللہ کے عطا کردہ مال میں سے خرچ کرنے کا اہتمام کرے"۔

تخریج الحدیث:

صحیح البخاری۔ کتاب الزکوٰۃ' باب اذا تصدق علیٰ غنی وھو لا یعلم ۲۹۰/۳

صحیح مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ' باب ثبوت اجر المتصدق ...... ۷۰۹/۲ رواہ النسائی ایضافی سننہ۔ ۵۵/۵۔

تشریح الحدیث

اللہ کی راہ میں صدقہ کرنا اور اپنے مال کو خرچ کرنا اللہ کو بے حد محبوب ہے' حدیثِ بالا میں آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے شخص کا واقعہ بیان فرمایا ہے جس کے دل میں صدقہ کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور اس نے عزم کیا کہ اللہ کی راہ میں اس کی رضاجوئی کے لئے صدقہ کرے گا۔ مختلف انسانوں کے اندر مختلف قسم کی نیکیوں کے جذبات ہوتے ہیں کسی کو نماز اور نوافل سے زیادہ شغف ہوتا ہے تو کسی

کو روزہ سے، کسی کو خدمتِ خلق سے اور کسی کو صدقہ کرنے سے۔ انسان کے دل میں چونکہ مال کی محبت بہت زیادہ ہوتی ہے لہٰذا اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ کو بہت زیادہ محبوب ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ عموماً نیکی جتنی زیادہ خفیہ اور چھپ کر کی جائے اتنی ہی اخلاص والی اللہ کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول ہوتی ہے۔ اس شخص نے یہ عزم کیا کہ رات کی تاریکی میں خفیہ طور پر صدقہ کرے گا تاکہ کسی کو حتیٰ کہ لینے والے کو بھی پتہ نہ چلے۔ بلاشبہ اس کی یہ نیت بہت عمدہ اور اچھی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت کہ جب اس نے رات کی تاریکی میں صدقہ کیا تو وہ ایک چور کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ تاریکی اور نادانستگی کی بناء پر اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ جس کو صدقہ دے رہا ہے اسے دینا جائز بھی ہے یا نہیں؟ صدقہ دے دیا۔ صبح ہوئی تو لوگوں میں چرچا ہو گیا کہ ایک چور کو صدقہ دیا گیا ہے اور لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ کسی نے چور کو صدقہ دے دیا۔

اس شخص نے یہ سنا تو بڑا دل گرفتہ ہوا کہ میں نے تو اخلاص کی خاطر چھپ کر صدقہ دیا لیکن وہ چور کے ہاتھ میں چلا گیا۔ اس نے اللہ کی تعریف کی اور عزم کیا کہ آج رات پھر صدقہ دے گا۔ رات کو پھر صدقہ لے کر نکلا تو ایک بدکار عورت کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ صبح کو پھر لوگوں میں یہ بات موضوع گفتگو بن گئی کہ رات ایک فاحشہ کو صدقہ دیا گیا۔ اس شخص کو پھر صدمہ اور رنج ہوا لیکن اللہ کی تعریف کی اور اس بات کا عزم کیا کہ آج رات دوبارہ صدقہ کرے گا۔ رات کو پھر صدقہ لے کر نکلا تو آج پھر لاعلمی میں ایک مالدار اور غیر مستحق فرد کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں بنانے لگے کہ آج رات ایک مالدار کو صدقہ دیا گیا۔ حالانکہ مالدار کو صدقہ دینا جائز نہیں۔

اس شخص کو نہایت ہی رنج ہوا کہ تینوں بار اس کا صدقہ صحیح مصرف کے بجائے غلط جگہ پر اور غیر مستحق فرد کے ہاتھ میں چلا گیا' میرا تو تینوں بار صدقہ ضائع ہو گیا۔ اسی رنج و دل گرفتگی کے عالم میں وہ سو گیا خواب میں اس نے دیکھا کہ غالباً کوئی فرشتہ یا کوئی شخص یہ کہہ رہا ہے کہ:

تمہارا چور کو صدقہ دینا بھی اللہ کے نزدیک حکمت سے خالی نہیں تھا اور وہ حکمت یہ تھی کہ شاید اس کی برکت سے چور کو چوری سے توبہ کی توفیق ہو جائے۔ وہ جب یہ دیکھے کہ اسے بغیر چوری کئے رزق مل رہا ہے تو شاید اللہ پر بھروسہ کر کے چوری سے توبہ کر لے۔

اسی طرح زانیہ و فاحشہ عورت کو صدقہ دینے میں بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت پوشیدہ تھی اور وہ یہ کہ ممکن ہے وہ عورت اس کی وجہ سے اپنی بدکاری سے توبہ کر لے کہ جو اللہ بغیر جسم کو فروخت کئے رزق دے سکتا ہے تو پھر اس سب فحاشی کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟

اور غنی و مالدار کو دینے میں یہ حکمت مخفی تھی کہ شاید اس طرح اللہ کی راہ میں اپنے مال کو خرچ کرنے کا خیال آئے اور اسے اس کی توفیق ملے۔ لہٰذا تم رنجیدہ و کبیدہ خاطر نہ ہو تمہارے تینوں صدقے

قبول ہو گئے۔

واقعہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو انسان نہیں سمجھ سکتا۔ ایک کام بظاہر اسے غلط اور خلافِ شریعت نظر آرہا ہوتا ہے لیکن اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی بہت سے حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اس شخص نے صدقِ نیت اور دل کے اخلاص کے ساتھ صدقہ دیا تھا لیکن لاعلمی میں وہ صدقہ غیر محل میں چلا گیا۔ ہاں جان بوجھ کر غلط اور غیر محل میں صدقہ دینا جائز نہیں۔ جہاں اس بات کا علم ہو کہ فلاں شخص مستحق نہیں اور شرعی مصرف نہیں ہے وہاں دینا جائز نہیں۔

اس طرح کا ایک واقعہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بھی پیش آیا تھا جسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ:

"حضرت یزیدؓ بن اخنس نے ایک بار مسجد میں ایک شخص کو کچھ دینار دیئے اور اسے وکیل بنایا کہ وہ کسی مستحق کو ان کی طرف سے دے دے۔ کچھ دیر بعد ان کا بیٹا معنؓ کسی کام سے مسجد میں آیا تو (اس شخص نے وہ دینار معن کو دے دیئے) معنؓ نے وہ دینار لے لئے، انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ دینار اصل میں ان کے والد کی طرف سے صدقہ کے ہیں۔ وہ دینار لے کر اپنے والد کے پاس آئے۔ یزیدؓ کو جب تفصیل معلوم ہوئی تو اس کا انکار کیا کہ ان کا بیٹا وہ دینار لے اور کہا کہ: اللہ کی قسم میں نے تمہیں دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا بیٹے (معن) یہ مقدمہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتویٰ اور فیصلہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اے یزید! تم نے جو نیت کی تھی تمہیں اس کا اجر مل گیا اور اے معن! جو تم نے لے لیا وہ تمہارا ہے"۔ (صحیح مسلم ۲۹۱/۳)

یعنی یزید کو اس کی صدقہ کی نیت پر ثواب مل گیا کہ انہوں نے تو یہ ارادہ نہیں کیا تھا کہ ان کے بیٹے کو ملے اور معن کو جو ملا تو لاعلمی میں ملا لہٰذا ان کیلئے جائز ہو گیا انہوں نے صدقہ سمجھ کر نہیں لیا۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال میں اصلاً نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگرچہ عمل کی ظاہری صورت بھی معتبر ہوتی ہے اور اعمالِ شرعیہ میں دونوں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ عمل صالح کی صورت اور ظاہری شکل بھی منہج شریعت کے مطابق ہو اور نیت بھی درست ہو۔ دونوں میں سے ایک کا فقدان بھی عمل کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔

البتہ بعض مرتبہ عمل کی ظاہری صورت تشریعی احکام کے مطابق نہیں ہوتی اور بظاہر وہ خلافِ شریعت نظر آتے ہیں لیکن فی الحقیقت وہ اللہ کی بہت سی پوشیدہ مصلحتوں کی بناء پر خلافِ شریعت نظر آتے ہیں، اور ان میں اصلاً اعتبار نیت کا ہوتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے نبی ﷺ کے ارشاد "نية المؤمن

خیرٌ من عملہٖ" کا کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ بعض اوقات عمل کے نیت تو بہت اعلیٰ اور خالص ہوتی ہے لیکن عمل کی شکل میں کسی قدر کمی کوتاہی واقع ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نیت کی صفائی پر اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں۔

۲۔ صدقہ دینے میں حتی الامکان اخفاء کا اہتمام کرنا مناسب ہے کہ اس میں ریاکاری کا اندیشہ کم ہے لیکن اگر کسی مصلحت سے علانیۃً اور لوگوں کو بتا کر دیا جائے تو بھی جائز ہے۔

۳۔ انسان بعض اوقات ایک کام کرتا ہے کسی نیت سے لیکن اس کے اثرات کچھ ایسے مرتب ہوتے ہیں جن کا انسان نے ارادہ بھی نہیں کیا ہوتا بلکہ ان کا تصور بھی اسے نہیں آیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بندہ کے ہر عمل سے اپنی مصلحت کے مطابق نتائج حاصل کرتے ہیں جیسا کہ چور، فاحشہ اور مالدار کو صدقہ دینے سے واضح ہے۔

۴۔ سچے خواب مبشرات میں سے ہیں اور نبوت کا چھیالیس واں حصہ ہیں۔ انہی میں سے اس شخص کا خواب بھی ہے جس کے ذریعہ اس کے صدقہ کی قبولیت اور اس کی دل گرفتگی کی دوری کا سامان کیا گیا۔

چھتیس واں قصہ ﴿۳۶﴾

سونے کا مٹکا اور اس سے بے رغبتی

تمہید

حرص و حوس کے پجاریوں سے بھری اس دنیا میں لالچ و ہوس کے نت نئے واقعات شب و روز مشاہدہ میں آتے ہیں۔ مال بٹورنے کے لئے انسان کیا کیا حیلے، جتن کرتا ہے، کتنی دھوکہ دہی، فراڈ سے کام لیتا ہے یہ سب کچھ ہر ایک پر روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ہوس ناکی کی اس مسموم فضا میں مال و دولت سے بے رغبتی کا یہ واقعہ کیا ہمارے دلوں پر چھائی مال کی محبت میں کمی کا باعث بنے گا؟ شاید!...... یقیناً بنے گا...... مگر اس دل کیلئے جو محبت و عقیدت کی جذبات سے اس واقعہ کا مطالعہ کرے گا۔

نص الحدیث:

روى البخاري ومسلم في صحيحيهما عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ: النَّبِيُّ ﷺ: (اشْتَرَى رَجُلٌ مِنْ رَجُلٍ عَقَارًا لَهُ، فَوَجَدَ الرَّجُلُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ فِي عَقَارِهِ جَرَّةً فِيهَا ذَهَبٌ، فَقَالَ لَهُ الَّذِي اشْتَرَى الْعَقَارَ: خُذْ ذَهَبَكَ مِنِّي، إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الأَرْضَ، وَلَمْ أَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ.

وَقَالَ الَّذِي لَهُ الأَرْضُ: إِنَّمَا بِعْتُكَ الأَرْضَ وَمَا فِيهَا، فَتَحَاكَمَا إِلَى رَجُلٍ، فَقَالَ الَّذِي تَحَاكَمَا إِلَيْهِ: أَلَكُمَا وَلَدٌ؟ قَالَ أَحَدُهُمَا: لِي غُلامٌ، وَقَالَ الآخَرُ: لِي جَارِيَةٌ، قَالَ: أَنْكِحُوا الْغُلامَ الْجَارِيَةَ، وَأَنْفِقُوا عَلَى أَنْفُسِهِمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقَا).

وروى مسلم في عن صحيحه أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ جُرَيْجٌ يَتَعَبَّدُ فِي صَوْمَعَةٍ، فَجَاءَتْ أُمُّهُ.

قَالَ حُمَيْدٌ: فَوَصَفَ لَنَا أَبُو رَافِعٍ صِفَةَ أَبِي هُرَيْرَةَ لِصِفَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أُمَّهُ حِينَ دَعَتْهُ، كَيْفَ جَعَلَتْ كَفَّهَا فَوْقَ حَاجِبِهَا، ثُمَّ رَفَعَتْ رَأْسَهَا إِلَيْهِ تَدْعُوهُ، فَقَالَتْ: يَا جُرَيْجُ، أَنَا أُمُّكَ كَلِّمْنِي، فَصَادَفَتْهُ يُصَلِّي، فَقَالَ: اللَّهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي، فَاخْتَارَ صَلاتَهُ، فَرَجَعَتْ، ثُمَّ عَادَتْ فِي الثَّانِيَةِ، فَقَالَتْ: يَا جُرَيْجُ، أَنَا أُمُّكَ فَكَلِّمْنِي، قَالَ: اللَّهُمَّ أُمِّي وَصَلاتِي، فَاخْتَارَ صَلاتَهُ، فَقَالَتِ: اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا جُرَيْجٌ، وَهُوَ ابْنِي، وَإِنِّي كَلَّمْتُهُ، فَأَبَى أَنْ يُكَلِّمَنِي، اللَّهُمَّ فَلا تُمِتْهُ، حَتَّى تُرِيَهُ الْمُومِسَاتِ،

قَالَ: وَلَوْ دَعَتْ عَلَيْهِ أَنْ يُفْتَنَ لَفُتِنَ.

قَالَ: وَكَانَ رَاعِي ضَأْنٍ يَأْوِي إِلَى دَيْرِهِ، قَالَ: فَخَرَجَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْقَرْيَةِ، فَوَقَعَ عَلَيْهَا الرَّاعِي، فَحَمَلَتْ، فَوَلَدَتْ غُلَامًا، فَقِيلَ لَهَا: مَا هَذَا؟ قَالَتْ: مِنْ صَاحِبِ هَذَا الدَّيْرِ، قَالَ: فَجَاءُوا بِفُؤُوسِهِمْ وَمَسَاحِيهِمْ، فَنَادَوْهُ فَصَادَفُوهُ يُصَلِّي، فَلَمْ يُكَلِّمْهُمْ.

قَالَ: فَأَخَذُوا يَهْدِمُونَ دَيْرَهُ، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ نَزَلَ إِلَيْهِمْ، فَقَالُوا لَهُ: سَلْ هَذِهِ، قَالَ: فَتَبَسَّمَ، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَ الصَّبِيِّ، فَقَالَ: مَنْ أَبُوكَ؟ قَالَ: أَبِي رَاعِي الضَّأْنِ، فَلَمَّا سَمِعُوا ذَلِكَ مِنْهُ قَالُوا: نَبْنِي مَا هَدَمْنَا مِنْ دَيْرِكَ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، قَالَ: لَا وَلَكِنْ أَعِيدُوهُ تُرَابًا كَمَا كَانَ، ثُمَّ عَلَاهُ).

ترجمۃ الحدیث :

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے اس کی کوئی جائیداد خریدی۔ خریدنے والے نے اس زمینی جائداد میں ایک مٹکا مدفون پایا جس میں سونا بھرا ہوا تھا۔ خریدار نے فروخت کنندہ سے کہا کہ اپنا سونا مجھ سے لے لو' میں نے تم سے زمین خریدی ہے (زمین میں مدفون) سونا تو نہیں خریدا (جو بغیر کسی عوض کے یہ لے لوں)۔

جائیداد فروخت کرنے والے نے کہا کہ: میں نے تو تمہارے ہاتھ زمین ہی نہیں بیچی بلکہ اس میں جو کچھ ہے وہ بھی تمہارے ہاتھ فروخت کردیا (دونوں میں اختلاف ہوا' کوئی بھی وہ سونا لینے کے لئے تیار نہ تھا) لہٰذا دونوں اپنا مقدمہ ایک دوسرے شخص کے پاس لے گئے اور اسے ثالث بنایا۔ اس نے کہا کہ: کیا تم میں سے کسی کی اولاد ہے؟ ایک نے کہا ہاں میرا ایک لڑکا ہے۔ دوسرے نے کہا ہاں میری ایک لڑکی ہے۔ ثالث نے کہا کہ اس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کردو اور اس سونے میں سے ان دونوں پر خرچ کرو اور صدقہ دو"۔

تخریج الحدیث :

صحیح البخاری۔ کتب احادیث الأنبیاء۔ ۶/ ۵۱۲

صحیح مسلم۔ کتاب الأقضیۃ۔ ۳/ ۱۳۴۵۔

تشریح الحدیث

مال و دولت' سونے چاندی اور دیگر اموال دنیا کی محبت انسانی فطرت میں شامل ہے' خود قرآن

کریم میں بھی حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "لوگوں کے لئے خواہشات کی محبت عورتوں سے' لڑکوں سے' سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں سے' نشان زدہ گھوڑوں سے' مویشیوں اور کھیتوں سے مزین کردی گئی ہے"۔ (آل عمران)

فطرتِ انسانی تبدیل تو ہو نہیں سکتی' لہٰذا یہ بھی ممکن نہیں کہ انسان کے دل سے ان اشیاء کی محبت ختم ہو جائے اور نہ ہی یہ مطلوب ہے۔ بلکہ ان اشیاء کی محبت کو اللہ کی محبت پر قربان کردینا مطلوب ہے۔ اللہ کے حکم پر ان اشیاء کو اور مال و دولتِ دنیا کو قربان کردینا یہ مقصود ہے۔ چنانچہ مال کمانے کے جن طریقوں سے اللہ نے منع کردیا ان سے رک جانا خواہ ان طریقوں سے کتنا ہی مال کیوں نہ ملے ضروری ہے۔ لیکن یہی مال ہے جس کی وجہ سے انسان اللہ سے اور اس کے احکامات سے سب سے زیادہ غفلت کرتا ہے۔ زر' زن' زمین نے دنیا میں فساد برپا کیا ہوا ہے' باہمی حسد' رقابت' کینہ پروری' بغض و عناد کی بڑی وجہ یہی ہے۔ اسی کی خاطر لوگوں نے حرام و حلال کی تمیز ختم کردی' اسی کی وجہ سے جھگڑے ہوتے ہیں اور یہی مال ہے جو باہمی خونریزی تک انسان سے کروادیتا ہے۔

مال و دولت سے محبت کی اس فضا میں کسی انسان کا خوفِ الٰہی کی بناء پر ناجائز' حرام اور مشکوک مال سے اجتناب کرنا ایک غیر معمولی بات اور اللہ کے نزدیک بڑی قدر و قیمت رکھنے والا عمل ہے۔

حدیثِ بالا میں بیان کردہ واقعہ مال سے بے رغبتی اور دنیا سے عدمِ محبت کا عجیب واقعہ ہے۔ زر و جواہرات سے لبریز کسی کو کوئی برتن ملے اور کوئی چیز اس کے لئے مانع بھی نہ ہو اسے لینے سے' پھر بھی اس شبہ کی بناء پر کہ یہ دوسرے کا ہے' کم از کم میرا تو ہرگز نہیں اسے لینے کے لئے تیار نہ ہو' ایک غیر معمولی بات ہے۔

یہ بھی عجیب اللہ کی شان ہے کہ صرف خریدار ہی نہیں وہاں تو زمین فروخت کرنے والا بھی اتنا ہی دیانتدار ہے۔ خریدار کہتا ہے کہ مجھے زمین کی کھدائی سے یہ مٹکا جو زور جواہرات سے بھرا ہوا ہے ملا ہے یہ یقیناً تمہارا ہے تم اسے لے لو' جواب میں بیچنے والا کہتا ہے کہ نہیں یہ میرا نہیں' میں نے تو زمین فروخت کردی ہے اور جو کچھ اس میں تھا وہ سب کچھ تمہارا ہو گیا۔ دونوں اسکو لینے کے لئے تیار نہیں ظاہر ہے اتنا زر و جواہر پھینکا تو جا نہیں سکتا بالآخر ایک تیسرے شخص کو حکم اور ثالث بنایا گیا' اس نے سوچا کہ یوں تو جھگڑا ختم ہی نہ ہوگا اس کا کوئی دوسرا حل نکالنا چاہئے۔

چنانچہ اس نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کی کوئی اولاد ہے؟ ایک نے کہا کہ میرا ایک لڑکا ہے دوسرے نے کہا میری ایک لڑکی ہے۔ ثالث نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں کا باہم نکاح کردیا جائے اور یہ سارا مال نصف نصف ان دونوں پر خرچ کردیا جائے اور کچھ مال اللہ کی راہ میں صدقہ بھی دیا جائے۔

ثالث کا یہ فیصلہ بھی بہت عمدہ ہے اس اعتبار سے کہ اس نے سوچا کہ جب یہ دونوں اشخاص اتنے

دیانتدار ہیں تو یقیناً ان کی اولاد بھی دیانتدار اور خوفِ خدا رکھنے والی ہوگی۔ اور جب ان کا نکاح ہوگا تو ان کی اولاد بھی نہایت شریف اور صالح پیدا ہوگی۔ گویا اس طرح شریف اور صالح اولاد کے وجود کا ذریعہ یہ فیصلہ ہو جائے گا۔

چند عبرت ونصائح

بلاشبہ اس واقعہ میں حرص وہوس کے مارے ہوئے ہمارے معاشرہ اور کیلئے بڑے نصیحت آموز پہلو ہیں۔

۱۔ دیانتداری ایک ایسا مبارک وصف ہے کہ اس کے بہترین نتائج اللہ تعالیٰ دنیا میں انسان کو نصیب فرماتے ہیں اور آخرت میں تو خوب ہی عطا فرمائیں گے۔

۲۔ اس واقعہ سے مال کی بے رغبتی کا جذبہ انسان کے پیدا ہوتا ہے۔

۳۔ حرام سے اجتناب اور مشتبہ سے بچنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں حضرات تقویٰ کی صفت سے متصف تھے جب ہی دونوں ایک دوسرے کے لئے ضد کرتے رہے اور خود لینے پر راضی نہ ہوئے۔

۴۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو ان معاملات میں جو بظاہر بڑے چھوٹے اور روزمرہ پیش آنے والے ہیں، اختلاف کی صورت میں کسی صاحبِ رائے اور ذی علم شخص کو ثالث بنالینا چاہئے جو اپنی عقل و فراست اور علم و تجربہ کو بروئے کار لاتے ہوئے دونوں کے درمیان صحیح فیصلہ کردے۔

۵۔ غیر متوقع طور پر حاصل ہونے والے مال میں سے صدقہ کردینا مستحب ہے اور اس سے مال کی بے برکتی ختم ہو جاتی ہے۔

سینتیسواں قصہ ﴿۳۷﴾

جریج العابد......ماں کی بد دعا

تمہید

جریج' بنو اسرائیل کا ایک نہایت عابد وزاہد شخص تھا' ہمہ وقت عبادت میں مشغول رہنے والا' لیکن صرف عبادت بغیر علم کے کافی نہیں ہوتی علم کی کمی سے انسان کو ہر وقت گمراہی کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ علم کی یہی کمی جریج کے لئے بھی بہت بڑی آزمائش ثابت ہوئی۔

مگر کس طرح......اور جریج کی یہ آزمائش کیوں ہوئی؟ اور کس طرح اسے اس آزمائش سے نجات ملی؟ عبرت ونصیحت سے بھرپور یہ واقعہ ان تمام سوالات کے جوابات فراہم کرتا ہے۔

نص الحدیث:

روى البخاري في صحيحه عن أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ إِلا ثَلاثَةٌ: عِيسَى، وَكَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: جُرَيْجٌ، كَانَ يُصَلِّي فَجَاءَتْهُ أُمُّهُ فَدَعَتْهُ، فَقَالَ: أُجِيبُهَا أَوْ أُصَلِّي، فَقَالَتْ: اللَّهُمَّ لا تُمِتْهُ حَتَّى تُرِيَهُ وُجُوهَ الْمُومِسَاتِ، وَكَانَ جُرَيْجٌ فِي صَوْمَعَتِهِ، فَتَعَرَّضَتْ لَهُ امْرَأَةٌ، وَكَلَّمَتْهُ، فَأَبَى، فَأَتَتْ رَاعِيًا فَأَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا، فَوَلَدَتْ غُلامًا، فَقَالَتْ: مِنْ جُرَيْجٍ، فَأَتَوْهُ، فَكَسَرُوا صَوْمَعَتَهُ، وَأَنْزَلُوهُ، وَسَبُّوهُ، فَتَوَضَّأَ، وَصَلَّى، ثُمَّ أَتَى الْغُلامَ، فَقَالَ: مَنْ أَبُوكَ يَا غُلامُ؟ قَالَ: الرَّاعِي، قَالُوا: نَبْنِي صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: لا إِلا مِنْ طِينٍ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"گہوارہ میں سوائے تین افراد کے کسی نے گفتگو نہیں کی' حضرت عیسیٰؑ بن مریم نے' اور بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جسے "جریج" کہا جاتا تھا۔ وہ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اسی دوران اس کی ماں آگئی اور جریج کو بلایا۔ اس نے دل میں کہا کہ: میں ماں کو جواب دوں یا نماز جاری رکھوں؟ (اور جواب نہ دیا) ماں نے کہا:

"اے اللہ! اسے اس وقت موت نہ دیجئے جبتک کہ یہ فاحشہ وبازاری عورتوں کا منہ نہ دیکھ لے"۔

ایک بار جریج اپنے صومعہ (عبادت کیلئے ایک مخصوص بلند چبوترہ جس پر حجرہ بنا ہوتا تھا) میں تھا

کہ اس کے پاس ایک عورت آئی اور اس سے (بدکاری کی) خواہش کی اس نے انکار کر دیا (اس کے دل میں گرہ پڑ گئی) وہ پھر ایک چرواہے کے پاس گئی اور اس کو اپنے آپ پر قدرت دے دی (اور اس سے بدکاری کی) جس کے نتیجہ میں اس کے لڑکا پیدا ہوا۔ اس عورت نے کہہ دیا کہ: یہ جریج کا ہے' لوگ (غصہ میں بھرے) جریج کے پاس آئے اور اس کا صومعہ توڑ دیا' اسے نیچے اتارا اور بہت برا بھلا کہا۔ اس نے وضو کر کے نماز پڑھی' پھر اس نومولود لڑکے کے پاس آیا اور (اس بچہ کو مخاطب کر کے) کہا: اے لڑکے تیرا باپ کون ہے؟ بچہ نے (جو ابھی گہوارہ میں تھا) جواب دیا کہ: چرواہا۔ (لوگوں کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہوا اور) انہوں نے کہا کہ: ہم تمہارا صومعہ سونے کا بنا دیتے ہیں۔ جریج نے کہا کہ نہیں بس گارے کا ہی بنا دو"۔

تخریج الحدیث:

صحیح البخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء۔ ۶/۴۷۶۔

صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ۔ باب تقدیم بر الوالدین الخ۔ ۴/۱۹۷۶۔

تشریح الحدیث

یہ حدیث مختلف مقامات پر نقل کی گئی ہے اور امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ دونوں نے متعدد مقامات پر اپنی اپنی صحیح میں اس کی تخریج کی ہے۔

مجموعہ روایات کو سامنے رکھا جائے تو پورے واقعہ کا تفصیلی خلاصہ کچھ اس طرح بنتا ہے کہ:

"رسول کریم ﷺ بیان فرمایا کہ: نومولود بچوں میں سے صرف تین ایسے گذرے ہیں جنہوں نے نومولود ہونے کی حالت میں گہوارہ میں گفتگو کی ہے (جو ایک مستبعد بات ہے) ایک تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام تھے جنہوں نے اپنی والدہ حضرت مریمؑ کے حق میں گواہی دی تھی۔ (مریم ر ۲)

دوسرا وہ بچہ تھا جس نے جریج عابد کے حق میں گواہی دی تھی۔ جریج بنو اسرائیل میں ایک بڑا عابد و زاہد شخص تھا۔ آبادی سے باہر اس نے اپنا ایک صومعہ بنا رکھا تھا (صومعہ اس زمانہ کی ایک مخصوص عمارت ہوتی تھی جو خاص عبادت گاہ کے طور پر ہی استعمال ہوتی تھی اور زمین سے بلند ہوتی تھی اور اوپری سطح اس کی تنگ ہوتی تھی یعنی نیچے سے اوپر کی طرف جاتے ہوئے بتدریج عمارت کی چوڑائی کم ہوتی چلی جاتی تھی)۔

جریج عابد اس صومعہ میں ہمہ وقت عبادت و بندگی میں مشغول رہتا تھا۔ ایک روز اس کی والدہ اس کے پاس آئیں تو دیکھا کہ وہ نماز میں مشغول ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جریج کی ماں کی ہئیت عملاً بیان کی اور فرمایا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھوں پر سایہ کر لیا (کیونکہ جب کسی اونچی چیز کی

طرف دیکھنا ہو تو عموماً لوگ سورج کی شعاعوں سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھوں کو چھجا بنا لیتے ہیں تو اس کی والدہ نے بھی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنا کر) اسے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ نماز میں مشغول تھا۔ماں نے کہا کہ جریج! میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات کر! جریج کے سامنے اس کی نماز تھی (غالباً اسے نماز میں وہ حلاوت مل رہی ہوگی کہ کسی دوسری طرف متوجہ ہونا اسے گراں گزر رہا ہوگا) اس نے دل میں کہا: اے اللہ! ایک طرف میری ماں ہے' دوسری طرف نماز (کسے اختیار کروں؟) آخر اس نے نماز کو ہی اختیار کیا۔ماں واپس ہوگئی۔

دوسرے دن پھر ماں واپس آئی اور (حسبِ معمول اسے نماز میں مشغول دیکھا) اور کہا: اے جریج! میں تیری ماں ہوں' مجھ سے بات کر! اس نے پھر (دل میں) کہا اے اللہ! ایک جانب میری ماں ہے دوسری جانب میری نماز ہے (کیا کروں؟) آخر نماز کو ہی اختیار کیا' ماں (ناکام) واپس لوٹ گئی تیسرے روز پھر واپس آئی تو جریج پھر نماز میں مشغول تھا۔اس نے کہا: اے جریج! (میں تیری ماں ہوں) اس نے دل میں کہا کہ: اے اللہ! ایک طرف میری ماں ہے تو دوسری طرف میری نماز' کسے اختیار کروں؟ آخر نماز کو ہی اختیار کیا۔

متواتر تین روز تک ماں' بیٹے کی ملاقات اور اس سے گفتگو میں ناکامی سے جھنجلا گئی اور مارے غصہ کے جریج کو بددعا دی اور کہا: اے اللہ! یہ جریج میرا بیٹا ہے اور میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں مگر اس نے (عملاً) مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا ہے' اے اللہ! اسے اس وقت تک موت نہ دیجئے جب تک کہ یہ بدکار' بازاری عورتوں کا منہ دیکھ لے"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (ماں نے صرف عورتوں کا منہ دیکھنے کی بددعا دی تھی) اگر انکے فتنہ میں پڑجانے کی بددعا بھی دیتی تو وہ اس میں بھی پڑ جاتا (کہ ماں کی بددعا ایسی ہی تیر بہدف ہوتی ہے)۔

اب ماں کی بددعا پوری ہونے کی صورت یوں ہوئی کہ بنو اسرائیل کے لوگوں میں جریج کی عبادت کے تذکرے اور چرچے ہونے لگے۔وہاں ایک فاحشہ اور بازری عورت رہا کرتی تھی جو اپنے حسن کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتی تھی اور اس کے حسن کی مثالیں دی جاتی تھیں۔اس نے لوگوں سے کہا کہ: جریج کی عبادت کے تم بہت تذکرے کرتے ہو۔حالانکہ اس کا حال یہ ہے کہ اگر تم چاہو تو میں اسے اپنے فتنہ میں مبتلا کر کے دکھاؤں۔

چنانچہ وہ بازاری عورت اس کے پاس گئی اور اس کے سامنے اپنا آپ پیش کیا مگر اس نے نظر اٹھا کر نہ دیکھا اور قطعاً اس کی طرف التفات نہ کیا' جس سے اس کے دل پر چوٹ لگی۔جریج کی عبادت گاہ کے قریب ایک چرواہا بھی رہا کرتا تھا جو بھیڑ بکریاں چراتا تھا۔

وہ عورت جریج کے پاس سے نکل کر اس چرواہے کے پاس گئی اور اسے اپنے آپ پر قدرت دے

دی‘اس نے اس سے بدکاری کی جس سے وہ حاملہ ہو گئی۔ جب بچہ پیدا ہوا تو اس نے جریج سے انتقام لینے کے لئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ بچہ جریج کا ہے جو اس خانقاہ میں رہتا ہے۔

یہ سننا تھا کہ لوگ کلہاڑیاں اور گینتیاں لیکر اس کی خانقاہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے پکارا تو اسے نماز میں مشغول پایا۔ اس نے ان سے بات کی لوگوں نے اس کی خانقاہ کو گرانا اور منہدم کرنا شروع کر دیا اور اسے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔ جریج نے جب یہ صورتحال دیکھی تو نیچے اتر آیا۔ لوگوں نے اسے مارا پیٹا‘اس نے کہا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا تو نے اس بازاری عورت سے بدکاری کی ہے اور اس سے کہا کہ: اس عورت سے پوچھ یہ کیا کہتی ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے نماز پڑھنے کی مہلت دو۔ غرض اس نے نماز پڑھی‘نماز پڑھ کر واپس لوٹا تو لوگ اس بچہ کو لے آئے جس کے متعلق کہا جا رہا تھا کہ یہ جریج کا ہے۔

جریج نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے پیٹ میں انگلی سے ذرا سا ٹہوکا دیا اور اس سے پوچھا کہ: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا میرا باپ فلاں چرواہا ہے جو بھیڑیں چراتا ہے۔

نومولود بچہ کو اتنا واضح کلام کرتے دیکھ کر اور اس کی زبان سے جریج کی برأت کی گواہی سن کر لوگوں کو عقل آئی۔

بے عقل عوام کا یہی حال ہوتا ہے کہ جہاں کسی کی کوئی بات سن لی‘بغیر تحقیق اسے قبول کر لیا۔ خواہ وہ غلط ہو یا صحیح۔ پھر اس کے مقابلہ میں دوسری بات سنی تو اسے قبول کر لیا۔ وہ جھوٹ سچ کی تحقیق میں نہیں پڑتے جو جہالت اور کم علمی کی بات ہے۔

غرض لوگوں کو احساس ہوا کہ ہم نے جریج کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ چنانچہ وہ اسے لپٹنے اور اس کا بوسہ لینے لگے فرطِ عقیدت سے۔ اور کہنے لگے کہ: ہم تیرا صومعہ (خانقاہ) سونے چاندی سے دوبارہ تعمیر کریں گے‘اس نے کہا کہ نہیں اس کی ضرورت نہیں‘بس تم اسے اس کی سابقہ حالت پر لوٹا دو اور مٹی گارے ہی سے اسے کھڑا کر دو‘چنانچہ لوگوں نے اسے دوبارہ بلند کر دیا۔

چند عبرت و نصائح

بے شمار عبرتوں اور نصیحت آموز پہلوؤں پر مشتمل یہ واقعہ ایک باشعور انسان کے لئے متعدد فوائد کا حامل ہے۔

۱۔ اس واقعہ کی بنیادی تعلیم اور سبق تو ماں کی عظمت اور اس کے حق کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ماں اتنی عظیم ہستی ہے کہ اس کی معمولی سی بددعا انسان کو ناقابلِ یقین تکلیف دِہ صورتحال سے دوچار کر دیتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ: اگر وہ عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے

کی بد دعا کرتی تو وہ اس میں بھی مبتلا ہو جاتا' اس کی حقیقت اور سنگینی کو خوب اجاگر کرتا ہے۔

ماں وہ ہستی ہے کہ رب کائنات نے صرف اس کو یہ حق دیا کہ اس کی خاطر بندہ اپنے رب کی عبادت بھی توڑ سکتا ہے۔ حکم یہ ہے کہ ماں اگر پکارے اور اسے علم نہ ہو کہ بیٹا نماز میں مشغول ہے تو بیٹے کو نماز توڑ کر ماں کی بات سننا چاہیئے اور نماز بعد میں لوٹانی چاہیئے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ فرض نماز تو نہ توڑے جب کہ کوئی سنگین صورتحال نہ ہو البتہ نفل نماز ماں کی پکار پر توڑ سکتا ہے۔

۲۔ ماں کی نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی تمام تر عبادت وریاضت' نیکی و تقویٰ کے باوجود پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے اور ماں کی نافرمانی اس کے لئے بہت سے مصائب کا سبب بن جاتی ہے۔

۳۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ہر قسم کی تہمت اور عیب سے پاک کرنے کا اہتمام فرماتے ہیں۔ جیسا کہ جریج عابد کے ساتھ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا غیر معمولی اظہار فرمایا اور پالنے میں پڑے نومولود بچہ کو گویائی عطا فرمائی اور اس کی زبان سے جریج عابد پر لگنے والے داغ اور تہمت کو مٹایا اور انہیں پاک وصاف کر دیا۔

۴۔ عورت کا فتنہ دنیا کے فتنوں میں سب سے شدید فتنہ ہے اور اس سے بچنا اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر بہت مشکل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو شیطان کی رسیاں اسی لئے قرار دیا کہ شیطان ان کے ذریعہ اپنے جال میں انسانوں کو پھانستا ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ نے جہاں دیگر فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگی ہے عورتوں کے فتنہ سے بھی خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگی ہے۔ عورت کا فتنہ اچھے خاصے نیک اور سمجھدار لوگوں کو بھی مبتلا کر دیتا ہے۔

۵۔ مصائب اور پریشانیوں میں جو شخص صبر واستقامت اور رجوع الی اللہ کا اہتمام کرتا ہے اور اس مصیبت و پریشانی کو اللہ ہی سے دور کرنے کی درخواست کرتا اور اس کیلئے دعا کرتا رہتا ہے تو وہ مصیبت و پریشانی اس کے واسطے انجام کار راحت اور خیر کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ جیسا کہ جریج عابد کے ساتھ ہوا کہ فتنہ اور تہمت کی اس آزمائش میں وہ اللہ کی طرف رجوع رہے اور استقامت کے ساتھ اس پریشانی کا سامنا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو ان کیلئے ترقی درجات کا اور اعزاز و اکرام کا ذریعہ بنا دیا۔

۶۔ حدیثِ بالا میں اولیاء اللہ کیلئے کرامات کا ثبوت ہے۔ بلاشبہ اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں اگرچہ ان کی بزرگی اور ولایت کیلئے شرط اور ضروری نہیں ہیں جیسا کہ بعض لوگ یہ باطل خیال رکھتے ہیں۔

۷۔ گھبراہٹ اور مصیبت کے وقت رجوع الی اللہ اور اللہ سے استعانت کا سب سے بہترین طریقہ نماز ہے اور یہی انبیاء علیہم السلام اور اہل اللہ کا شیوہ رہا ہے۔ جریج العابد نے بھی اس تہمت والزام تراشی کی مصیبت میں سب سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھی۔ قرآن کریم کا بھی یہی حکم ہیکہ:

استعینوا بالصبر والصلواۃ (البقرہ) صبر اور نماز کے ذریعہ اللہ سے مدد حاصل کرو۔

اہلِ ایمان کو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ آج کل مصیبت اور پریشانی میں مادی اسباب و وسائل پر ہی ساری نظر رہتی ہے اور نماز و اعمال کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جاتی۔ بلاشبہ وسائل و اسباب ضرور اختیار کرنا چاہئیں اور ان کے استعمال کا حکم بھی اللہ تعالیٰ نے دیا ہے لیکن وسائل و اسباب پر ایک تو اعتماد اور بھروسہ نہیں ہونا چاہئے اور نظر ہمیشہ اللہ پر رہنی چاہئے۔ اسی طرح نماز اور اعمالِ صالحہ جن کی برکت سے مصائب دور ہوتے اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اللہ کا فضل متوجہ ہوتا ہے، ان پر بھی توجہ دینی چاہیئے اور صلحاء کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔

۸۔ اہلِ فسق وفجور اور بے دین لوگ دیندار اور اصحاب عبادت و تقویٰ کو مٹانے اور انہیں بے آبرو کرنے کی ہر دور میں کوشش کرتے ہیں، لہٰذا اہلِ تقویٰ و اصحابِ عبادت کو اس کی فکر نہیں کرنی چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا اہتمام کرتے رہنا چاہئے وہ ان تمام اہلِ فجور کو اور ان کی سازشوں کو ختم فرمانے والے ہیں۔

۹۔ کسی پر بغیر تصدیق کے تہمت نہیں لگانا چاہئے، کسی پر تہمت لگانا بدترین گناہ کبیرہ ہے اور ان چند عظیم جرائم میں سے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حد شرعی مقرر فرمائی ہے۔ یعنی اس کے لئے جو سزا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرمادی اور اس کو حاکم و قاضی کی صوابدید پر نہیں چھوڑا۔ چنانچہ تہمت کے لگانے کی وجہ سے حدِ قذف لگتی ہے جو اسی (۸۰) کوڑے ہے اور اللہ تعالیٰ بغیر تصدیق کے تہمت لگانے پر خود بھی سخت عذاب دیتے ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی حتیٰ کہ متہم شخص کی برأت کے لئے غیر معمولی اور خارق عادت امور کا بھی صدور فرماتے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ قصہ میں ہوا جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے معاملہ میں قرآن کریم کی آیات نازل فرمائیں۔

۱۰۔ اہل اللہ کے متعلق بدگمانی اور بدظنی بدترین گناہ ہے۔ اور اہل اللہ کے بارے میں کوئی غلط بات سننے والے پر ضروری ہے کہ بغیر تحقیق و تفتیش کے ان کے متعلق کوئی بدگمانی نہیں کرے کیونکہ شیطان کا یہ بہت اہم حربہ ہوتا ہے کہ اہلِ دین اور اولیاء اللہ سے لوگوں کو بدگمان کیا جائے۔ لہٰذا اس سے بچنا بہت زیادہ ضروری ہے۔

اڑتیس واں قصہ ﴿۳۸﴾

آسیہ...... ملکۂ مصر

تمہید

تاریخ کے اوراق کو پلٹیں تو یہ حیرت ناک بات سامنے آتی ہے کہ اہلِ حق کو ہر دور اور ہر زمانہ میں ناقابلِ یقین مشقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مرد ہی نہیں خواتین نے بھی حق کی راہ میں استقامت پر وہ مصائب برداشت کئے کہ مَردوں کو عاجز کر دیا۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بھی ایسی ہی پرعزم خواتین میں سے تھیں انہوں نے اللہ عزّوجل کی رضا کی خاطر اپنے نفس کو قربان کر دیا اور اپنے شوہر کی طرف سے ایمان کی خاطر ملنے والے عذاب کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا...... آیئے دیکھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔

نص الحدیث:

روى أبو يعلى في مسنده عن أبي هريرة قال: (إنَّ فِرْعَونَ أَوْتَدَ لِامْرَأَتِهِ أَرْبَعَةَ أَوْتَادٍ فِي يَدَيْها وَرِجْلَيْها، فَكانَ إذا تفرَّقُوا عنها ظَلَّلَتْهَا الملائِكَةُ، فَقالَتْ: ﴿رَبِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ [التحريم: ١١]، فَكَشَفَ لَهَا عَنْ بَيْتِهَا فِي الجَنَّةِ) .

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ:

”فرعون نے اپنی بیوی آسیہ کو پانچ زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔ ان کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ فرعون کے (مقرر کردہ) داروغے جب ان کے پاس سے ہٹ جاتے تو فرشتے ان پر سایہ کرتے تو وہ پکار اٹھتیں:

”اے میرے رب! میرے لئے اپنے قرب میں جنت میں ایک گھر بنا دیجئے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دیجئے اور مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرمایئے“۔(التحریم/۱۱)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کا گھر ان کے سامنے کر دیا“۔

تخریج الحدیث:

أخرجہ ابو یعلی فی مسندہ۔ ۴/۱۵۲۱۔۱۵۲۲

أوردہ السیوطی فی الدر المنثور ۶/۲۴۵۔

قال الہیثمی فی الزوائد رجالہ رجال الصحیح ۹/۲۱۸

تشریح الحدیث

اللہ کے احکامات سے تجاوز کرنے والے' اس سے بغاوت کرنے والے' اس کا مقابلہ کرنے والے عاقبت نااندیش لوگ' اللہ کے عذاب کا شکار ہوتے ہیں' وہ اللہ سے جب سرکشی پر اتر آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دنیاوی نقشوں کے اندر ہی انہیں ذلیل ورسوا فرماتے ہیں۔ مصر کے سرکش اور نافرمان بادشاہ فرعون نے جب ہر حد کو توڑ دیا' سرکشی کی انتہاؤں کو پہنچ گیا اور ربوبیت والٰہیت کا دعوائے باطلہ کرتے ہوئے انا ربکم الأعلیٰ کا نعرہ لگایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دراز رسی کو اچانک کھینچ لیا اور متعدد بار رسوا فرمانے کے بعد دائمی عذاب کا مرقع بنادیا اور رہتی دنیا تک کے لئے نمونۂ عبرت بنادیا اور وہ اپنی تمام تر حکومت واقتدار' شان وشوکت کروفر اور وسائل کے باوجود قدم قدم پر رسوائی کا شکار ہوتا رہا۔

جس بچہ کی پیدائش کے اندیشہ سے (کہ وہ بڑا ہوکر اس کے تباہ ہونے کا سبب ہوگا) ہزارہا بچوں کو اس نے تہ تیغ کردیا' وہ بچہ اسی کے محل میں اس کے خرچہ پر پلتا رہا اور وہ اللہ کے نظام سے بے خبر اپنے سب سے بڑے "دشمن" کی پرورش کا ذریعہ بنا رہا۔

اس کی خدائی کے دعویٰ پر خود اس کے ماتحت اس کے منکر ہوگئے"۔ چنانچہ اللہ نے فرعون کی بیٹی کا سنگھار کرنے والی خادمہ کو ایمان کی نعمت سے مالامال کردیا۔ حتیٰ کہ خود اس کی بیوی نے اس کی خدائی کو تسلیم نہ کیا اور اللہ وحدہٗ' لاشریک کی توحید کو ماننے والی ہوگئی۔ مذکورہ حدیث میں فرعون کی بیوی کے متعلق ہی بتلایا گیا ہے کہ ایمان پر ان کی استقامت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے کیا مقام عطا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جن چند بلند پایہ پاکیزہ ترین خواتین کا اور ان کے بلند مقام کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں فرعون کی بیوی حضرت آسیہ بھی ہیں' اللہ تعالیٰ نے انہیں مقام بلند عطا فرمایا حتیٰ کہ اہلِ ایمان کے لئے انہیں مثال بنادیا اور ان کی مثال اللہ نے پیش فرمائی۔

چنانچہ فرمایا:

> وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً لِلَّذِينَ اٰمَنُوا مرأَةَ فِرعَونَ إِذْ قَالَتْ ربِّ ابْنِ لِي عِندَكَ بَيتاً فِى الْجَنَّةِ ونَجِّنى مِن فِرعَونَ وَعمَلِهٖ وَ نَجِّنى مِنَ الْقَومِ الظّالِمِين۔(التحریم/۱۱)
>
> "اور اللہ تعالیٰ نے مثال بتلائی ایمان والوں کے لئے فرعون کی عورت کی' جب کہنے لگیں اے میرے رب! میرے واسطے ایک گھر اپنے پاس جنت میں بنایئے اور مجھ کو فرعون سے اور اس کے کام سے چھڑا دیجئے اور بچا نکال لیجئے مجھے ظالم لوگوں سے"۔

حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ان کے کامل ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

ان کا پورا نام حضرت آسیہ بنت مزاحم تھا۔ نہایت ایماندار' ولیہ کامل اور اللہ کی فرماں بردار

تھیں۔ شوہر خدا کا سب سے بڑا باغی اور نافرمان تھا‘ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش ان کے ہاتھوں ہوئی اور یہ شاہی محل میں ان کی مددگار تھیں۔ فرعون کو کافی عرصہ گزرنے کے بعد جب ساری بات معلوم ہوئی اور حضرت آسیہ کے ایمان لانے اور اللہ کو ایک ماننے کا علم ہوا تو اس نے ان پر سختیاں شروع کر دیں انہیں چار میخیں گاڑ کر ان سے باندھ دیا جاتا تھا‘ دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کو میخوں سے باندھ کر ان پر داروغہ مسلط کر دیا جاتا تھا‘ اس کرب و مشقت کے عالم میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتیں کہ:

”اے اللہ! میرے لئے جنت میں اپنے پاس ایک گھر بنایئے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دیجئے اور ظالم لوگوں کے پنجہ سے مجھے چھڑایئے“۔

شاہی محل کی مالکہ‘ مصر کی ملکہ‘ وقت کے عظیم فرمانروا کی بیوی‘ صرف ایک کلمۂ توحید کی خاطر طرح طرح کی اذیتیں اور مشقتیں سہہ رہی تھی اور وہ بھی کس کے ہاتھوں؟ شوہر کے ہاتھوں‘ مجازی خدا کے ہاتھوں؟

میخوں سے بندھی جکڑی ہوئی جب یہ دعا کرتیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا کے نتیجہ میں انہیں جنت میں ان کا محل دکھلا دیا کرتے جس سے ساری مشقتیں اور سختیاں جھیلنا آسان ہو جاتا تھا۔

آخر کار فرعون نے انہیں قتل کرا دیا اور وہ اللہ کی رضا کی خاطر‘ اس کے کلمہ کی خاطر راہِ حق میں جامِ شہادت نوش کر گئیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

راہِ حق کی اس شہید کو یہ اعزاز ملا کہ اپنی آخری کتاب میں اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے پورے اعزاز سے فرمایا اور اس کے ذکر کو قیامت تک کے لئے جاری کر دیا اور اس کی قربانی کو قیامت تک کے لئے ایک نمونہ اور مثال بنا دیا اہلِ ایمان کے لئے۔ رحمہا اللہ رحمۃً واسعۃً

چند عبرت و نصائح

۱۔ ہدایت کسی کی جاگیر نہیں ہے کہ نسلاً بعد نسلٍ چلتی رہے‘ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہوتی ہے جسے وہ چاہے دیدے‘ وہ چاہے تو نبی کی بیوی کو کافرہ کر دے جیسے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کو کیا اور چاہے تو کافروں کی بیوی کو ولی کامل اور مقرب بنا دے جیسے حضرت آسیہ کو کیا‘ نعمتِ ایمان پر اللہ کا ہر وقت شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے محض اپنے فضل سے اس نعمت سے سرفراز فرمایا۔

۲۔ جب کسی دل میں ایمان پوری سچائی اور اخلاص کے ساتھ داخل ہوتا ہے تو اس کی برکت یہ ہوتی ہے کہ ہر طرح کے ظلم و ستم اور سختی و عذاب کا جھیلنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ پھر وہ انگاروں پر

چلتے ہوئے بھی ''احد احد'' کی صدا بلند کرتا ہے گردن کٹا کر بھی ''حق ادا نہ ہوا'' کا نعرہ بلند کرتا ہے۔
ایمان کی یہی سچائی اور اخلاص تھا کہ حضرت آسیہ بھی ملکۂ شاہی ہونے کے باوجود ہر ظلم و ستم کو جھیلتی رہیں اور ہر مشقت کو برداشت کرتی رہیں یہاں تک کہ اپنی جان راہِ خدا میں قربان کر دی۔

۳۔ ایمان کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اہلِ کفر اسے کبھی برداشت نہیں کرتے اور اسے مٹانے کے لئے ہر رشتہ کا تقدس اور ہر خون کی حرمت مٹا دیتے ہیں، کسی کمزور پر ستم اور کسی مظلوم پر ظلم سے باز نہیں آتے اور اسی کرب و بلاء سے گزرنے کے بعد ایمان و ہدایت کی ہوائیں چلتی ہیں اور اسلام زندہ ہوتا ہے، یہی حقیقت اس مذکورہ بالا واقعہ سے بھی عیاں ہے۔

؎ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

۴۔ حق کی خاطر ظلم و ستم سہنے والے اور اپنی جان قربان کرنے والے راہ حق کے مسافر کبھی تنہا نہیں ہوتے جس کی خاطر وہ ستم برداشت کرتے ہیں وہ انہیں تنہا نہیں چھوڑتا اور قدم قدم پر انہیں ہمت و حوصلہ صبر و استقامت اور دولتِ یقین عطا کرتا ہے اور آسمان سے ان کے لئے غیبی مدد نازل فرماتا ہے جیسے حضرت آسیہ پر فرشتے سایہ کرتے تھے اور جنت میں ان کا محل انہیں دکھلایا جاتا تھا۔

۵۔ ایمان ایک عظیم طاقت اور قوت ہے۔ جس دل کے اندر یہ داخل ہو جائے تو اسے بھی طاقتور بنا دیتا ہے خواہ وہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو، غور فرمائیے! اصفِ نازک ہے، شاہی محل کی ملکہ ہے، قدرتاً بھی کمزور، عادتاً بھی کمزور، لیکن جب ایمان کی قوت داخل ہوتی ہے تو ہر ظلم کے سامنے مردانہ وار کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہی ایمان کا خاصہ ہے، ایمان کی پوری تاریخ یہی بتلاتی ہے۔

انتالیسواں قصہ ﴿۳۹﴾

......اور میں کیوں ایمان نہ لاؤں؟

تمہید

علماء بنی اسرائیل میں سے ایک عالم کا قصہ جسے اس کی قوم کے گمراہوں نے اپنی تحریر شدہ کتاب کو آسمانی کتاب کے بجائے ماننے پر مجبور کیا' اس نے جان بچانے کیلئے ایک حیلہ کیا جسے شریعت میں "توریہ" کہا جاتا ہے یعنی ایسی بات کہنا کہ جو ذو معنی ہو' ایک ظاہری معنیٰ دوسرے بعید معنیٰ' سامنے والا اس سے ظاہری معنیٰ سمجھے جبکہ کہنے والے کی مراد بعید معنیٰ ہوں جو اس کا مقصود ہے۔

نص الحدیث:

روى البيهقي فِي شعب الإيمان عن عبدالله (إِنَّ بني إِسْرائِيلَ لَمَّا طَالَ الأَمَدُ، وَقَسَتْ قُلُوبُهمْ اخْتَرَعُوا كِتَاباً مِنْ عِنْدِ أَنفُسِهِم، استهْوَته قُلُوبُهُم، واسْتَحَلَّتْهُ أَلْسِنَتُهُمْ، وَكَانَ الحَقُّ يَحُولُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ كَثِيرٍ مِنْ شَهَوَاتِهِمْ، حَتَّى نَبَذُوا كِتَابَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُم لا يَعْلَمُونَ .

فَقَالَ: اعْرِضُوا هَذَا الكِتَابِ عَلَى بَنِي إِسْرائِيلَ، فَإِنْ تَابَعُوكُمْ عَلَيْهِ، فَاتْرُكُوهُمْ، وَإِنْ خَالَفُوكُم فَاقْتُلُوهُمْ . وَقَالَ: لا، بَلْ ابْعَثُوا إِلَى فُلانٍ ـ رَجُلٍ مِنْ عُلَمَائِهِمْ ـ فَإِنَّ تَابَعَكُم فَلَنْ يَخْتَلِفْ عَلَيْكُم بَعْدَهُ أَحَدٌ .

فَأَرْسَلُوا إِلَيْهِ فَدَعُوهُ، فَأَخَذَ وَرَقَةً فَكَتَبَ فِيهَا كِتَابَ اللّٰهِ، ثُمَّ أَدْخَلَهَا فِي قَرْنٍ، ثُمَّ عَلَّقَهَا فِي عُنُقِهِ، ثُمَّ لَبِسَ عَلَيْهَا الثِّيَابَ، ثُمَّ أَتَاهُمْ، فَعَرَضُوا عَلَيْهِ الكِتَابَ، فَقَالُوا: تُؤْمِنُ بِهَذَا ؟ فَأَشَارَ إِلَى صَدْرِهِ ـ يَعْنِي الكِتَابَ الذِي فِي القَرْنِ ـ فَقَالَ: آمَنْتُ بِهَذا، وَمَالِي لا أُؤْمِنُ بِهَذا ؟ فَخَلَّوا سَبِيلَهُ .

قَالَ: وَكَانَ لَهُ أَصْحَابٌ يَغْشُونَهُ فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الوَفَاةُ أَتَوهُ، فَلَمَّا نَزَعُوا ثِيَابَه وَجَدُوا القَرْنَ فِي جَوْفِهِ الكِتَابَ، فَقَالُوا: أَلا تَرَوْنَ إِلَى قَوْلِهِ: آمَنْتُ بِهَذا، وَمَالِي لا أُؤْمِنُ بِهَذا، فَإِنَّمَا عَنِيَ بِـ (هَذَا) هَذَا الكِتَابَ الَّذِي فِي القَرْنِ . قَالَ فَاخْتَلَفَ بَنُو إِسْرائِيلَ عَلَى بَضْعٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةٍ، خَيْرُ مِلَلِهِم أَصْحَابُ أَبِي القَرْنِ)

ترجمۃ الحدیث:

بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہؓ سے نقل کیا ہے کہ:

"بنی اسرائیل پر جب (کتاب نازل ہوئے) مدت دراز گذر گئی اور ان کے دل سخت ہوگئے تو انہوں نے اپنی جانب سے ایک کتاب گھڑلی اپنی خواہشاتِ نفسانی کے مطابق اور ان کی زبانوں پر اسے جاری کردیا اور حق بات ہمیشہ ان کے اور ان خواہشاتِ نفسانی کے درمیان دائر رہتی تھی یہاں تک کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔

پھر ان میں سے کسی نے کہا کہ: اس کتاب کو پوری بنی اسرائیل کی قوم کے سامنے پیش کرو' اگر وہ اس میں تمہاری اتباع کریں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور اگر مخالفت کریں تو انہیں قتل کردو۔ کسی نے کہا کہ: نہیں بلکہ ایسا کرو کہ اس کتاب کو فلاں عالم کے پاس بھیجو اگر اس نے اسے مان لیا اور تمہاری اتباع کرلی تو پھر اس کے بعد کوئی ہرگز اختلاف نہیں کرے گا تم سے"۔

چنانچہ انہوں نے اس عالم کو بلوایا (اس عالم کو غالباً اندازہ ہوگیا تھا) اس نے ایک کاغذ لیا اور اس میں کتاب اللہ (اپنی آسمانی کتاب) کو لکھا پھر اسے ایک سینگ میں داخل کیا اور اپنی گردن میں اسے لٹکالیا' اوپر سے کپڑے پہن لئے پھر قوم کے پاس آیا' انہوں نے اپنی من گھڑت کتاب اس کے سامنے پیش کر کے کہا کہ کیا تم اس پر ایمان لاتے ہو؟ اس عالم نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے کہا یعنی اس کتاب کی طرف جو سینگ میں بند سینہ پر لٹکی ہوئی تھی۔ اور کہنے لگا کہ میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر ایمان نہ لاؤں؟ انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔

اس کے کچھ ساتھی (شاگرد) وغیرہ تھے جو اسے گھیرے رہتے تھے' جب اس کی موت آئی تو وہ اس کے پاس آئے اور اس کے کپڑے اتارے تو انہیں ایک سینگ لٹکا ہوا ملا جس کے اندر کتاب رکھی ہوئی تھی۔ وہ کہنے لگے ارے تمہارا اس کے اس قول کے متعلق کیا خیال ہے جو اس نے کہا تھا کہ: میں "اس" پر ایمان لاتا ہوں اور مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر ایمان نہ لاؤں؟ تو اس نے "اس" سے یہ آسمانی کتاب مراد لی تھی جو سینگ میں رکھی ہوئی ہے۔

اس کے بعد بنو اسرائیل ستر سے زائد فرقوں میں بٹ گئے' ان تمام فرقوں میں سب سے بہتر فرقہ اس سینگ والے عالم کے ساتھی تھے"۔

تخریج الحدیث:

رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ ۲/۴۳۹۔

تشریح الحدیث

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں حق کو اپنی نازل کردہ کتاب میں وضاحتاً اور تفصیلاً فرمایا ہے۔ جب کوئی

قوم تباہی کے عمل سے دوچار ہوتی ہے تو اپنی ناپاک اغراض اور باطل خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کی راہ میں اپنی آسمانی کتاب کو رکاوٹ سمجھنے لگتی ہے اور اس کے واضح احکامات اس کے اوپر گراں گزرتے ہیں اور وہ اس کتاب کے احکامات میں ردّوبدل اور تحریف کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

بنی اسرائیل وہ قوم ہے جس نے قدم قدم پر حق تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی کی اور اس کے تمام تر انعامات کے باوجود ہمیشہ جب کوئی حکم اپنی منشاء کے خلاف پایا اسے ماننے سے انکار کیا۔

یہاں تک کہ جب ان کی نفسانی خواہشات زور پکڑ گئیں اور آسمانی کتاب کے نازل ہوئے مدتِ دراز گزر گئی اور ان کے دل سخت ہو گئے تو انہوں نے ایک نئی کتاب ایجاد کر لی اور من گھڑت احکامات پر مبنی اس کتاب کو اپنی نفسانی خواہشات اور ناپاک اغراض کیلئے استعمال کرنا چاہا' کتاب تو ایجاد کر لی مگر آسمانی کتاب کی موجودگی میں اس من گھڑت کتاب کو کیسے نافذ کیا جائے؟ یہ ایک اہم مسئلہ تھا مشورہ ہوا کہ کیا کیا جائے؟ کسی نے کہا کہ کتاب کو قوم کے سامنے پیش کر دو اگر وہ اسے تسلیم کر لیں تو ٹھیک ورنہ ان کی گردنیں مار دو۔ ایک نے کہا کہ اسکے بجائے یوں کرو کہ فلاں آدمی جو عالم ہے' اسکو بلاؤ اور اسکے سامنے کتاب پیش کرو۔ وہ چونکہ عالم ہے اور قوم میں اسے بڑا تسلیم کیا جاتا ہے لہٰذا وہ اگر مان لے تو سب اسکی پیروی کرتے ہوئے اسے تسلیم کر لیں گے اور وہ اگر انکار کر دے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

یہ تجویز مان لی گئی اور اس عالم کو بلوایا گیا' اس عالم کو کچھ اندازہ ہو گیا کہ اسے کیوں بلوایا جا رہا ہے۔ غالباً اپنی فراستِ ایمانی و بصیرتِ علمی سے یہ اندازہ ہوا ہو گا۔ اس نے جانے سے قبل اپنی آسمانی کتاب کو ایک کاغذ پر لکھا اور اسے ایک سینگ کے اندر بند کر دیا اور اس سینگ کو اپنے گلے میں لٹکا لیا اور کپڑے پہن لئے جس سے وہ سینگ چھپ گیا۔ جب وہ ان لوگوں کے پاس پہنچا تو انہوں نے اپنی من گھڑت کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا کہ تمہارا اس کتاب پر ایمان لانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اس عالم نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں (مراد اپنی آسمانی کتاب تھی جو گلے میں لٹکے ہوئے سینگ میں بند تھی) اور مجھے کیا ہو گیا کہ میں اس پر ایمان نہ رکھوں؟ وہ یہ سمجھے کہ ہماری من گھڑت کتاب پر ایمان کا اقرار کر رہا ہے لہٰذا اسے چھوڑ دیا۔

اس عالم کے کچھ شاگرد ہمیشہ اسکے ساتھ رہتے تھے' اس کے انتقال کے بعد جب شاگردوں نے اس کے کپڑے اتارے تجہیز و تکفین کیلئے تو دیکھا کہ گلے میں سینگ لٹکا ہوا ہے اور اس میں ان کی آسمانی کتاب ہے۔ تب وہ یہ سمجھے کہ اس عالم نے جو اس موقع پر ایمان لانے کا اقرار کیا تھا تو اس سے مراد من گھڑت اور خود ایجاد کردہ کتاب نہیں تھی بلکہ یہ آسمانی کتاب تھی۔

عبداللہؓ نے فرمایا کہ: اس کے بعد بنو اسرائیل ستر سے زائد فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ان میں سب سے بہتر فرقہ اس عالم کے شاگردوں اور ماننے والوں کا تھا جو یقیناً اس عالم کے اسی عمل کا اثر تھا۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ حدیث سے پہلا فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ آسمانی کتابوں کی تحریف کرنا اور ان کے احکامات میں تغیر و تبدل کرنا بد ترین جرم اور گناہِ کبیرہ ہے۔ بنو اسرائیل اور یہود کی یہ سرشت تھی کہ وہ احکاماتِ الٰہیہ میں تحریف کرتے تھے اور ان کے علماء و احبار بھی ان کے اس عمل میں شریک ہوتے تھے۔

دورِ حاضر میں بھی کچھ مغرب زدہ مسلمان جدید اسلامی فکر اور اسلامی احکامات کی تشکیل جدید کا نعرہ لگا کر قرآن کریم کے واضح اور غیر مبدل احکامات میں تاویل کر کے قرآن میں تحریف کرنے کی ناکام و نامراد جسارت کرتے ہیں۔ اگرچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے وعدۂ حفاظتِ قرآنی کی وجہ سے وہ اپنی ان ناپاک جسارتوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ ہر ہر فتنہ کے لئے علماء حقانی کی ایک جماعت کو اس کی سرکوبی کے لئے کھڑا کر دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور قرآن کے دائمی اور ابدی احکامات میں تحریف کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ در حقیقت بد ترین جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین

۲۔ ایک مسلمان کے لئے ایسی صورتحال میں کہ اسے جبراً اس کے دین و ایمان کے خلاف کوئی کفریہ بات کہنے پر مجبور کر دیا جائے اور نہ ماننے کی صورت میں جان کا واقعی خطرہ ہو تو "توریہ" کرنا یعنی ایسی بات کرنا کہ جس کا ظاہری مطلب مجبور کرنے والوں کے موافق ہو جب کہ کہنے والے کی مراد فی الحقیقت کچھ اور ہو جائز ہے، بلکہ بہتر ہے کیونکہ بلا ضرورت جان کو خطرہ میں ڈالنا بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اس عالم نے کیا کہ جو بات کہی اس کا ظاہری مطلب تو مخاطبین کی منشاء کے مطابق تھا لیکن حقیقی مطلب وہ تھا جو اس کی موت کے بعد ظاہر ہوا۔

ایسا ہی ایک واقعہ نجاشی شاہِ حبشہ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ مسلمانوں کی پہلی ہجرت حبشہ کے موقع پر وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آیا تھا پھر اس نے ایک تحریر لکھی جس میں اپنے اسلامی معتقدات لکھے اور اسے اپنے گلے میں لٹکا لیا۔

اس کی قوم کے لوگ جنہیں اس کے دین بدلنے کی خبر نے مشتعل کر دیا تھا اس پر حملہ آور ہوئے انہوں نے اس سے اپنے معتقدات کے متعلق دریافت کیا تو اس نے بھی اپنے سینہ کی طرف اشارہ کر کے یہی کہا کہ یہی اس کا دین ہے جس سے اس لٹکی ہوئی تحریر کی طرف اشارہ مقصود تھا۔

غرض اس طرح توریہ کرنا اور ذو معنی بات کر کے اپنی جان بچالینا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

۳۔ کسی بھی درجہ میں نیکی کرنا انسان کے لئے فائدہ سے کسی حال میں خالی نہیں ہوتا اور وہ نیکی انسان کے لئے کسی نہ کسی اعتبار سے فائدہ مند ضرور ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے تہتر فرقوں میں سب سے بہترین فرقہ اس عالم کے شاگردوں اور متبعین کا تھا۔ اور یہ اثر

تھا اس عالم کے خود ساختہ من گھڑت کتاب کو تسلیم نہ کرنے کا جو اگرچہ خفیہ رہا لیکن پھر بھی اس کا فائدہ اس عالم کے شاگردوں اور پیر کاروں کو حاصل ہوا۔

لہٰذا اس سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ کسی نیکی کو ہلکا سمجھ کر ترک نہیں کرنا چاہئے کسی وقت کی معمولی سی نیکی بعض اوقات بڑے فوائد کا سبب بن جاتی ہے۔

۴۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کا ستر سے زائد فرقوں میں بٹ جانا احکاماتِ الٰہیہ بالخصوص کتاب اللہ کے احکامات میں تحریف وتاویل کرنے اور مَن چاہی باتوں کو شریعت کے احکامات کا روپ دینے کی بناء پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی وجہ سے انہیں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

معلوم ہوا کہ امتِ محمدیہ کے لئے بھی مذکورہ بالا باتیں جرم اور گناہ ہیں اور اس کی نحوست کی وجہ سے آج امت میں تفریق وانتشار ہے اور فرقہ واریت کا عفریت پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ اور اس سے بچنے کا واحد علاج پوری امت کا قرآن حکیم کے واضح احکامات کو من وعن دل وجان سے تسلیم کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

چالیس واں قصہ ﴿۴۰﴾

مشاطہ بنت فرعون...... میرا اور تمہارا رب اللہ ہے

تمہید

گھٹاٹوپ تاریکی میں کہیں نہ کہیں روشنی کی کرن موجود ہوتی ہے' کفر کی ظلمت کے ماحول میں کہیں نہ کہیں کسی دل میں ایمان کی چنگاری بھی موجود ہوتی ہے' بڑے بڑے طاقتوروں کی موجودگی کے باوجود بعض اوقات ایک کمزور سی ہستی بھی کفر کے ایوانوں میں لرزہ پیدا کردیتی ہے۔ ایک ایسی پاکباز خاتون کا دردانگیز قصہ عبرت جس نے اپنے آپ اور اپنے کم سن بچوں کو آخرت کی آگ سے بچانے کے لئے دنیا کی آگ میں قربان کردیا۔

نص الحدیث:

روى أحمد في مسنده، عن عبدالله بن عباس رضي الله عنهما، قال: قال رَسُولُ اللهِ ﷺ: (لَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِي أُسْرِيَ بِي فِيهَا أَتَتْ عَلَيَّ رَائِحَةٌ طَيِّبَةٌ، فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ، مَا هَذِهِ الرَّائِحَةُ الطَّيِّبَةُ؟ فَقَالَ: هَذِهِ رَائِحَةُ مَاشِطَةِ ابْنَةِ فِرْعَوْنَ وَأَوْلادِهَا. قَالَ: قُلْتُ: وَمَا شَأْنُهَا؟ قَالَ: بَيْنَا هِيَ تُمَشِّطُ ابْنَةَ فِرْعَوْنَ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ سَقَطَتِ الْمِدْرَى مِنْ يَدَيْهَا، فَقَالَتْ: بِسْمِ اللهِ، فَقَالَتْ لَهَا ابْنَةُ فِرْعَوْنَ: أَبِي؟ قَالَتْ: لا، وَلَكِنْ رَبِّي وَرَبُّ أَبِيكِ اللهُ، قَالَتْ: أُخْبِرُهُ بِذَلِكَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، فَأَخْبَرَتْهُ، فَدَعَاهَا، فَقَالَ: يَا فُلانَةُ، وَإِنَّ لَكِ رَبًّا غَيْرِي؟ قَالَتْ: نَعَمْ، رَبِّي وَرَبُّكَ اللهُ، فَأَمَرَ بِبَقَرَةٍ مِنْ نُحَاسٍ، فَأُحْمِيَتْ، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا أَنْ تُلْقَى هِيَ وَأَوْلادُهَا فِيهَا، قَالَتْ لَهُ: إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً، قَالَ: وَمَا حَاجَتُكِ؟ قَالَتْ: أُحِبُّ أَنْ تَجْمَعَ عِظَامِي وَعِظَامَ وَلَدِي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ، وَتَدْفِنَنَا، قَالَ: ذَلِكَ لَكِ عَلَيْنَا مِنَ الْحَقِّ.

قَالَ: فَأَمَرَ بِأَوْلادِهَا فَأُلْقُوا بَيْنَ يَدَيْهَا وَاحِدًا وَاحِدًا إِلَى أَنِ انْتَهَى ذَلِكَ إِلَى صَبِيٍّ لَهَا مُرْضَعٍ، وَكَأَنَّهَا تَقَاعَسَتْ مِنْ أَجْلِهِ، قَالَ: يَا أُمَّهْ، اقْتَحِمِي فَإِنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الآخِرَةِ فَاقْتَحَمَتْ).

قَالَ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تَكَلَّمَ أَرْبَعَةٌ صِغَارٌ: عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عليه السلام، وَصَاحِبُ جُرَيْجٍ، وَشَاهِدُ يُوسُفَ، وَابْنُ مَاشِطَةِ ابْنَةِ فِرْعَوْنَ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"معراج کی رات جب مجھے آسمانوں پر لیجایا جارہا تھا تو مجھے ایک پاکیزہ خوشبو محسوس ہوئی' میں نے کہا کہ اے جبرئیل! یہ پاکیزہ خوشبو کیسی ہے؟ فرمانے لگے کہ یہ پاکیزہ خوشبو فرعون کی بیٹی کی مشاطہ (سنگھار کرنے والی عورت) اور اس کے بچوں کی خوشبو ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا کیا معاملہ ہے؟ فرمانے لگے کہ: ایک روز وہ حسبِ معمول فرعون کی بیٹی کا سنگھار کر رہی تھی کہ اچانک اس کے ہاتھوں سے بالوں کو سنوارنے والا برش گر گیا۔ اس نے (اسے اٹھاتے ہوئے) کہا بسم اللہ! فرعون کی بیٹی نے کہا کہ اللہ سے مراد میرا باپ ہے؟ اس نے کہا نہیں' لیکن میرا اور تمہارے باپ دونوں کا رب اللہ ہی ہے۔ بیٹی کہنے لگی کہ میں یہ بات اسے (فرعون کو) بتاؤں؟ اس نے کہا ہاں! اس نے بتادیا۔ فرعون نے اسے بلایا اور کہا کہ اے فلاں عورت! کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے کہا ہاں میرا اور تمہارا دونوں کا رب اللہ ہے۔

فرعون نے (یہ سن کر) پیتل کی ایک گائے کے متعلق حکم دیا کہ اسے آگ میں تپایا جائے' چنانچہ اس کو تپایا گیا اور اس کے ذریعہ آگ بھڑکائی گئی۔ پھر اس عورت اور اس کے بچوں کو اس میں ڈالنے کا حکم دیا۔ اس نے کہا کہ مجھے آپ سے ایک کام ہے؟ اس نے کہا کیا کام ہے؟ کہنے لگی کہ میں چاہتی ہوں کہ (جلنے مرنے کے بعد) میری اور میرے بچوں کی ہڈیاں ایک ہی کپڑے میں جمع کر دی جائیں اور ہمیں دفن کر دیا جائے۔ کہنے لگا کہ: ہاں یہ تمہارا ہم پر حق رہا۔

چنانچہ فرعون نے اسکے بچوں کو پہلے ڈالنے کا حکم دیا اور ایک ایک کر کے بچوں کو اس آگ میں اس عورت کے سامنے ڈالا جاتا رہا' یہاں تک کہ بات جب اسکی گود کے آخری اور دودھ پیتے بچے پر پہنچی تو ماں گویا ذرا ہچکچائی اسکی معصومیت کی وجہ سے تو وہ دودھ پیتا بچہ فوراً پکار اٹھا کہ اے ماں! اس آگ میں کود پڑ! اسلئے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے' چنانچہ وہ آگ میں کود پڑی"۔

ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ:

"چار (نومولود) بچوں نے کلام کیا ہے۔ عیسٰی بن مریم علیہ السلام نے' جریج عابد کے متہم بچہ نے (اس کا قصہ پیچھے گذر چکا ہے) یوسف علیہ السلام کے گواہ نے (جو ایک دودھ پیتا بچہ تھا اور ان کی پاکبازی کی گواہی دینے کے لئے اللہ نے اسے قدرتِ کلام عطا کر دی تھی' اس کا قصہ قرآن کریم میں سورۂ یوسف میں مذکور ہے) اور فرعون کی بیٹی کی مشاطہ کے بیٹے نے"۔

تخریج الحدیث:

مسند امام احمد بن حنبلؒ عن ابنِ عباسؓ ۳۰۹/۳

قال الہیثمی فی الزوائد: رواہ احمد والبزار والطبرانی فی الکبیر والأوسط۔ ۶۵/۱

تشریح الحدیث

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قصہ کا علم معراج کی رات میں آسمانوں پر حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ہوا جب آپؐ نے ایک خوشبو محسوس کی اور اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ خوشبو فرعون کی بیٹی کی مشاطہ (بناؤ سنگھار کرنے والی) اور اس کی اولاد کے جسموں کی ہے۔ اور اس کا مفصل واقعہ حضرت جبرئیلؑ نے حضور علیہ السلام کو سنایا۔

شاہی محل کے ملازمین بھی کمتر نہیں ہوتے بلکہ شاہانہ اعزاز واکرام والے ہوتے ہیں، پھر ایک ایسی خاتون جو نہ صرف شاہی ملازمہ تھی بلکہ شہزادی کے بناؤ سنگھار کی ذمہ دار تھی اور اس کے حُسن کو بڑھانے اور اسے سجانے سنوارنے کا اہتمام کرتی تھی اس شاہی قرب کی وجہ سے ایک منفرد مقام رکھتی تھی۔ فرعون جیسا خدائی دعویٰ کرنے والا اور ہزاروں بنی اسرائیلی بچوں کا قاتل اس کا آقا تھا۔ چاروں جانب کفر وشرک کے جھنڈے گڑے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کفر وشرک کے مرکزوں اور بت پرستی کے بتکدوں میں صاحبِ ایمان کو پیدا کر کے اپنی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا اظہار فرماتے ہیں۔ شاہی مشاطہ کے دل میں اللہ نے ایمان کی روشنی پیدا کر دی اور وہ کفر وشرک کے ظلمت کردہ میں اپنے ایمان کو سینہ سے لگائے چھپائے محفوظ رکھتی رہی اور شاہی ذمہ داری ادا کرتی رہی۔

لیکن ایمان کی یہ چنگاری ایسی ہوتی ہے کہ بجھائے نہیں بجھتی بلکہ کبھی نہ کبھی بھڑک ہی اٹھتی ہے۔ یہ وہ مشک ہے کہ ہزار پردوں میں چھپانے کے باوجود اپنی خوشبو پھیلا کر رہتی ہے۔ مشاطہ شاہی کی ایمانی مشک بھی اپنی خوشبو ظاہر کر کے رہی، جس کا سبب یہ ہوا کہ ایک بار شہزادی کے سنگھار کے دوران بالوں کو درست کرنے والا برش اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس کے منہ سے بے اختیار بسم اللہ کا کلمہ نکل گیا۔ شہزادی نے جو یہ کلمہ سنا تو حیران رہ گئی اور پوچھا کہ اللہ سے مراد میرا باپ ہے؟ ایمان کا نشہ دو آتشہ ہو چکا تھا، اب چھپانا ممکن نہ تھا فوراً کہنے لگی کہ:

"نہیں! اللہ تو وہ ہے جو میرا اور تمہارے باپ کا (سب کا) رب ہے"۔

بنتِ فرعون کہنے لگی کہ میں اس بات کا تذکرہ اپنے باپ سے کروں گی کہ تو میرے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا اللہ اور رب تسلیم کرتی ہے، اس صاحبہ ایمان نے کہا کہ ضرور بتلایئے، چنانچہ اس نے فرعون کو بتلادیا کہ مشاطہ نے کسی اور کو اپنا رب تسلیم کر لیا ہے، فرعون کی نظر میں یہ ناقابلِ معافی جرم تھا کہ کوئی دوسرا نہیں اسکی ملازمہ، اسکی نمک خوار اور ایک کمزور سی عورت اسے رب نہ تسلیم کرے۔

اب ایمان والی بندی کی آزمائش کا وہ کڑا دور شروع ہوا کہ جہاں اچھے اچھوں کا جگر پانی ہو جاتا ہے اور جہاں بڑے سے بڑا ثابت قدم بھی راہِ استقامت سے ڈگمگا جاتا ہے، آزمائش کی جس بھٹی میں اسے

ڈالا جانا تھا اس میں پورا اترنے والے کے لئے ثابت قدم کے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں کہتے ہیں کہ انسان کو سب سے زیادہ اپنی جان پیاری ہوتی ہے۔ لیکن ماں کے متعلق یہ مفروضہ غلط ثابت ہوتا ہے۔ ماں کائنات کی وہ ہستی ہے جو خالقِ کائنات کے بعد سب سے زیادہ مہربان ہوتی ہے۔ ممتا کا جذبہ انسانوں ہی میں نہیں جانوروں میں بھی بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔

یہاں ایک صاحبہ ایمان کو جان کی بازی لگانے کی آزمائش ہی درپیش نہیں تھی' اپنی تخلیق' اپنے جگر گوشوں کو بھڑکتی آتش کے سپرد کرنے کا کوہ گراں درپیش تھا۔ اولاد کے بغیر ماں کی زندگی بے معنی ہوتی ہے لیکن خود اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کو بھڑکتی آگ میں ڈالنا جان جوکھوں کا کام تھا۔ فرعون نے اس کمزور و بے سہارا عورت کو "جرمِ ایمان" کا مزہ چکھانے کے لئے عذاب دینے کا ارادہ کیا اور گائے کی شکل کا ایک بڑا کڑھاؤ منگوایا اور اس کے نیچے آگ بھڑکائی اور جب وہ تپ تپ کر دہکتا ہوا تندور بن گیا تو اس عورت کو اس کے بچوں سمیت اس میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔

چشمِ فلک نے یہ اندوہناک نظارہ دیکھا' انسانیت کو شرم آئی مگر بہیمیت ننگا ناچ ناچتی رہی' طاقت واقتدار کے نشہ میں بدمست کمزور عورت کے جرم ایمان کا امتحان لیتے رہے۔ ہاں ایمان آزمائش کا ہی دوسرا نام ہے' یہ وہ شہادت گاہ الفت ہے جس میں پڑنے والا ہر قدم نت نئی آزمائشوں کے در وا کرتا ہے۔ قرآن کریم اس حقیقت کو دوٹوک اور واشگاف الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

الٓمٓ، أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُم لا يُفتَنُون ٥ولَقَد فَتَنَّا الَّذينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيعلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذين صَدَقُوا وليَعلَمَنَّ الكاذبين۔ (العنکبوت)

"کیا یہ سمجھتے ہیں کہ لوگ کہ اتنا کہہ کر ہم ایمان لائے' چھوٹ جائیں گے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ اور بلاشبہ ہم نے ان سے پہلوں کو بھی آزمایا ہے' سو اللہ ضرور معلوم کرے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں (ایمان کے دعویٰ میں) اور البتہ ضرور معلوم کرے گا جھوٹے دعویٰ کرنے والوں کو"۔

زبان سے ایمان کا اقرار کرنا کچھ سہل نہیں' ایمان کے دعویٰ کو آزمائش کی بھٹی میں گزارا جائے گا اور پرکھا جائے گا کون سچا ہے کون جھوٹا؟ حدیث میں ہے کہ سب سے سخت امتحان انبیاءؑ کا ہوتا ہے' پھر صالحین کا' پھر درجہ' بدرجہ ان لوگون کا جو اُن جیسے ہوں۔

ایمان کا امتحان انسان کی دینی حیثیت کے موافق ہوتا ہے جو جتنا زیادہ دیندار ہے اتنا ہی آزمائش کے لئے تیار رہے' دعویٰ تو آسان ہے' اس پر استقامت کے ساتھ پورا اترنا کارے دارد ہے ؎

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

قرنِ اوّل میں جب کوئی کلمۂ توحید لا إلٰہ إلا اللّٰہ کا اقرار کرتا تو گویا خاندان' برادری' قبیلہ سب سے دشمنی مول لے لیتا تمام محبتیں یکلخت بدترین نفرتوں میں تبدیل ہو جاتی تھیں اور چار جانب سے

مصائب ایسے ٹوٹتے کہ زندگی مصائب و مشکلات کا کوہِ گراں بن جاتی تھی۔ ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لاالٰہ را

مگر آزمائشوں کی یہی بھٹیاں کسی کو خلیل اللہ بناتیں اور کسی کو ذبیح اللہ کا مقام عطا کرتیں کوئی روح اللہ اور مسیح اللہ کے منصب سے سرفراز ہوتا تو کسی کو محمد الرسول اللہ ﷺ بنا کر صاحبِ قاب قوسین کے منصب سے مشرف کرتیں' کوئی صدیقیت سے سرفراز ہوتا تو کوئی نبی کی زبان صداقت ماب سے جنت کی بشارت سنتا' ایمان کی تاریخ ایسی ہی بے خوف و پاکباز ہستیوں کے کارناموں سے بھری پڑی ہے۔

اس صاحبِ ایمان و کردار مشاطہ کی یہ آزمائش بڑی کڑی تھی' موت کی ایسی گھاٹی تھی جہاں زیست ذرا سی مصلحت...... ؟ حکمت...... ؟ کے غلافوں اور لبادوں میں اپنی تمامتر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی لیکن وہاں کلمۂ حق بلند کرنا' توحید کا نعرۂ مستانہ پوری بلند آہنگی کے ساتھ لگانا ضروری تھا' کفر پر کاری ضرب لگانی تھی' بتکدوں میں ایمان کا زمزمہ بلند کرنا تھا۔ مئے توحید کا نشہ ایسا نہ تھا کہ بھڑکتی دہکتی آگ اور انگارہ تندور کو دیکھ کر ہرن ہو جاتا یہ تو وہ نشہ تھا جو راحت و آرام کی پر آسائش زندگی کو ٹھکرانے کا حوصلہ عطا کرتا تھا' جو ایک کمزور و بے آسرا خاتون کو وقت کے سب سے بڑے جابر کو للکارنے کی ہمت عطا کرتا تھا۔

آزمائش کا پہلا مرحلہ...... فرعون کے سامنے پیشی ہوئی' اور پوچھا گیا کہ اے فلاں عورت! کیا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے؟ اب ایک راستہ تو مصلحت کوشی کا تھا جو بظاہر عین تقاضائے حکمت تھا' عقل و دانش کے مطابق تھا' کم سن بچوں کی معصوم صورتیں ماں کے سامنے تھیں اور اپنا اور ان معصوم پھولوں کا انجام بھی سامنے تھے۔ کوئی سہارا نہیں سوائے اللہ کے سہارے کے۔ کوئی مددگار نہیں سوائے اللہ کے۔ اگر کوئی تاویل کر کے ایمان چھپالیا جاتا تو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن شاید ایمان کی تاریخ اتنی تابناک نہ ہوتی۔ اس پاکباز خاتون کے پیشِ نظر تو صرف یہ بات تھی کہ ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

چنانچہ دوٹوک اور کھرا جواب تھا کہ: "ہاں! تیرا اور میرا رب اللہ ہے"۔ لاالٰہ الااللہ۔ ؎

میں بیگانہ ہو کر ہر ایک ماسوا سے
بس اک آشنا کی وفاؤں میں گم ہوں

سب سے رشتہ توڑا' ایک سے رشتہ جوڑا' سب کی نفی صرف ایک کا اثبات' وہی رب ہے' وہی تنہا مالک ہے۔ خالق ہے رازق ہے' لاالٰہ الااللہ۔

آزمائش کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور حکم شاہی صادر ہوتا ہے کہ اسے بچوں سمیت اس دہکتے تندور میں جھونک دیا جائے' آخر کس جرم میں؟ جرمِ ایمان میں! وہ پاکباز خاتون کہتی ہے کہ میری ایک خواہش ہے' پوچھا کہ کیا؟ کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ ہمارے جل مرنے کے بعد ہماری ہڈیاں جمع کر کے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دی جائیں (تاکہ کل قیامت میں انہی جلی ہوئی ہڈیوں کیساتھ اٹھوں اور بارگاہِ الٰہی میں اپنی اس قربانی کی شہادت پیش کر سکوں) فرعون کہنے لگا کہ ہاں یہ تمہارا حق ہے ہم پر۔

آزمائش کا تیسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور ایک ایک کر کے سب بچے دہکتے تندور میں ڈال دیئے جاتے ہیں' یہ پیکرِ استقامت اپنے جگر گوشوں کو جلتے اور بھنتے اور ان کی ہڈیاں چٹختے دیکھتی ہے۔ الٰہی تو گواہ رہنا۔ لا إلٰہ إلا اللہ۔

آزمائش کا نازک ترین لمحہ آتا ہے' سینہ سے لگا نومولود دودھ پیتا معصوم پھول ماں سمیت آگ میں پھینکا جا رہا ہے۔ ماں کے قدم ذرا رکتے ہیں' ایک زنجیر قدموں میں آ پڑتی ہے اور ممکن ہے کہ اس جاں گسل آزمائش کی تکمیل میں کوتاہی ہو جائے اور اس معصوم کی وجہ سے ماں کے قدم ڈگمگا جائیں اچانک نومولود کی زبان میں حرکت ہوتی ہے اور وہ ماں کو پکار کر کہتا ہے:

"اے ماں! آگ میں کود کر جل جا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے"۔

اور تکمیلِ آزمائش کا لمحہ آجاتا ہے' امتحان پورا ہو جاتا ہے' دعویٰ سچا ہو جاتا ہے' ایمان اسی کا نام ہے' توحید اسی کو کہتے ہیں' عزم و ہمت' حوصلہ و استقامت' بے خوفی اور حق گوئی کے اس اظہار کو ہی ایمان کہا جاتا ہے اور اسی کا نام عشق ہے یہ عشق ہی ایمان ہے اسکے بغیر ایمان کے احکامات پر عمل ناممکن ہے۔

؎ عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

چند عبرت و نصائح

۱۔ حدیث کا پہلا اور بنیادی سبق تو یہی ہے کہ ایمان درحقیقت آزمائشوں کی کٹھالی کا نام ہے۔ بغیر آزمائش کے ایمان مکمل نہیں ہوتا اور آزمائشیں بہت کڑی اور سخت ہوا کرتی تھیں۔ امم سابقہ اور قدیم انبیاء علیہم السلام کے حالات اس پر شاہد عدل ہیں۔

دورِ جدید میں آزمائشوں کا وہ کڑا سلسلہ تو نہیں جو جسم و جاں پر آتی تھیں اور یہ محض اللہ رب العزت کا امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام پر خاص کرم و احسان ہے' البتہ آزمائشوں کی نوعیت اب مختلف ہے۔ اس دور کی سب سے بڑی آزمائش گناہ و معصیت کے ماحول میں چار اطراف سے گھرے ہونے کے باوجود ایمان اور اس کے احکامات پر ثابت قدمی اور اولوالعزمی کے ساتھ جمنا سب سے بڑا مجاہدہ اور سب سے بڑی آزمائش ہے۔

بہر حال آزمائش ہر دور میں رہی اور رہے گی خواہ اس کی نوعیت مختلف ہو جائے۔ اور یہ در حقیقت اہلِ ایمان کی فکر و نظر کو پختہ کرنے' صیقل کرنے اور کندن بنانے کیلئے ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں درجات بلند ہوتے' معاصی دھلتے اور انعامات عطا ہوتے ہیں۔

۲۔ دورِ قدیم میں مذہبی تعذیب حکومتوں کا ایک اہم حربہ تھا کسی کو اپنی راہ پر لانے کا اور اس ضمن میں بدترین جرم کا ارتکاب کرنا اور انسانیت سوز عذاب دینا ان لوگوں کیلئے چنداں مشکل نہ تھا۔ نجانے کتنے بے گناہ انسان اس مذہبی تعذیب کی بھینٹ چڑھے اور ان گنت لوگ جانیں گنوا بیٹھے۔ دورِ جدید میں بھی جرمِ ایمان پر تعذیب کا یہ عفریت مسلمانوں کی اجتماعی نسل کشی کی صورت میں رائج ہے' آج عالمِ کفر دنیا کے متعدد خطوں کو صرف مسلمان ہونے اور اسلام کا دعویٰ کرنے کی پاداش میں بدترین عذاب سے دوچار کر رہا ہے' پہلے بوسنیا پھر کسووا اور اب چیچنیا اسکی واضح مثالیں ہیں۔

۳۔ آزمائشوں کی بھٹی سے گذر کر اہلِ ایمان کو جو مدارج و مقامات عالیہ نصیب ہوتے ہیں' حدیث میں ان کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ ملتا ہے' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پاکباز خاتون اور اس کی اولاد کی خوشبو آسمانوں میں محسوس فرمائی' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اولو العزم بندوں کا اکرام ہے جنہوں نے اپنی جانیں اس کی راہ میں قربان کر دیں۔

۴۔ حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کفر و شرک اور گمراہی و نافرمانی وہ اعمال ہیں جو انسان کو اعلیٰ انسانی اقدار و صفات سے بھی محروم کر دیتے ہیں اور اس کے اندر سے رحم' ہمدردی' اخوت و محبت کے جذبات ختم کر کے فرعونیت' بہیمیت اور سفاکی و بربریت کے جذبات پیدا کر دیتے ہیں جیسا کہ فرعون کے اس عمل سے ظاہر ہے۔

۴۔ جب ایمان کو ظاہر کرنا اور کلمۂ توحید کا برملا اقرار کرنا تکالیف کے صبر آزما مرحلہ کو دعوت دینے کے مترادف ہو اور بدترین مصائب کے دروازے کھولتا ہو تو اگرچہ ایمان کو ظاہر نہ کرنا اور خفیہ رکھنا جب کہ دل ایمان کی حقانیت پر قائم ہو' جائز ہے لیکن یہ اصحابِ عزیمت کا طریقہ نہیں۔ ایسے مواقع میں برملا توحید کا اقرار کفر کے ایوانوں پر لرزہ طاری کرتا ہے اور ایمان کی شمع کو روشن کرتا ہے اور یہی اصحاب عزیمت کا کردار ہوتا ہے۔

۵۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ روئے زمین پر کل چار بچوں نے نومولود ہونے کی حالت میں گفتگو کی ہے۔ ان میں سے تین بچوں کا قصہ تو اسی کتاب میں دو مختلف واقعات میں گذر چکا ہے' ایک تو حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ تھے' جنکا واقعہ قرآن کریم کے اندر سورۂ مریم میں مذکور ہے۔

دوسرے جریج عابد کے واقعہ میں وہ بچہ تھا جس کی وجہ سے جریج پر تہمت لگائی گئی اور اس بچہ نے حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے جریج کو تہمت سے پاک کیا۔

تیسرا وہ بچہ جس نے اپنی ماں کی دعا کے برخلاف دعا کی تھی (اس کا تفصیلی واقعہ بھی گذر چکا ہے)
اور چوتھا یہ بچہ جس کا ذکر مذکورہ قصہ میں ہے۔

اس کے علاوہ بھی دو بچوں کے متعلق نومولود ہونے کی حالت میں عاقلانہ گفتگو کا ذکر آتا ہے۔
ایک تو یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کی شہادت دینے والے بچہ کا جس کا واقعہ سورۂ یوسف میں مذکور ہے اور دوسرے اصحاب الأخدود کے واقعہ میں نومولود کا ہے اور اس کے واقعہ کی طرف قرآن کریم کی سورۃ البروج میں مختصر الفاظ میں اشارہ ہے اور اگلے صفحات میں اس کا تفصیلی واقعہ آرہا ہے۔

(تفسیر عثمانی ۱/۷۶۹۔پ ۳۰ سورۃ البروج)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کل چھ بچوں نے گہوارہ میں دانشمندانہ گفتگو کی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ ہے۔ واللہ اعلم

اکتالیسواں واں قصہ ﴿۴۱﴾

مجھے عزیز میری فقیری ہے

تمہید

بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کا قصہ جسے اس کی قوم نے کرسی اقتدار پر بٹھایا تھا' مگر وہ آخرت کی فکر اور اللہ کے خوف سے کانپتا رہتا تھا۔ سلطنت کے جھمیلوں نے اسے کرسی اقتدار پر بھی سکون نہ بخشا کہ سکون واطمینان تو فقط اللہ کی یاد میں ہے۔ اور وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر محنت مزدوری کرنے لگا۔

نص الحدیث:

روى أحمد عَن عبدالله بن مسعود، عن النبي ﷺ، قال: « إنَّ بنِي إسْرَائِيلَ اسْتَخْلَفُوا خليفةً عَلَيْهِمْ بَعْدَ موسَى ﷺ فَقَامَ يُصَلِّي لَيْلَةً فوْقَ بيْت المقْدسِ فِي القمر، فَذَكَرَ أُموراً كَانَ صَنَعَهَا، فَتَدَلَّى بِسَبَبٍ، فأصْبَحَ السبب مُعَلَّقاً فِي المَسْجد، وَقدْ ذَهَبَ.

قال: فَانْطَلَقَ حَتَّى أَتى قَوْماً عَلَى شَطِّ البَحْرِ، فَوَجَدَهُمْ يَضْرِبون لَبِنًا، أَوْ يَصْنَعُون لِبْنًا، فَسأَلَهُمْ: كَيْف تَأْخُذُونَ عَلَى هَذَا اللَّبْنِ؟ قَالَ: فَأخبرُوه، فَلَبَّنَ مَعهمْ، فكَانَ يأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِه، فإذا كان حَينَ الصَّلاةِ قَامَ يُصَلِّي، فرفَعَ ذَلكَ العُمَّالُ إلى دَهْقَانهمْ؛ أنَّ فِينا رَجُلاً يَفْعَلُ كَذا وَكَذا، فأرسَلَ إلَيْه فأبَىَ أنْ يأتيه، ثلاثَ مرَّاتٍ، ثُمّ إنَّهُ جاء يَسيرُ عَلَى دابَّتِهِ.

فَلَمَّا رَآهُ فَرَّ، فَاتَّبعهُ فَسبَقَهُ، فَقَالَ: انظُرْنِي أكَلِّمكَ، قَالَ: فَقَامَ حتَّى كَلَّمَهُ، فأخْبرهُ خبَره، فَلَمَّا أخبرَهُ أنّه كَانَ ملِكاً، وَأنّه فرَّ مِنَ رهبة رَبِّهِ، قَالَ إنيَ لأظُنّنِي لاحقٌ بكَ، قَالَ: فَاتَّبعهُ، فعَبَدَا اللَّهَ، حَتَّى مَاتَا برُمَيْلَةِ مِصْرَ، قَالَ عَبْدُاللهِ لَوْ أنّي كُنْتُ ثَمَّ لاهتَديتُ إلِى قبرِهما بِصِفةِ رسُول اللهِ ﷺ التي وَصَفَ لنا ».

وجاء في رواية في مسند الإمام أحمد: (بَيْنَمَا رَجُلٌ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ فِي مَمْلَكَتِهِ.

فَتَفكَّرَ فَعَلِمَ أنَّ ذَلِكَ مُنْقَطِعٌ عَنْهُ، وَأنَّ مَا هُوَ فِيهِ قَدْ شَغَلَهُ عَنْ عِبَادَةِ رَبِّهِ، فَتَسَرَّبَ فَانْسَابَ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِنْ قَصْرِهِ، فَأصْبَحَ فِي مَمْلَكَةِ غَيْرِه، وَأتَى سَاحِلَ

الْبَحْرِ، وَكَانَ بِهِ يَضْرِبُ اللَّبِنَ بِالأَجْرِ فَيَأْكُلُ وَيَتَصَدَّقُ بِالْفَضْلِ، فَلَمْ يَزَلْ كَذَلِكَ حَتَّى رَقِيَ أَمْرُهُ إِلَى مَلِكِهِمْ وَعِبَادَتُهُ وَفَضْلُهُ.

فَأَرْسَلَ مَلِكُهُمْ إِلَيْهِ أَنْ يَأْتِيَهُ فَأَبَى أَنْ يَأْتِيَهُ، فَأَعَادَ ثُمَّ أَعَادَ إِلَيْهِ فَأَبَى أَنْ يَأْتِيَهُ وَقَالَ: مَا لَهُ وَمَا لِي، قَالَ: فَرَكِبَ الْمَلِكُ، فَلَمَّا رَآهُ الرَّجُلُ وَلَّى هَارِبًا، فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ الْمَلِكُ رَكَضَ فِي أَثَرِهِ فَلَمْ يُدْرِكْهُ.

قَالَ: فَنَادَاهُ يَا عَبْدَ اللّهِ، إِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنِّي بَأْسٌ، فَأَقَامَ حَتَّى أَدْرَكَهُ، فَقَالَ لَهُ: مَنْ أَنْتَ رَحِمَكَ اللّهُ، قَالَ: أَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانِ صَاحِبُ مُلْكِ كَذَا وَكَذَا، تَفَكَّرْتُ فِي أَمْرِي، فَعَلِمْتُ أَنَّ مَا أَنَا فِيهِ مُنْقَطِعٌ، فَإِنَّهُ قَدْ شَغَلَنِي عَنْ عِبَادَةِ رَبِّي، فَتَرَكْتُهُ وَجِئْتُ هَاهُنَا أَعْبُدُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ.

فَقَالَ: مَا أَنْتَ بِأَحْوَجَ إِلَى مَا صَنَعْتَ مِنِّي، قَالَ: ثُمَّ نَزَلَ عَنْ دَابَّتِهِ فَسَيَّبَهَا، ثُمَّ تَبِعَهُ، فَكَانَا جَمِيعًا يَعْبُدَانِ اللّهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَدَعَوَا اللّهَ أَنْ يُمِيتَهُمَا جَمِيعًا).

قَالَ: فَمَاتَا، قَالَ: لَوْ كُنْتُ بِرُمَيْلَةِ مِصْرَ لَأَرَيْتُكُمْ قُبُورَهُمَا بِالنَّعْتِ الَّذِي نَعَتَ لَنَا رَسُولُ اللّهِ ﷺ ».

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے نائب کے طور پر ایک شخص کو اپنا خلیفہ اور حاکم بنایا۔ ایک رات چاندنی میں وہ بیت المقدس کی چھت پر نماز پڑھ رہے تھے' انہوں نے کچھ معاملات جو انہوں نے کئے تھے یاد کئے تو وہ ایک رسی لٹکا کر نیچے اتر گئے اور رسی مسجد میں ہی لٹکی ہوئی رہ گئی اور خود کہیں چلے گئے۔

پھر وہ چلتے چلتے ساحلِ سمندر پر ایک قوم کے پاس پہنچے تو انہیں دیکھا کہ دودھ دوہتے ہیں یا فرمایا کہ اینٹیں بناتے ہیں۔ انہوں نے ان سے سوال کیا کہ تم یہ اینٹیں کیسے بناتے ہو؟ چنانچہ انہوں نے انہیں بتلادیا۔ وہ انہی کے ساتھ رہ کر اینٹیں بنانے کا کام کرنے لگے۔

چنانچہ وہ اپنے ہاتھ کی محنت کی کمائی کھاتے تھے اور جب نماز کا وقت آتا سب کام چھوڑ کر نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

ان کے اس معمول کی خبر ان مزدوروں نے اپنے سردار کو دے دی کہ ہمارے درمیان ایک آدمی ہے جو اس طرح کا معمول رکھتا ہے۔ اس نے ان کو بلوا بھیجا لیکن انہوں نے سردار کے پاس

جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے تین بار بلایا مگر تینوں بار انہوں نے انکار کر دیا۔

بالآخر وہ سردار خود سواری پر سوار ہو کر ان کے پاس آگیا۔

جب انہوں نے سردار کو دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے' اس نے ان کا پیچھا کیا اور ان سے آگے نکل گیا اور ان سے کہا کہ مجھے مہلت دو میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ رک گئے یہاں تک کہ ان سے بات کرلی اور اپنا سارا واقعہ اسے بتلا دیا۔ جب اسے یہ بتلایا کہ وہ بادشاہ تھے اور اپنے رب کے خوف سے بادشاہت سے راہ فرار اختیار کرلی تو سردار کہنے لگا کہ میرا خیال ہے کہ میں بھی تم سے آملوں گا۔ چنانچہ وہ سردار بھی انہی کے پیچھے ہولیا اور پھر دونوں ساتھ ہی عبادتِ خداوندی میں مشغول ہو گئے۔ اور عبادت کرتے کرتے مصر کے "رمَیلہ" میں (جو ایک ساحلی بستی تھی) انتقال کر گئے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اگر میں وہاں ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کی بتلائی ہوئی مواصفات کے مطابق ان دونوں کی قبروں تک رسائی حاصل کرلیتا"۔

مسند احمد کی روایت میں یہ واقعہ ان الفاظ میں ہے کہ:

"تم سے پچھلی امتوں میں ایک شخص اپنی مملکت میں (بادشاہ) تھا' ایک مرتبہ اس نے غور و فکر کیا تو اسے ادراک ہوا کہ یہ سب بادشاہت و اقتدار تو ایک دن منقطع ہو جائے گا (اور اسے یہ سب چھوڑنا ہو گا) جب کہ دوسری جانب اس بادشاہت کے جھمیلوں نے اسے اپنے رب کی عبادت سے غافل کر رکھا ہے۔ ایک رات وہ چپکے سے اپنے محل سے نکل گئے اور صبح ہوتے ہوتے کسی دوسرے ملک میں پہنچ گئے اور ساحلِ سمندر پر آ گئے اور اجرت پر اینٹیں بنانے لگے اور اسی میں سے کھاتے' جو زائد از ضرورت ہوتا اسے صدقہ کر دیتے ان کا یہی معمول ہمیشہ جاری رہا یہاں تک کہ شدہ شدہ ان کی عبادت و فضیلت اور ان کے اس معمول کی اطلاع اس قوم کے بادشاہ تک پہنچ گئی۔

اس بادشاہ نے ان کو بلانے کے لئے اپنا آدمی ان کے پاس بھیجا لیکن انہوں نے انکار کر دیا' اس نے دوبارہ بلایا انہوں نے پھر انکار کر دیا اس کے پاس جانے سے اور کہنے لگے کہ میرا اس سے کیا واسطہ؟ یہ سن کر بادشاہ سواری پر سوار ہوا اور ان کے پاس آگیا۔ انہوں نے جب اسے دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ بادشاہ نے جب دیکھا کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو یہ بھی ان کے تعاقب میں دوڑا لیکن ان تک نہ پہنچ پایا' پھر اس نے انہیں زور سے پکارا: اے اللہ کے بندے! میرا تم پر کوئی زور نہیں (نہ میں تمہیں پکڑنے آیا ہوں) یہ سن کر وہ رک گئے یہاں تک کہ بادشاہ ان کے پاس پہنچ گیا ان سے کہا: اللہ تم پر رحم فرمائے! تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں۔ فلاں فلاں ملک کا بادشاہ تھا۔ میں نے اپنے بارے میں غور و فکر کیا تو مجھے ادراک ہوا کہ میں جس زندگی اور سلطنت و بادشاہت میں ہوں یہ سب مجھ سے منقطع ہو جائے گا۔ اور اس نے مجھے اپنے رب کی عبادت سے مشغول و غافل کر رکھا ہے۔ پس

میں نے بادشاہت کو ترک کر دیا اور یہاں آ گیا اور اپنے رب عزّ و جلّ کی عبادت کرتا ہوں۔
اس بادشاہ نے کہا کہ: تم نے میرے ساتھ جو کیا اس کی کچھ زیادہ ضرورت نہ تھی۔ یہ کہہ کر وہ اپنی سواری کے جانور سے اتر گیا اور اس کی مہار چھوڑ کر انہی کے پیچھے پیچھے ہو گیا۔ چنانچہ وہ دونوں اکٹھے اللہ عزّ و جلّ کی عبادت میں لگ گئے اور اللہ سے یہ دعا کی کہ انہیں اکٹھے موت دے۔
ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دونوں کا ساتھ ہی انتقال ہوا اور اگر میں مصر میں "رُمیلہ" میں ہوتا تو تمہیں انکی قبریں دکھاتا رسول اللہ ﷺ کی بتلائی ہوئی صفات و علامات کے مطابق جیسا آپؐ نے ہم سے بیان کیا تھا"۔

تخریج الحدیث:

مسند البزار ۴/۲۶۷۔ مسند احمد بن حنبل ۱/۴۵۱۔ مسند ابو یعلی ۹/۲۶۱
المعجم الکبیر للطبرانی ۱۰/۲۱۶۔ المعجم الأوسط ۲/۱۱۲۔ مجمع الزوائد للہیثمی ۱۰/۲۱۹

تشریح الحدیث

انسان کو جو چیزیں دنیا میں اللہ کی یاد سے اور اس کے احکامات سے غافل کرنے والی ہیں ان میں سب سے زیادہ غافل کرنے والے چیز اقتدار و حکومت کا نشہ ہے جو دولت و ثروت کے نشہ سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔ اور انسان اقتدار کے نشہ کی خاطر دولت کو بے دریغ لٹاتا ہے۔ اقتدار و حکومت خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو' انسان کے دل میں دوسروں پر بلادستی' دوسروں پر حاکمیت اور دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھنے اور انہیں محکوم و مجبور سمجھنے کی سوچ پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کی یاد سے سب سے زیادہ غافل کرتا ہے۔
بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی صاحب خلیفہ اور حاکم ہوئے۔ حدیث میں ان کا نام نہیں ذکر کیا گیا ہے۔ خلافت و امارت کے زمانہ میں انہیں ایک روز سوچتے سوچتے یہ احساس ہوا کہ مجھے اس حکومت و اقتدار کی مصروفیت نے بندگی رب اور اس کے ذکر سے غافل کر رکھا ہے۔ اور یہ سارا اقتدار و سلطنت' بادشاہت و حکومت اور اس کے کروفر' اس کی شان و شوکت' عزت و عظمت' جاہ و جلال سب ایک نہ ایک روز مجھ سے چھوٹ جائے گا (خواہ میری موت کے ذریعہ خواہ کوئی دوسرا اس پر قابض ہو جائے) لہٰذا اس کی وجہ سے اپنے رب کی بندگی اور عبادت کو ترک کرنا اور اس سے غفلت اختیار کرنا صحیح نہیں۔
گویا بادشاہت و اقتدار ایسی چیز نہیں کہ اس کی خاطر اللہ کے احکامات اور اس کی یاد کو قربان کیا جائے بلکہ اللہ کی یاد اس قابل ہے کہ اس کی وجہ سے اقتدار و حکومت کو پامال کر دیا جائے۔

بلاشبہ یہ وہ سوچ ہے کہ جو بادشاہوں، اربابِ اقتدار، اہلِ حکومت اور صاحبانِ اختیار کے دل و دماغ میں اگر پیدا ہو جائے تو تمام ظلم ختم ہو جائے، عدل و انصاف کا بول بالا ہو جائے۔ اگر ہر صاحب اقتدار یہ سوچنے لگے کہ میری یہ حکومت و اقتدار کسی بھی وقت مجھ سے چھوٹ سکتا ہے تو وہ ہر ایسے کام سے گریز کرے گا جو بعد میں اس کے لئے پشیمانی و پریشانی کا سبب بنے۔

غرض! ان کے دل میں اس قسم کے خیالات آنا شروع ہوئے اور اس قدر ان کے دل و دماغ پر حاوی ہوئے کہ ایک روز جب کہ چاندنی رات میں بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی چھت پر نماز میں مشغول تھے اور یہ احساس حاوی ہوا تو رات کی تنہائی میں چھت سے ایک رسی نیچے لٹکائی اور اس کے ذریعہ نیچے اتر گئے ور وہاں سے چپکے سے نکل گئے اور راتوں رات وہاں سے بھاگ کر ایک ساحلی شہر جا پہنچے۔ اور چپکے سے نکلنے کا مقصد یہ تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے اور روک نہ لے۔ غرض جب اس ساحلی بستی میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ اینٹیں بنانے کا کام کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بھی ان سے کام سیکھ کر انہی کے ساتھ اینٹیں بنانے کا کام کرنے لگے اور محنت مزدوری کر کے اپنا گزر اوقات شروع کر دیا۔

ان کا ایک معمول یہ تھا کہ جتنا کماتے اس میں سے اپنی ضروریات (کھانے پینے) کے لئے استعمال کر لیتے اور باقی جتنا بچتا سب صدقہ کر دیتے بچا کر نہ رکھتے تھے۔

دوسرا معمول یہ تھا کہ کام کے دوران بھی اگر نماز کا وقت آجاتا تو سب کام چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔

یہ دونوں معمول ایسے تھے کہ دوسروں کے لئے باعثِ تعجب حیرت تھے۔ کیونکہ ایک تو انسان جو محنت کرتا ہے وہ پیسہ جمع کرنے کے لئے کرتا ہے۔ اتنی محنت کی کمائی اس طرح ساری کی ساری دوسروں کو نہیں دے دیتا۔ لیکن وہ تو اقتدار و حکومت کو چھوڑ کر آئے تھے ان کو دولت جمع کرنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ تو یہ معمول کہ سب لوگوں کے لئے باعثِ تعجب و حیرت تھا۔

اسی طرح دوسرا معمول بھی لوگوں کی عام عادت کے برعکس تھا۔ کیونکہ نماز اور عبادت وغیرہ کے متعلق عموماً یہ ذہن ہوتا ہے کہ ہر کام سے فارغ ہو کر کی جائے۔ کام کے دوران خاص طور پر مزدور پیشہ اور محنت و مزدوری کرنے والے لوگوں میں نماز سے بہت زیادہ سستی ہوتی ہے۔ جبکہ وہ کام کے دوران بھی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور کام روک دیتے تھے۔

تو ان دونوں غیر معمولی معمولات کی وجہ سے لوگوں میں ان کی شہرت ہو گئی اور اس کا خوب چرچا ہونے لگا۔ شدہ شدہ یہ شہرت اس قوم کے سردار اور حاکم تک بھی پہنچی کہ ان غیر معمولی عادات کا مالک ایک شخص مزدوری کرتا ہے۔ حاکم کو ان سے ملنے کا تجسس و اشتیاق ہوا اور اس نے انہیں بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ لیکن انہوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ اس نے پھر آدمی بھیجا انہوں نے پھر انکار

کردیا۔ تیسری بار جب آدمی بھیجا تو انہوں نے کہا کہ میرا حاکم سے کیا واسطہ؟ میں ایک مزدور ہوں اور وہ حاکم۔ مجھے اس سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حاکم نے جب یہ سنا تو اس کی دلچسپی مزید بڑھ گئی کہ ایسا کون بے نیاز اور مستغنی شخ ہے جو بار بار بلانے کے باوجود حاکم اور سردار سے ملنا نہیں چاہتا۔ چاروناچار اس نے خود جانے کا ارادہ کیا اور سواری پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ حاکم ان سے ملنے کے لئے خود ہی آگیا ہے تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ حاکم نے ان کا تعاقب کیا لیکن وہ اس کے ہاتھ نہ آئے۔ مجبور ہو کر اس نے انہیں زور سے پکارا اور کہا کہ میں تمہیں گرفتار کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ وہ یہ سن کر رک گئے حتی کہ حاکم ان تک پہنچ گیا اور پوچھنے لگا کہ تم کون ہو؟ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ انہوں نے امیری سے فقیری تک کی ساری روداد سنادی۔ حاکم کے اوپر اس کا اتنا اثر ہوا کہ خود بھی ساری سرداری اور اقتدار ترک کردیا اور وہیں سے اپنے گھوڑے کی رسی چھوڑ دی اور انہی کے ساتھ رہ کر عبادت وریاضت میں مشغول ہو گیا اور پھر دونوں میں اتنی قربت ہوئی کہ انہوں نے اکٹھے مرنے کی دعا مانگی جو قبول ہوئی اور دونوں کو ساتھ ہی موت آئی۔

ابنِ مسعودؓ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کی قبروں کی ایسی تفصیل ہم سے بیان فرمائی تھی کہ اگر میں اس شہر میں ہوتا جہاں ان کی قبریں ہیں تو ان کی قبریں تمہیں دکھاتا۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے' وہ یہ کہ یہ دونوں حضرات اپنی اپنی قوم کے رئیس' سردار اور حاکم تھے' گویا ان کے پاس اختیارات تھے' تو کیا ان کے ئے یہ بہتر نہ تھا کہ وہ اقتدار پر متمکن رہتے ہوئے اپنے اقتدار و حکومت کو اللہ کے دین کے نفاذ اور اس کے احکامات کو جاری کرنے میں استعمال کرتے اور اللہ کی مخلوق اور اپنی رعیت کی مدد کرتے اور خصوصاً غریب اور بے سہارا لوگوں کی مشکلات دور کرتے تو یہ زیادہ بہتر نہ تھا بہ نسبت تنہا اپنی ذات کی عبادت کے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ یہ بات بہت بہتر تھی لیکن یہ واضح رہنا چاہیئے کہ خلافت اور اللہ کے بندوں پر حکومت کی ذمہ داری سنبھالنا نہایت نازک ترین کام ہے جس کی مسولیت بہت زیادہ ہے اور ہر آدمی کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ عدل وانصاف اور مکمل خداترسی کے ساتھ حکومت کرسکے۔

یہ عہدہ بظاہر بڑا پرکشش نظر آتا ہے لیکن تلوار سے زیادہ تیز اور نازک ہے یہ پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا بچھونا ہے۔ اسی لئے بڑے متقی اور عادل وپرہیزگار حکّام وامراء اللہ کے خوف سے لرزتے اور کانپتے رہتے تھے' تو آخرت کے فکر مند وحسّاس شخص کے لئے اتنی بھاری ذمہ داری اٹھانا بڑا مشکل ہوتا ہے' یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے نیک لوگوں نے اقتدار و حکومت اور مناصبِ جلیلہ کو ٹھکرادیا۔ امام

اعظم ابو حنیفہؒ ابراہیم بن ادھمؒ اور دیگر بزرگوں کے واقعات اس کی دلیل ہیں۔

تو جو شخص اپنے اندر اس کی صلاحیت نہ پاتا ہو تو اسے اجتناب ہی کرنا چاہیئے اور جو اس عہدہ کی ذمہ داری نباہنے کی صلاحیت رکھتا ہو یا یہ صورت حال ہو کہ اگر وہ نہ سنبھالے تو کوئی اس سے زیادہ نااہل شخص اس پر قابض ہو جائے گا تو وہاں پر عہدہ و اقتدار کو یونہی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ اور مذکورہ دونوں اشخاص پہلی قسم سے تعلق رکھتے تھے' لہٰذا انہوں نے اپنی صلاحیتوں کے مطابق صحیح فیصلہ کیا۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کی بندگی و عبادت پر ہر قسم کے دنیاوی اقتدار و عہدہ کو چھوڑنے کی پرواہ نہیں کرتے اور ایسے لوگ انسانیت کے لئے نمونہ بن جاتے ہیں۔

۲۔ خلافت اور امارت کی ذمہ داریاں عموماً انسان کو عبادات سے غافل کر دیتی ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ اقتدار میں رہ کر بھی عبادات اور اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو اور ان کی فکر کرتا رہے۔

۳۔ صلوٰۃ اللیل (تہجد کی نماز) کا پچھلی اقوام کے اندر بھی مشروع ہونا حدیث سے ثابت ہوتا ہے' کیونکہ وہ خلیفہ بھی رات کو تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے۔

۴۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ غیر انبیاء بھی بنی اسرائیل میں خلیفہ ہوئے ہیں جیسا کہ مذکورہ صاحب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہوئے تھے۔

۵۔ محنت مزدوری کر کے اپنی معاشی ضروریات کی تکمیل کرنا نہ صرف باعثِ فضیلت ہے بلکہ ہر شخص کے لئے ضروری بھی ہے۔ مذکورہ صاحب یہ بھی کر سکتے تھے کہ خلافت و امارت کی ذمہ داری ترک کر کے اپنے لئے کوئی مستقل وظیفہ مقرر کر لیتے اور خود عبادت میں مشغول رہتے۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے کے بجائے حکومت سے بالکل لاتعلقی اختیار کر لی اور اپنی ضروریات محنت مزدوری کر کے پوری کرنے لگے۔

اس سے یہ تعلیم ملی کہ عبادت اور پرہیزگاری اختیار کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ انسان اپنے معاش کی جدّوجہد بھی چھوڑ دے اور کچھ نہ کرے' جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ دینداری اختیار کرنے کا مطلب دنیا کو بالکل ترک کر دینا اور تلاشِ معاش کی کوشش سے دستبردار ہو جانا ہے جو بالکل مہمل اور غلط بات ہے۔

۶۔ حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ خلیفہ اکثر و بیشتر غور و فکر کرتے تھے اور اسی غور و فکر کے نتیجہ میں انہیں ادراک ہوا کہ یہ ساری سلطنت اور اقتدار سب فانی اور چھوٹنے والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ غور و فکر اہلِ دانش و عقل کی خصوصیت ہے۔ قرآن کریم میں بھی تدبر اور تفکر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی تخلیقات اور کائنات میں غور و فکر کریں کہ ان میں اہل دانش و بینش کے لئے بڑی واضح نشانیاں ہیں۔ اور تفکر و تدبر کرنا صاحبِ ایمان کی علامت ہے اور اس کی وجہ سے انسان کو حقائق کا ادراک ہوتا ہے اور اشیاء کی حقیقت اور معرفت نصیب ہوتی ہے جو انسان کی آخرت کی تیاری کے لئے بہت معین و مددگار ہے۔

۷۔ اس سارے قصہ سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ دلوں کا سکون و اطمینان اور راحت' دولت و اقتدار اور شان و شوکت میں نہیں اللہ کے ذکر میں پوشیدہ ہے۔ ذکر الٰہی خواہ غریب کرے یا امیر' حاکم کرے یا رعایا' سب کیلئے یکساں طور پر ذریعہ اطمینان اور سکینت ہے 'الأبذكر الله تطمئن القلوب۔

ہزار اسباب راحت و آسائشات ہوں لیکن اگر دین و ذکر الٰہی سے غفلت ہو تو ذرّہ بھر بھی راحت و سکون نہیں مل سکتا اور ذکر الٰہی ہو تو دلوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوگا' خواہ دولتِ دنیا اور آسائشات ناپید ہوں۔

بیالیس واں قصہ ﴿۴۲﴾

اَصحاب الأخدود...... آگ کی خندقیں

تمہید

اصحاب الأخدود کا واقعہ بڑا ایمان افروز، عبرت انگیز اور سبق آموز ہے، اصلاً تو اس واقعہ کا ذکر قرآن کریم میں ہے لیکن قرآن کریم کی سورۃ البروج میں اسکی طرف مختصراً اشارہ کیا گیا ہے، تفصیلی واقعہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

نصّ الحدیث:

روى مسلم في صحيحه عَنْ صُهَيْبٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: (كَانَ مَلِكٌ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَكَانَ لَهُ سَاحِرٌ، فَلَمَّا كَبِرَ قَالَ لِلْمَلِكِ: إِنِّي قَدْ كَبِرْتُ، فَابْعَثْ إِلَيَّ غُلامًا أُعَلِّمْهُ السِّحْرَ، فَبَعَثَ إِلَيْهِ غُلامًا يُعَلِّمُهُ.

فَكَانَ فِي طَرِيقِهِ إِذَا سَلَكَ رَاهِبٌ، فَقَعَدَ إِلَيْهِ، وَسَمِعَ كَلامَهُ، فَأَعْجَبَهُ، فَكَانَ إِذَا أَتَى السَّاحِرَ مَرَّ بِالرَّاهِبِ، وَقَعَدَ إِلَيْهِ، فَإِذَا أَتَى السَّاحِرَ ضَرَبَهُ، فَشَكَا ذَلِكَ إِلَى الرَّاهِبِ.

فَقَالَ: إِذَا خَشِيتَ السَّاحِرَ فَقُلْ حَبَسَنِي أَهْلِي، وَإِذَا خَشِيتَ أَهْلَكَ فَقُلْ: حَبَسَنِي السَّاحِرُ.

فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ أَتَى عَلَى دَابَّةٍ عَظِيمَةٍ قَدْ حَبَسَتِ النَّاسَ، فَقَالَ: الْيَوْمَ أَعْلَمُ آلسَّاحِرُ أَفْضَلُ، أَمِ الرَّاهِبُ أَفْضَلُ ؟

فَأَخَذَ حَجَرًا، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ أَمْرُ الرَّاهِبِ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ أَمْرِ السَّاحِرِ فَاقْتُلْ هَذِهِ الدَّابَّةَ، حَتَّى يَمْضِيَ النَّاسُ، فَرَمَاهَا فَقَتَلَهَا، وَمَضَى النَّاسُ، فَأَتَى الرَّاهِبَ، فَأَخْبَرَهُ، فَقَالَ لَهُ الرَّاهِبُ: أَيْ بُنَيَّ أَنْتَ الْيَوْمَ أَفْضَلُ مِنِّي، قَدْ بَلَغَ مِنْ أَمْرِكَ مَا أَرَى، وَإِنَّكَ سَتُبْتَلَى، فَإِنِ ابْتُلِيتَ، فَلا تَدُلَّ عَلَيَّ.

وَكَانَ الْغُلامُ يُبْرِئُ الأَكْمَهَ وَالأَبْرَصَ، وَيُدَاوِي النَّاسَ مِنْ سَائِرِ الأَدْوَاءِ فَسَمِعَ جَلِيسٌ لِلْمَلِكِ كَانَ قَدْ عَمِيَ، فَأَتَاهُ بِهَدَايَا كَثِيرَةٍ، فَقَالَ: مَا هَاهُنَا لَكَ أَجْمَعُ إِنْ

أَنتَ شَفَيْتَنِي، فَقَالَ: إِنِّي لا أَشْفِي أَحَدًا، إِنَّمَا يَشْفِي اللهُ، فَإِنْ أَنْتَ آمَنْتَ بِاللهِ، دَعَوْتُ اللهَ فَشَفَاكَ، فَآمَنَ بِاللهِ، فَشَفَاهُ اللهُ.

فَأَتَى الْمَلِكَ، فَجَلَسَ إِلَيْهِ، كَمَا كَانَ يَجْلِسُ فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ: مَنْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ؟

قَالَ رَبِّي، قَالَ: وَلَكَ رَبٌّ غَيْرِي؟ قَالَ: رَبِّي وَرَبُّكَ اللهُ، فَأَخَذَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُعَذِّبُهُ حَتَّى دَلَّ عَلَى الْغُلام، فَجِيءَ بِالْغُلام، فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ: أَيْ بُنَيَّ قَدْ بَلَغَ مِنْ سِحْرِكَ مَا تُبْرِئُ الأَكْمَهَ وَالأَبْرَصَ وَتَفْعَلُ وَتَفْعَلُ؟ فَقَالَ: إِنِّي لا أَشْفِي أَحَدًا، إِنَّمَا يَشْفِي اللهُ.

فَأَخَذَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُعَذِّبُهُ حَتَّى دَلَّ عَلَى الرَّاهِبِ، فَجِيءَ بِالرَّاهِبِ، فَقِيلَ لَهُ: ارْجِعْ عَنْ دِينِكَ، فَأَبَى، فَدَعَا بِالْمِنْشَارِ، فَوَضَعَ الْمِنْشَارَ فِي مَفْرِقِ رَأْسِهِ، فَشَقَّهُ حَتَّى وَقَعَ شِقَّاهُ، ثُمَّ جِيءَ بِجَلِيسِ الْمَلِكِ، فَقِيلَ لَهُ ارْجِعْ عَنْ دِينِكَ فَأَبَى، فَوَضَعَ الْمِنْشَارَ فِي مَفْرِقِ رَأْسِهِ فَشَقَّهُ بِهِ حَتَّى وَقَعَ شِقَّاهُ.

ثُمَّ جِيءَ بِالْغُلامِ، فَقِيلَ لَهُ: ارْجِعْ عَنْ دِينِكَ فَأَبَى، فَدَفَعَهُ إِلَى نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: اذْهَبُوا بِهِ إِلَى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا، فَاصْعَدُوا بِهِ الْجَبَلَ، فَإِذَا بَلَغْتُمْ ذُرْوَتَهُ، فَإِنْ رَجَعَ عَنْ دِينِهِ وَإِلا فَاطْرَحُوهُ، فَذَهَبُوا بِهِ، فَصَعِدُوا بِهِ الْجَبَلَ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ، فَرَجَفَ بِهِمُ الْجَبَلُ، فَسَقَطُوا، وَجَاءَ يَمْشِي إِلَى الْمَلِكِ.
فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ: مَا فَعَلَ أَصْحَابُكَ؟ قَالَ: كَفَانِيهِمُ اللهُ، فَدَفَعَهُ إِلَى نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: اذْهَبُوا بِهِ، فَاحْمِلُوهُ فِي قُرْقُورٍ، فَتَوَسَّطُوا بِهِ الْبَحْرَ، فَإِنْ رَجَعَ عَنْ دِينِهِ وَإِلا فَاقْذِفُوهُ، فَذَهَبُوا بِهِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ، فَانْكَفَأَتْ بِهِمُ السَّفِينَةُ، فَغَرِقُوا، وَجَاءَ يَمْشِي إِلَى الْمَلِكِ.

فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ: مَا فَعَلَ أَصْحَابُكَ؟ قَالَ: كَفَانِيهِمُ اللهُ، فَقَالَ لِلْمَلِكِ: إِنَّكَ لَسْتَ بِقَاتِلِي حَتَّى تَفْعَلَ مَا آمُرُكَ بِهِ.

قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ تَجْمَعُ النَّاسَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ، وَتَصْلُبُنِي عَلَى جِذْعٍ، ثُمَّ خُذْ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِي، ثُمَّ ضَعِ السَّهْمَ فِي كَبِدِ الْقَوْسِ، ثُمَّ قُلْ: بِاسْمِ اللهِ رَبِّ الْغُلامِ، ثُمَّ ارْمِنِي، فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذَلِكَ قَتَلْتَنِي.

فَجَمَعَ النَّاسَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ، وَصَلَبَهُ عَلَى جِذْعٍ، ثُمَّ أَخَذَ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهِ،

ثُمَّ وَضَعَ السَّهْمَ فِي كَبْدِ الْقَوْسِ، ثُمَّ قَالَ: بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلامِ، ثُمَّ رَمَاهُ، فَوَقَعَ السَّهْمُ فِي صُدْغِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ فِي صُدْغِهِ فِي مَوْضِعِ السَّهْمِ، فَمَاتَ، فَقَالَ النَّاسُ: آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلامِ، آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلامِ، آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلامِ.

فَأُتِيَ الْمَلِكُ فَقِيلَ لَهُ: أَرَأَيْتَ مَا كُنْتَ تَحْذَرُ، قَدْ وَاللّٰهِ نَزَلَ بِكَ حَذَرُكَ، قَدْ آمَنَ النَّاسُ، فَأَمَرَ بِالأُخْدُودِ فِي أَفْوَاهِ السِّكَكِ فَخُدَّتْ، وَأَضْرَمَ النِّيرَانَ، وَقَالَ: مَنْ لَمْ يَرْجِعْ عَنْ دِينِهِ، فَأَحْمُوهُ فِيهَا، أَوْ قِيلَ لَهُ: اقْتَحِمْ، فَفَعَلُوا حَتَّى جَاءَتِ امْرَأَةٌ، وَمَعَهَا صَبِيٌّ لَهَا، فَتَقَاعَسَتْ أَنْ تَقَعَ فِيهَا، فَقَالَ لَهَا الْغُلامُ: يَا أُمَّهِ، اصْبِرِي فَإِنَّكِ عَلَى الْحَقِّ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت صہیب رومیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تم سے پچھلی امتوں میں ایک بادشاہ تھا' اس کے یہاں ایک جادوگر تھا' جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ: میں بوڑھا ہو گیا ہوں' میرے پاس کسی لڑکے کو بھیج دیجئے تاکہ میں اسے جادو سکھادوں (اور وہ میرے بعد اس کام کو جاری رکھے) بادشاہ نے ایک کم عمر لڑکے کو جادو سکھانے کے لئے جادوگر کے پاس بھیج دیا' وہ لڑکا جب جادوگر کے پاس جاتا تو راہ میں ایک راہب (بنی اسرائیل کا عبادت گذار بندہ' جس نے دنیا ترک کر دی ہو اسے راہب کہا جاتا ہے) پڑتا تھا۔ وہ ایک بار اس راہب کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی باتیں سنیں تو اسے بہت اچھی لگیں۔ چنانچہ اس نے یہ معمول بنالیا کہ جب بھی جادوگر کے پاس آتا تو راہب کے پاس سے ہو کر آتا اور اس کے پاس کچھ دیر بیٹھا کرتا۔

پھر جب وہ جادوگر کے پاس آتا تو وہ اسے مارتا (دیر سے آنے پر) اس لڑکے نے جادوگر کے ظلم کی شکایت راہب سے کی تو اس نے کہا کہ:

"جب تمہیں جادوگر کا ڈر ہو تو اس سے کہہ دیا کرنا کہ مجھے گھر والوں نے روک لیا تھا (جس کی وجہ سے تاخیر ہوئی) اور اپنے گھر والوں سے خطرہ ہو تو کہہ دیا کرنا کہ مجھے جادوگر نے روک لیا تھا"۔

یہی معاملہ چلتا رہا کہ ایک روز اس لڑکے کا سامنا ایک دیوہیکل جانور سے ہوا جس نے راستہ میں آکر لوگوں کا راستہ روک دیا تھا۔ اس لڑکے نے دل میں کہا کہ: آج مجھے پتہ چل جائے گا کہ جادوگر زیادہ افضل ہے یا راہب؟

چنانچہ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور دعا کی کہ: اے اللہ! اگر راہب کا معاملہ آپ کے نزدیک پسندیدہ ہے جادوگر کے معاملہ سے تو اس جانور کو قتل فرمادے تاکہ لوگ گذر جائیں۔ یہ کہہ کر اس نے وہ پتھر پھینکا' پتھر کا لگنا تھا کہ جانور مر گیا اور لوگوں کا راستہ صاف ہو گیا اور وہ گزرنے لگے۔

بعد ازاں وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اسے ساری بات بتلائی تو راہب نے اس سے کہا کہ:

"اے میرے بیٹے! آج سے تم مجھ سے زیادہ صاحبِ فضیلت ہو گئے ہو' جہاں تک میرا خیال ہے تمہیں کمال حاصل ہو گیا ہے اور بلاشبہ تم عنقریب آزمائش میں مبتلا کیے جاؤ گے۔ لہٰذا اگر تم آزمائش میں مبتلا ہوئے تو میرا سراغ نہ لگنے دینا۔

اس لڑکے کو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ صلاحیت عطا ہوئی تھی کہ وہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو ٹھیک کر دیتا تھا اور لوگوں کا ہر مرض میں علاج کیا کرتا تھا' بادشاہ کا ایک درباری تھا جو اندھا ہو گیا تھا' اس نے بھی لڑکے کی اس صلاحیت کے متعلق سنا تو وہ بھی اس کے پاس خوب ہدایا اور تحفے لے کر آیا اور اس سے کہا کہ:

"میں یہاں تمہارے لئے سب کچھ جمع نہیں کر سکتا' البتہ اگر تم مجھے شفایاب کر دو تو میں سب کچھ تمہیں دے دوں گا"۔

لڑنے کے کہا کہ: میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا' شفا دینے والا تو اللہ ہے' اگر تم اس اللہ پر ایمان لاتے ہو تو میں اللہ سے دعا کروں گا وہ تمہیں شفایاب کر دے گا' وہ درباری یہ سن کر ایمان لے آیا' اللہ نے اسے شفا عطا فرما دی۔

پھر وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور اس کے قریب بیٹھ گیا جیسا کہ ہمیشہ بیٹھا کرتا تھا' بادشاہ نے اس سے کہا کہ: تمہاری بینائی کس نے لوٹا دی؟ اس نے کہا کہ میرے رب نے' بادشاہ نے کہا کہ کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔

بادشاہ نے اسے گرفتار کر لیا اور اسے مسلسل تشدد کا نشانہ بنائے رکھا یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا پتہ بتلا دیا' چنانچہ اس لڑکے کو گرفتار کر کے لایا گیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ:

"بیٹا! مجھے تمہارے جادو کے متعلق اطلاع پہنچ چکی ہے کہ جس کے ذریعہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو ٹھیک کر دیتے ہو اور یہ کرتے ہو وہ کرتے ہو؟

وہ کہنے لگا کہ: میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا' شفا دینے والا تو فقط اللہ ہی ہے۔

بادشاہ نے اسے بھی گرفتار کر لیا اور اسے بھی مسلسل تشدد کا نشانہ بناتا رہا یہاں تک کہ اس نے راہب کی نشاندہی کر دی' چنانچہ راہب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ: اپنے دین سے پھر جائے' اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے ایک آرا منگوایا اور اس آرے کو راہب کے سر کے بیچوں بیچ رکھا اور درمیان سے اس طرح چیر ڈالا (کہ اسکا دھڑ دائیں بائیں دو حصوں میں تقسیم ہو گیا) اور دونوں ٹکڑے گر پڑے۔

بعد ازاں بادشاہ کے درباری کو لایا گیا اور اس سے بھی کہا گیا کہ: اپنے دین سے پھر جائے اس نے بھی انکار کیا تو اس کی بھی سر کی مانگ پر رکھ کر آرے سے چیر ڈالا اور اس کے بھی دونوں دھڑ گر گئے۔

پھر اس لڑکے کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ: اپنے دین سے پھر جا' اس نے انکار کیا تو اسے بادشاہ نے اپنے آدمیوں کی ایک جماعت کے حوالے کیا اور کہا کہ: اس کو فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ اور پہاڑ پر چڑھاؤ جب تم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو اگر یہ اپنی دین سے پھر جائے تو ٹھیک ورنہ اسے وہاں سے نیچے پھینک دو۔ چنانچہ وہ اسے لے کر چلے اور پہاڑ پر چڑھ گئے۔

اس لڑکے نے دعا کی کہ: اے اللہ! میری طرف سے ان کے لئے کافی ہو جائیے جیسے آپ چاہیں! (اللہ کا کرنا) پہاڑ پر زلزلہ آیا اور وہ سب کے سب نیچے لڑھک کر گر گئے۔ جب کہ لڑکا چلتا ہوا پھر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔

بادشاہ نے اس سے کہا کہ: تیرے ساتھ جانے والوں کے ساتھ کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ: اللہ ان سب کے لئے کافی ہو گیا۔

بادشاہ نے اسے اپنے آدمیوں کی ایک دوسری جماعت کے سپرد کیا اور کہا کہ: اسے لے جاؤ اور اسے ایک کشتی میں سوار کر دو' جب سمندر کے بیچ میں پہنچ جاؤ تو اگر یہ اپنے دین سے باز آ جائے تو ٹھیک ورنہ اسے سمندر میں پھینک دینا۔ چنانچہ وہ اسے لے کر چلے۔ اس نے دعا کی: اے اللہ! آپ جس طرح چاہیں ان کے لئے کافی ہو جائیں۔ چنانچہ کشتی ان سب کے ساتھ الٹ گئی اور وہ سب غرق ہو گئے جب کہ یہ واپس چلتا ہوا بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔

بادشاہ نے اس سے کہا کہ: تیرے ساتھیوں کا کیا بنا؟ کہنے لگا کہ: اللہ ان کیلئے کافی ہو گیا' پھر اس نے بادشاہ سے کہا کہ: تو مجھے قتل نہیں کر سکتا یہاں تک کہ جیسا میں کہوں ویسا کر' بادشاہ نے کہا کہ وہ کیا؟ کہنے لگا کہ: سب لوگوں کو ایک بڑے میدان میں جمع کر اور مجھے سولی چڑھا دے' پھر میرے ترکش سے ایک تیر لے اسے کمان کی تانت پر چڑھا پھر "بسم اللّٰہ ربّ الغلام" (اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) کہہ کر تیر مجھے مار۔ اگر ایسا کرے گا تو مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا (اس کے علاوہ تو مجھے قتل نہیں کر سکتا)۔

بادشاہ نے سب لوگوں کو ایک وسیع و عریض میدان میں جمع کیا' لڑکے کو سولی پر چڑھا دیا' بعد ازاں اسی کے ترکش سے (جیسا کہ اس نے کہا تھا) تیر لیا اور تیر کو کمان کی تانت میں رکھا پھر کہا:

"بسم اللّٰہ ربّ الغلام" اور یہ کہہ کر تیر اسے مارا' وہ جا کر سیدھا لڑکے کی کنپٹی پر لگا' لڑکے نے اپنا ہاتھ کنپٹی پر جہاں تیر لگا تھا رکھ دیا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

لوگوں نے یہ ناقابلِ یقین اندوہناک منظر دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے: ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے' ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے' ہم لڑکے کے رب پر ایمان لے آئے"۔

کسی نے بادشاہ سے کہا کہ جس بات کا ڈر اور خدشہ تھا وہ پورا ہو کر رہا سب لوگ ایمان لے آئے۔

بادشاہ نے چوراہوں پر خندقیں کھودنے کا حکم دیا' چنانچہ خندقیں کھودی گئیں اور ان میں خوب آگ دہکائی گئی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ: جو شخص اپنے دین سے نہ پھرے اسے اس میں جلادیا جائے یا اس سے کہو کہ ان خندقوں میں کود جائے۔

چنانچہ سب اس میں کود گئے (اور کسی نے ایمان سے پھرنا گوارا نہ کیا) یہاں تک کہ ایک عورت اپنے (کم سن) بچہ کے ساتھ آئی۔ وہ (بھڑکتی آگ دیکھ کر) ذرا سا ہچکچائی اس میں کودنے سے تو اس کے نومولود بچہ نے فوراً کہا: ماں! صبر کر بلاشبہ تو حق پر ہے! (ماں نے بچہ کی زبان سے غیر معمولی طور پر یہ جملہ سنا تو فوراً کود گئی)۔

تخریج الحدیث:

رواہ مسلم فی صحیحہ۔ کتاب الزھد والرقائق رباب قصۃ أصحاب الأخدود وھو علی شرح النووی ۲/۴۱۵۔

سنن الترمذی رکتاب التفسیر۔ ۴/۴۳۷

تشریح الحدیث

یہ ایمان افروز دلچسپ قصہ احادیث کی کتابوں میں متعدد صحابہؓ سے مروی ہے۔ اور اہلِ ایمان کی آزمائش و ابتلاء اور اس میں ثابت قدمی کی عجیب مثال پیش کرتا ہے۔

دورِ قدیم میں سحر (جادو) کہانت اور اس قسم کے علوم کا بڑا چرچا تھا اور لوگ علمِ نجوم' کہانت اور جادو وغیرہ پر بہت یقین رکھتے تھے۔ جیسا کہ آج بھی ہندو مذہب میں جوتش اور اس طرح کے دیگر علوم کا بڑا چرچا ہے بلکہ ستم تو یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ان چیزوں پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے بالکل حرام قرار دیا ہے' یقین و اعتقاد بڑھتا چلا جارہا ہے۔

غرض زمانۂ قدیم میں ایک بادشاہ کے ملک میں یہ واقعہ پیش آیا۔ وہ راہب اس وقت کے دین کے مطابق حق پر تھا۔ جب کہ بادشاہ اور اس کے درباری اللہ کی ربوبیت کے قائل نہ تھے بلکہ خود بادشاہ نے اپنے آپ کو "رب" قرار دیا تھا اور ساری قوم کو زبردستی اس کا قائل کیا تھا۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کو ہدایت کی روشنی پھیلانا مقصود ہوتا ہے تو کسی بھی ذریعہ سے پوری کی پوری قوم کو ہدایت کا نور عطا فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ راہب کے ذریعہ لڑکے کے دل میں ایمان آیا اور اس کو اللہ کی ایسی معرفت نصیب ہوئی کہ اس کا مرتبہ راہب سے بھی بڑھ گیا اور حق تعالیٰ کی غیبی مدد ایسی اس کے ساتھ ہوئی کہ وہ اندھے پن' کوڑھ اور دیگر امراض کا کامیاب علاج کرنے لگا۔

اللہ کا کرنا کہ اس کی شہرت بادشاہ کے ایک مصاحب کے کانوں تک پہنچی جو اندھا ہو چکا تھا۔ لڑکے سے ملاقات پر وہ بھی ایمان لے آیا اور ایسا صاحبِ یقین بنا کہ بادشاہ کی ساری قربت اور عزت و

مرتبہ کو ٹھکرا کر جان ایمان کی خاطر قربان کردی‘اسی طرح راہب نے بھی حق کی خاطر جان دینے سے دریغ نہ کیا اور جب بادشاہ لڑکے کے قتل سے عاجز ہو گیا تو خود لڑکے نے اپنی قتل کی ترکیب بتلائی۔اور جب اسے اس طرح حق کی خاطر ناحق قتل کیا گیا تو سارا مجمع ہدایت کی دولت سے مالا مال ہو گیا اور ساری قوم ایمان لے آئی۔اور ایسی معرفتِ حق انہیں حاصل ہوئی کہ پوری قوم نے بغیر کسی جرم کے ناحق بھڑکتی آگ میں جل کر کوئلہ ہو جانا گوارا کر لیا مگر ایمان سے پھرنا گوارا نہ کیا۔ایمان پر عزم واستقامت کی یہ ایسی عجیب وغریب مثال ہے کہ دنیا کا کوئی مذہب اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کہ یہ درحقیقت ایمان ہی کا خاصہ ہے۔

چند عبرت ونصائح

اس واقعہ میں ہمارے لئے غور وفکر کا بڑا سامان اور بے شمار قیمتی فوائد موجود ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ ایمان کے ساتھ آزمائش کا آنا ایک لازمی چیز ہے اور ہر دور میں اہلِ ایمان کو ایسی ہی صبر آزما آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو ہدایت دینا چاہتے ہیں تو اس کے لئے ویسے ہی اسباب پیدا فرمادیتے ہیں۔ لڑکے کو ہدایت دینا چاہا تو راہب کے پاس پہنچادیا۔

۳۔ اہل اللہ کی صحبت کبھی بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوتی اور انسان کو کبھی نہ کبھی ضرور ہدایت کی راہ پر گامزن کردیتی ہے۔وہ لڑکا راہب کے پاس کچھ دیر کے لئے بیٹھا کرتا تھا اور اسی تھوری سی صحبت نے پوری قوم کے لئے ہدایت کی راہ ہموار کردی۔بلاشبہ اہل اللہ کی صحبت کا یہی اثر ہوتا ہے۔

۴۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ بلند اور اعلیٰ وارفع مقاصد کے حصول کیلئے اور نقصان سے بچنے کے لئے بعض اوقات خلافِ حقیقت بات کہنے کی گنجائش ہے۔جیسا کہ نوویؒ نے اس کی تصریح کی ہے‘کیونکہ راہب نے لڑکے سے یہ کہا تھا کہ: میرے پاس رکنے میں تاخیر کی وجہ سے اگر تم سے جادوگر پوچھے تو اس سے گھر میں رہنے کا کہنا اور گھر والے پوچھیں تو جادوگر کا کہنا تاکہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔

۵۔ حدیث سے اہل اللہ کی کرامات کا حق ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔جیسا کہ لڑکے کے ہاتھوں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کا ٹھیک ہو جانا‘پوری کی پوری جماعت کا مر جانا اور غرق ہو جانا اور لڑکے کا صحیح وسالم رہنا اس کی واضح مثالیں ہیں۔

۶۔ ایک سبق حدیث سے یہ ملا کہ اہلِ دین خصوصاً دینی راہنماؤں کے لئے ضروری ہے کہ جب کوئی ان کے پاس اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے آئے تو اسے ایمان اور دین کی دعوت دیں۔جیسا کہ بادشاہ کے مصاحب کے ساتھ لڑکے نے کیا وہ اپنے علاج کے لئے اس کے پاس گیا تو لڑکے نے ایمان کی

دعوت دی اور اس نے قبول کر لی۔

ارباب دین اور علماء امت کو اس دور میں اس کا خصوصی خیال رکھنا چاہیئے شاید اللہ تعالیٰ بہت سوں کو اسی ذریعہ سے ہدایت عطا فرمادیں۔

۷۔ اہل اللہ اور اصحابِ ایمان کی عظیم قربانیاں بھی حدیث سے ثابت ہوتی ہیں جنہوں نے حق کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں۔

۸۔ اس واقعہ سے ایمان کی ایک عجیب وغریب تاثیر اور خاصیت یہ نمایاں ہوتی ہے کہ ایک بار جب یہ دل میں اتر جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت کسی ظالم کا ظلم اور جابر کا جبر اس کو دل سے مٹا نہیں سکتا۔ یہ ایمان کی شراب ایسی ہے کہ اس کا نشہ نہیں اترتا' یہ وہ صبغة اللّٰہ (اللہ کا رنگ) ہے جو چڑھ جائے تو انسان تو ختم ہو سکتا ہے یہ رنگ نہیں چھوٹ سکتا اور جو شخص ایک بار حقیقتاً ایمان کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے تو کل جہاں اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتا ہے۔ ؎

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

۹۔ ایک سبق حدیث سے یہ ملتا ہے کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہے سچ ہے جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ مقصد یہ کہ ساری دنیا اگر انسان کو نقصان پہنچانا چاہے اور اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو کوئی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا' جس طرح بادشاہ اور اس کی ساری سرکاری طاقت اور مشینری لڑکے کے قتل میں تمام تر کوشش کے باوجود کامیاب نہ ہو سکی۔

۱۰۔ لڑکے نے اپنے قتل کا طریقہ خود بتلایا۔ یہ بظاہر بڑی عجیب بات ہے اور سرسری نظر سے دیکھا جائے تو خودکشی محسوس ہوتی ہے' لیکن حقیقتاً یہ خودکشی یا قتل نفس نہیں بلکہ پوری قوم کے ایمان لانے کی ایک تدبیر تھی' اس لئے کہ وہ لڑکا یہ جانتا تھا کہ اس کے مظلومانہ قتل کے منظر کو دیکھنے کے بعد ساری قوم خاموش نہیں بیٹھی رہے گی اور ممکن ہے کہ یہ منظر ان کے قلوب پر اتنا اثر انداز ہو کہ وہ ایمان قبول کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ساری قوم حلقہ بگوش ایمان ہو گئی۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ اس نے تو بادشاہ اور اس کے درباریوں تک کے منہ سے اللہ کا نام نکلوا دیا اور وہ مجبور ہو گئے اللہ کا نام لینے اور اس کی ربوبیت کا اقرار کرنے پر اور یہی اس کا مقصد تھا۔

۱۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے سورۃ البروج کی مذکورہ آیات نازل فرمائیں۔ قُتِلَ أصحابُ الأخدود سے العزیز الحمید تک۔ (۵ آیات)

۱۲۔ ترمذی کی روایت میں آتا ہے کہ ساری قوم تو خندقوں کی آگ میں جلا دی گئی تھی لیکن اس لڑکے کو مٹی میں دفن کیا گیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کے دور میں اسے قبر سے نکالا گیا تو اس کا ہاتھ اپنی کنپٹی

پر ویسے ہی رکھا تھا جیسے کہ اس نے اپنے قتل کے وقت رکھ لیا تھا۔

۱۳۔ تکالیف اور مصائب پر صبر کرنا اہلِ ایمان پر واجب ہے' جس طرح اس راہب اور مصاحب نے کیا' جس طرح اس لڑکے نے کیا اور جس طرح ساری قوم نے کیا۔ مصائب سے گھبرا کر دین سے انحراف کرنا یا راہِ فرار اختیار کرنا شیوۂ بندۂ مومن نہیں۔ بلاوجہ مصیبت کو دعوت نہیں دینی چاہئے۔ لیکن جب غیر اختیاری طور پر کوئی غیبی آفت آجائے تو اس کا صبر واستقامت سے سامنا کرنا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:

"دشمن سے مڈھ بھیڑ ہونے کی دعا نہ کرو' اللہ سے عافیت طلب کرو' لیکن جب کبھی دشمن کا سامنا ہو جائے تو پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس کے مقابلہ پر ڈٹ جاؤ (اور راہِ فرار اختیار نہ کرو)

۱۴۔ جنگ اور دشمن سے مقابلہ کے وقت خلافِ حقیقت بات کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ راہب نے لڑکے کو سکھایا کہ گھر والے پوچھیں تو جادوگر کا کہے اور جادوگر پوچھے تو گھر کا بہانہ کردے۔

۱۵۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات شاگرد کا رتبہ استاد سے بڑھ جاتا ہے لیکن یہ استاد کی تنقیص نہیں ہوتی بلکہ اس کا کمال ہوتا ہے' جیسا کہ وہ لڑکا راہب کے اپنے قول کے مطابق مرتبہ میں اس سے بڑھ گیا۔

۱۶۔ ایمان' یقین اور اللہ جل جلالہ' کی معرفت حاصل ہونے اور اس کی راہ میں بلند مقامات حاصل ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ طویل عرصہ اور زیادہ وقت درکار ہو۔ بعض اوقات عمر بھر کے کافر کو لمحہ بھر میں وہ معرفت اور یقین وایمان کا وہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے جو دوسروں کو عمر بھر کی ریاضتوں اور مجاہدات کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اس کی واضح مثال اصحاب الأخدود کا یہ واقعہ ہے کہ مصاحب سے لے کر ساری قوم تک کسی کو بھی ایمان لانے کے بعد حق تک رسائی' معرفت حقیقی اور ایمان کا وجدان ہونے میں کچھ بھی وقت نہ لگا اور وہ لمحوں میں اس مقام کے آشنا ہو گئے کہ جہاں ان کو دنیوی عزت و شوکت' عہدہ و منصب حتی کہ اپنی جان تک ہیچ لگنے لگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے۔ عشقِ حقیقی کا یہ وہ مقام ہے جہاں عقل کی رسائی ممکن نہیں۔

جب کہ اس کے برعکس بعض اوقات کوئی شخص عمر بھر محنت و مجاہد کرتا رہتا ہے لیکن اسے یہ مقام معرفت حاصل نہیں ہوتا۔

تینتالیسواں قصہ ﴿۴۳﴾

اپنی حقیقت کو نہ بھولو

تمہید

جب انسان پر مصیبت آتی ہے تو وہ ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے' اس کے اندر عاجزی و تواضع کا غلبہ ہوتا ہے اور جب...... انعامات کی بارش ہو جائے تو وہی مسکین' فرعون صفت بن جاتا ہے۔ گردن غرور سے اکڑ جاتی ہے اور اللہ اور اس کے احکامات سے غفلت میں زندگی بسر ہونے لگتی ہے' انسان کو اپنی حقیقت اور اپنا ماضی کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے ماضی کو فراموش کر کے غرور میں مبتلا ہونے والے اور اس سے سبق حاصل کر کے نعمت کا حق ادا کرنے والے افراد کی عبرت انگیز سرگزشت...... جس میں ہم اپنا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔

نص الحدیث:

روى البخاري ومسلم في صحيحيهما عن أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّـهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: (إِنَّ ثَلاثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ: أَبْرَصَ، وَأَقْرَعَ، وَأَعْمَى، بَدَا لِلَّهِ ﷻ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا، فَأَتَى الأَبْرَصَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ، وَجِلْدٌ حَسَنٌ، قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ. قَالَ: فَمَسَحَهُ، فَذَهَبَ عَنْهُ، فَأُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا، وَجِلْدًا حَسَنًا. فَقَالَ: أَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الإِبِلُ أَوْ قَالَ الْبَقَرُ، هُوَ شَكَّ فِي ذَلِكَ: إِنَّ الأَبْرَصَ وَالأَقْرَعَ قَالَ أَحَدُهُمَا: الإِبِلُ، وَقَالَ الآخَرُ: الْبَقَرُ، فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ، فَقَالَ: يُبَارَكُ لَكَ فِيهَا.

وَأَتَى الأَقْرَعَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: شَعَرٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي هَذَا، قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ. قَالَ: فَمَسَحَهُ، فَذَهَبَ، وَأُعْطِيَ شَعَرًا حَسَنًا. قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ، قَالَ: الْبَقَرُ، قَالَ: فَأَعْطَاهُ بَقَرَةً حَامِلا، وَقَالَ: يُبَارَكُ لَكَ فِيهَا.

وَأَتَى الأَعْمَى، فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ يَرُدُّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي، فَأُبْصِرُ بِهِ النَّاسَ، قَالَ: فَمَسَحَهُ، فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ، قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ، قَالَ: الْغَنَمُ، فَأَعْطَاهُ شَاةً وَالِدًا، فَأُنْتِجَ هَذَانِ، وَوَلَّدَ هَذَا، فَكَانَ لِهَذَا وَادٍ مِنْ إِبِلٍ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنْ بَقَرٍ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنْ غَنَمٍ.

ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ، فَقَالَ: رَجُلٌ مِسْكِينٌ، تَقَطَّعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِه، فَلا بَلاغَ الْيَوْمَ إِلا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ، وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ، وَالْمَالَ بَعِيرًا أَتَبَلَّغُ عَلَيْهِ فِي سَفَرِي فَقَالَ لَهُ: إِنَّ الْحُقُوقَ كَثِيرَةٌ، فَقَالَ لَهُ: كَأَنِّي أَعْرِفُكَ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ؟ فَقِيرًا فَأَعْطَاكَ اللّٰهُ؟ فَقَالَ: لَقَدْ وَرِثْتُ لِكَابِرٍ عَنْ كَابِرٍ. فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلَى مَا كُنْتَ.

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ:

"بنی اسرائیل میں تین شخص تھے' ایک کوڑھی' دوسرا گنجا' اور تیسرا نابینا۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ انہیں آزمائے۔ چنانچہ ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا' وہ سب سے پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ: تم کیا پسند کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ: خوبصورت رنگ' خوبصورت جلد۔ لوگوں نے مجھے اس مرض کی وجہ سے دھتکار دیا ہے۔

فرشتہ نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس کا سارا مرض جاتا رہا اور اسے خوبصورت رنگ اور خوبصورت جلد عطا کر دی گئی۔

پھر اس سے کہا کہ تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ کہنے لگا کہ اونٹ یا گائیں (یہ راوی کا شک ہے ان میں سے ایک نے اونٹ کہا اور دوسرے نے گائے لیکن یہ شک ہو گیا کہ کس نے کیا کہا؟) غرض اسے دس گابھن اونٹنیاں عطا کر دی گئیں اور فرشتہ نے اسے دعا دی کہ: تمہارے لئے اس میں برکت ہو۔

پھر وہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ: خوبصورت بال چاہتا ہوں تاکہ مجھ سے یہ مرض زائل ہو جائے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کا دھتکارا ہوا ہوں' فرشتہ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا مرض زائل ہو گیا اور اسے خوبصورت بال عطا ہو گئے۔

پھر اس سے کہا کہ: تجھے مال کونسا پسند ہے؟ کہنے لگا کہ گائیں! اس نے اسے ایک حاملہ گائے دے دی اور کہا کہ: تمہارے لئے اس میں برکت ہو۔

پھر وہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ: تم کیا چاہتے ہو؟ کہنے لگا کہ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری بصارت لوٹا دے اور میں لوگوں کو دیکھ سکوں' فرشتہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔ پھر اس سے پوچھا کہ مال کونسا پسند ہے؟ کہنے لگا کہ: بھیڑ بکریاں! چنانچہ اسے ایک بچہ جننے والی بکری دے دی گئی۔

پہلے دونوں کے جانوروں نے بھی بچے دیئے اور اس اندھے کی بکری کے ہاں بھی بچے پیدا ہوئے

اور اتنی برکت ہوئی کہ پہلے کے پاس اونٹوں سے بھری ایک پوری وادی ہو گئی۔ دوسرے کے پاس گایوں سے ایک وادی بھر گئی اور تیسرے کے پاس بھیڑ بکریوں کی ایک وادی ہو گئی۔

پھر (ایک عرصہ گزر جانے کے بعد) وہ فرشتہ کوڑھی کے پاس اس کی سابقہ شکل و صورت میں (کوڑھی بن کر) آیا اور اس سے کہا کہ: میں ایک مسکین آدمی ہوں' سارا اسباب و سامان' سفر میں ختم ہو گیا' آج اللہ کے سوا اور پھر تمہارے سوا کوئی منزل پر پہنچانے والا نہیں ہے' تمہیں اس ذات کا واسطہ جس نے تمہیں خوبصورت رنگ اور حسین جلد عطا کی ہے اور تمہیں (اونٹوں کی صورت میں) مال بھی عطا کیا ہے' میں تم سے صرف ایک اونٹ مانگتا ہوں تاکہ میرا سفر پورا ہو جائے۔

وہ کہنے لگا کہ: مجھ پر بہت سے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں (میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا) فرشتہ نے کہا کہ: شاید میں تمہیں پہچان رہا ہوں' کیا تم کوڑھی نہ تھے' تمہیں لوگوں نے دھتکار دیا تھا؟ تم فقیر نہیں تھے' پھر اللہ نے تمہیں مال عطا فرمایا؟ کہنے لگا: میں تو اس مال کا باپ دادا سے وارث ہوں۔ فرشتہ نے کہا کہ: اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا کہ تو تھا۔

پھر وہ گنجے کے پاس اس کی سابقہ صورت و ہیئت بنا کر آیا اور اس سے بھی وہی بات کہی جو کوڑھی سے کہی تھی اور اس نے بھی وہی جواب دیا' اس نے اسے بھی (بد دعا دی) اور کہا کہ:

"اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے تیری سابقہ حالت پر لوٹا دے"۔

اس کے بعد وہ نابینا کے پاس اس کی سابقہ صورت میں آیا اور اس سے کہا کہ:

"میں ایک مسکین آدمی ہوں' مسافر ہوں' جس کا سارا اسباب و سامانِ سفر راستہ میں ختم ہو گیا ہے' آج اللہ کے سوا اور آپ کے سوا کوئی مجھے منزل پر پہنچانے والا نہیں ہے' میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہاری بینائی لوٹائی ہے' ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تاکہ اپنا سفر پورا کر سکوں اس نے کہا: "بلاشبہ میں اندھا تھا' اللہ نے میری بصارت لوٹا دی' میں فقیر و مفلس تھا' اللہ نے مجھے غنی کر دیا (یہ اس کا دیا ہوا مال ہے) تم جتنا چاہو لے لو۔ اللہ کی قسم! آج میں تم سے کسی چیز کے بارے میں تنگی اور سختی نہ کروں گا جو تم اللہ کے لئے اس میں سے لو گے' فرشتہ نے کہا کہ: اپنا مال اپنے ہی پاس رکھو۔ بلاشبہ تم سب کا امتحان لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گیا اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا"۔

تخریج الحدیث:

صحیح البخاری۔ کتاب أحادیث الأنبیاء۔ (۶/۵۰۰)

صحیح مسلم۔ کتاب الزھد والرقائق۔ (۲/۴۰۸)

تشریح الحدیث

مصیبت کو بھول جانا' ماضی اگر داغدار ہے تو اسے منہ موڑ لینا اور اپنی حقیقت سے نظریں چرانا انسان کی عادت ہے' جب تکلیف ہوتی ہے تو اس سے زیادہ مسکین کوئی نظر نہیں آتا اور جب وہ دور ہو جائے اور نعمت وکرم ہونے لگے' تو سمجھتا ہے کہ ہمچو ما دیگرے نیست۔

زیر نظر واقعہ اسی حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ انسان کو اپنی حیثیت اور اوقات نہ بھولنی چاہیئے۔ اور خواہ کتنی ہی نعمتوں کی اس پر بارش ہو رہی ہو مگر اسے اپنی حقیقت کا احساس رہنا چاہیئے تاکہ دل میں برائی اور فرعونیت نہ پیدا ہو اور دماغ میں دولت وثروت کا خناس نہ سمائے۔

دنیا کے اندر مال ودولت دنیا چھین لینا اور غربت دے دینا یہ صرف امتحان اور آزمائش کیلئے ہے۔ کسی کو مال دے کر آزمایا کسی سے چھین کر آزمایا' کسی کو صحت دے کر آزمایا کسی سے چھین کر آزمایا' کسی کو عزت وشہرت دے کر آزمایا اور کسی سے ذلت وگمنامی کے ذریعہ امتحان لیا' غربت وامارت' بیماری و صحت' عزت وذلت' گمنامی وشہرت سب امتحان ہیں بنی آدم کے۔

زیر نظر واقعہ میں تینوں کو آزمایا۔ کوڑھی اور گنجے نے احسان فراموشی کی' نعمت کی ناقدری کی اور اللہ کی اس نعمت کو پہچاننے اور اس کا حق ادا کرنے کے بجائے بڑائی اور تکبر کی راہ اختیار کی۔ جب کہ نابینا نے حقیقت شناسی اور احسان شناسی سے کام لیا اور نعمت کی قدر وقیمت جانتے ہوئے اپنی حیثیت اور اوقات کو یاد رکھا۔

مالک ومنعمِ حقیقی کی نعمت کو پہچاننا ہی بندگی اور اس کے بندوں کے کام آنا ہی انسانیت ہے۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ حدیث سے بنیادی تعلیم یہ حاصل ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی تکلیف دے یا مصیبت میں مبتلا کرے تو اسے اس تکلیف ومصیبت کو آزمائش سمجھ کر برداشت کرنا چاہیئے۔ پھر جب وہ مصیبت دور ہو جائے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب اس مصیبت میں مبتلا کسی دوسرے شخص کو دیکھے تو فوراً اپنا حال یاد کرے اور حسب استطاعت اس مبتلائے مصیبت کی مدد کرے نہ یہ کہ اس کو دھتکارے اور اپنی حقیقت اور حال بھول جائے کہ کبھی وہ بھی ایسا ہی تھا۔

۲۔ بخل اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے' اللہ تعالیٰ نے جو مال عطا فرمایا ہے اس کا شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اسے اللہ کی رضا کی خاطر اس کے مصیبت زدہ بندوں کی بھلائی اور بہتری کے لئے خرچ کیا جائے اور ان کی مصیبت دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ مال و دولت کی کثرت اور عیش دنیا کی فراوانی' اللہ تعالیٰ کے یہاں محبوب و مقرب ہونے کی دلیل نہیں۔ کوئی اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ اسے خوب مال و دولت دیا گیا ہے اور اس کے پاس وسائل حیات کی کثرت و فراوانی ہے کسی قسم کا کوئی غم و فکر نہیں تو وہ اللہ کا مقرب ہے۔ اگر مال و دولت اور عیشِ حیات کی فراوانی محبوبِ خدا ہونے کی دلیل ہوتی تو فرعون' ہامان اور قارون وغیرہ سب محبوب خدا ہوتے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی دولت مند مالدار ہوتے۔ لیکن یہ دونوں باتیں نہیں' نہ فرعون وغیرہ محبوبِ خدا تھے نہ رسول اللہ دولت مند تھے۔ تو معلوم ہوا کہ مال و دولت' اللہ کا پسندیدہ ہونے کی دلیل نہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ ہر مہلک اور لاعلاج مرض کو دور کرنے کی قدرتِ کاملہ رکھتے ہیں اور اس کے یہاں کوئی مرض لاعلاج نہیں۔ وہ جسے چاہے جیسے چاہے شفایاب کردے۔

۵۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ ظاہری حسن' خوبصورت رنگ' خوبصورت جلد اور بال' جسمانی خوبصورتی اور دنیاوی اموال سب کے اللہ کی نعمت ہیں اور ان کی تمنا کرنا بھی جائز ہے لیکن ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنا ضروری ہے اور ان سے محروم لوگوں کو حقیر یا کمتر خیال کرنا بدترین گناہ ہے۔

چوالیسواں قصہ ﴿۴۴﴾

عالم کی اصلاح ایک خاتون سے

تمہید

کلمۂ حکمت کسی کی میراث نہیں' اللہ تعالیٰ چاہیں تو ناقصات العقل والدین (خواتین) کے ذریعہ علماء امت کی بھی اصلاح فرمادیتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ایک عالم کا واقعہ جن کی ایک خاتون کے ذریعہ اصلاح ہوئی۔

نص الحدیث :۔.........

روى مَالِك في سوطئه عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهُ قَالَ: « هَلَكَتِ امْرَأَةٌ لِي، فَأَتَانِي مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ الْقُرَظِيُّ يُعَزِّينِي بِهَا، فَقَالَ: إِنَّهُ كَانَ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ رَجُلٌ فَقِيهٌ عَالِمٌ عَابِدٌ مُجْتَهِدٌ، وَكَانَتْ لَهُ امْرَأَةٌ، وَكَانَ بِهَا مُعْجَبًا، وَلَهَا مُحِبًّا. فَمَاتَتْ، فَوَجَدَ عَلَيْهَا وَجْدًا شَدِيدًا، وَلَقِيَ عَلَيْهَا أَسَفًا، حَتَّى خَلا فِي بَيْتٍ، وَغَلَّقَ عَلَى نَفْسِهِ، وَاحْتَجَبَ مِنَ النَّاسِ، فَلَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ عَلَيْهِ أَحَدٌ.

وَإِنَّ امْرَأَةً سَمِعَتْ بِهِ، فَجَاءَتْهُ، فَقَالَتْ: إِنَّ لِي إِلَيْهِ حَاجَةً، أَسْتَفْتِيهِ فِيهَا لَيْسَ يُجْزِينِي فِيهَا إِلا مُشَافَهَتُهُ، فَذَهَبَ النَّاسُ وَلَزِمَتْ بَابَهُ، وَقَالَتْ: مَا لِي مِنْهُ بُدٌّ.

فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ: إِنَّ هَاهُنَا امْرَأَةً أَرَادَتْ أَنْ تَسْتَفْتِيَكَ، وَقَالَتْ: إِنْ أَرَدْتُ إِلا مُشَافَهَتَهُ، وَقَدْ ذَهَبَ النَّاسُ، وَهِيَ لا تُفَارِقُ الْبَابَ، فَقَالَ: ائْذَنُوا لَهَا، فَدَخَلَتْ عَلَيْهِ، فَقَالَتْ: إِنِّي جِئْتُكَ أَسْتَفْتِيكَ فِي أَمْرٍ، قَالَ: وَمَا هُوَ؟

قَالَتْ: إِنِّي اسْتَعَرْتُ مِنْ جَارَةٍ لِي حَلْيًا، فَكُنْتُ أَلْبَسُهُ، وَأُعِيرُهُ زَمَانًا، ثُمَّ إِنَّهُمْ أَرْسَلُوا إِلَيَّ فِيهِ، أَفَأُؤَدِّيهِ إِلَيْهِمْ؟ فَقَالَ: نَعَمْ وَاللهِ، فَقَالَتْ: إِنَّهُ قَدْ مَكَثَ عِنْدِي زَمَانًا، فَقَالَ: ذَلِكِ أَحَقُّ لِرَدِّكِ إِيَّاهُ إِلَيْهِمْ حِينَ أَعَارُوكِيهِ زَمَانًا فَقَالَتْ: أَيْ يَرْحَمُكَ اللهُ، أَفَتَأْسَفُ عَلَى مَا أَعَارَكَ اللهُ، ثُمَّ أَخَذَهُ مِنْكَ، وَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْكَ، فَأَبْصَرَ مَا كَانَ فِيهِ، وَنَفَعَهُ اللهُ بِقَوْلِهَا ».

ترجمۃ الحدیث :

امام مالکؒ نے اپنی مؤطاء میں حضرت یحیؒ بن سعید سے نقل کیا ہے کہ قاسمؒ بن محمد نے فرمایا "میری بیوی کا انتقال ہو گیا تو میرے پاس محمد بن کعب القرظیؒ تعزیت کیلئے آئے اور (دورانِ تعزیت میری تسلی کے لئے) فرمایا کہ :

''بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑے فقیہ' عالم و عابد اور مجتہد تھے۔ ان کی ایک بیوی تھی جسے وہ پسند کرتے تھے اور اس سے بڑی محبت تھی' اسکا اچانک انتقال ہو گیا' ان عالم کو سخت ترین صدمہ ہوا اور اتنے غمزدہ ہو گئے کہ اپنے گھر میں تنہائی اختیار کر لی اور دنیا کی ساری سرگرمیاں اپنے اوپر بند کر لیں' لوگوں سے کنارہ کش ہو گئے اور (اتنے گوشہ نشین ہو گئے کہ) کوئی انکے پاس داخل بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

ایک عورت نے ان کا یہ حال سنا تو وہ وہاں آئی اور (لوگوں سے) کہا کہ مجھے ان عالم سے ایک ضروری کام ہے اور میں ان سے ایک فتویٰ معلوم کرنا چاہ رہی ہوں اور ان سے ملے بغیر مجھے اس مسئلہ میں تشفی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور وہ عورت ان کے دروازہ سے لگ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی کہ ان سے ملنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

کسی نے ان عالم سے کہہ دیا کہ یہاں ایک عورت ہے اور آپ سے مسئلہ پوچھنا چاہتی ہے اور کہتی ہے کہ میں انہی سے ملوں گی' سب لوگ جا چکے ہیں جب کہ وہ عورت دروازہ سے جدا نہیں ہوتی۔

ان عالم نے کہا اسے آنے دو' وہ ان کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ: میں ایک معاملہ میں آپ سے فتویٰ لینے آئی ہوں۔ کہنے لگے وہ کیا؟

اس نے کہا کہ: میں نے اپنی ایک پڑوسن سے ایک زیور عاریۃً لیا' میں اسے پہنتی رہی اور ایک زمانہ تک وہ میرے پاس رہا عاریۃً' پھر ان لوگوں نے میرے سے لینے کے لئے کسی کو بھیج دیا تو کیا میں انہیں واپس کر دوں؟

انہوں نے فرمایا کہ ہاں' اللہ کی قسم! وہ کہنے لگی کہ: وہ زیور میرے پاس بہت زمانہ سے ہے اور اب اسے واپس کرنا بڑا شاق ہوتا ہے۔ فرمانے لگے کہ: پھر تو زیادہ ضروری ہے کہ تم اسے انہیں کو واپس کر دو کہ اتنے عرصہ تک انہوں نے تمہیں دیئے رکھا۔ (اب اتنے عرصہ بعد مانگ رہے ہیں تو فوراً اسے لوٹا دو اور اس کا غم نہ کرو) وہ کہنے لگی کہ: محترم! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ پھر آپ ایسی چیز پر کیوں افسوس کرتے ہیں جو اللہ نے عاریۃً آپ کو دی تھی؟ (بیوی) پھر آپ سے واپس لے لی اور وہ اس کا زیادہ حقدار تھا کہ واپس لے لیتا' بس یہ سننا تھا کہ ان عالم کی آنکھیں کھل گئیں اور اللہ نے اس عورت کی اس بات سے انہیں نفع فرمادیا۔

تشریح الحدیث

کلمہ حکمت کسی کی میراث نہیں ہوتی۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی ان پڑھ اور غیر تعلیم یافتہ شخص کی زبان پر ایسے حکیمانہ کلام جاری کر دیتے ہیں کہ اچھے اچھے اہلِ علم کو اس سے فائدہ ہوتا

ہے۔زیرِ نظر واقعہ میں بھی ایک خاتون نے کسی قدر دانشمندی اور غیر محسوس انداز میں بلکہ کسی قدر نفسیاتی طریقہ سے ان عالم کو حقائق کا سامنا کرایا اور ان کو اس صدمہ کی کیفیت سے نکالنے کی کامیاب کوشش کی۔

بلاشبہ بعض اوقات انسان پر صدمہ کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ وہ ہر چیز سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور اس حالت میں اس سے کوئی کام اور ذمہ داری بھی نہیں نبھائی جاتی۔ جیسا کہ اِن عالم کے ساتھ ہوا کہ باوجودیکہ وہ عالم تھے' فقیہ اور مجتہد تھے' ان سے زیادہ کس کو یہ علم ہو سکتا تھا کہ صدمہ کی حالت میں صبر کرنا اور اللہ کی رضا پر راضی رہنا ہی ایمان اور اسلام ہے' ظاہر ہے وہ دانستہ تو یہ نہیں کر رہے تھے کہ دنیا سے بالکل منہ موڑ لیا تھا وہ صدمہ کی ایسی کیفیت تھی جس میں انسان بے خود سا ہو جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ایسی کیفیت سے کسی معمولی سی بات کے ذریعہ' کسی چھوٹے سے واقعہ کے ذریعہ نکال دیتے ہیں' جیسے انہی عالم کو جب خاتون نے "مسئلہ" کے ذریعہ اس حقیقت تک رسائی کرائی کہ وہ تو ایک امانت تھی جسے واپس لینے کا مکمل اختیار اس کے مالک کو تھا' تو انہیں فوراً احساس ہوا اور وہ صدمہ کی اس کیفیت سے باہر نکل آئے۔

اسی طرح رسول کریم ﷺ کے سانحۂ وفات پر جب صحابہ کرامؓ پر غم و صدمہ میں سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تو اس موقع پر صدیقِ اکبرؓ کا سورۂ آلِ عمران کی وما محمد الأرسول الخ والی آیات کی تلاوت نے صحابہؓ میں ایک نئی روح پھونک دی اور ان کے بے قرار دلوں کو سکون مل گیا۔

بلاشبہ زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے جسے انسان کو استعمال کرنا ہے اور استعمال میں خیانت نہیں کرنی۔ اور جب وہ اپنی امانت واپس لینا چاہے تو جب چاہے لے سکتا ہے اس میں کسی کو چوں چرا کی مجال نہیں۔ جانے والے کا صدمہ اور غم اپنی جگہ کہ یہ اس سے محبت و تعلق کا حق بھی ہے لیکن وہ صدمہ اور غم دین کے کاموں اور دیگر ضروری مشاغل میں حارج ہو جائے تو وہ "محمود" نہیں بلکہ "مذموم" ہو جاتا ہے۔

چند عبرت و نصائح

اس واقعہ میں اربابِ فکر و دانش کے لئے بے شمار فوائد پوشیدہ ہیں۔

۱۔ بنیادی فائدہ تو یہ حاصل ہوا کہ صدمہ اور غم کو اپنے اوپر طاری کرنا اور اس طرح مسلط کر لینا کہ دوسرے کاموں میں حرج اور خلل واقع ہونے لگے' اور دوسرے فرائض اور ذمہ داریوں میں خواہ وہ دینی نوعیت کی ہوں یا دنیاوی' کسی قسم کی کمی ہونے لگے تو وہ صدمہ اور غم شریعت کے خلاف ہے اور اللہ کے یہاں "محمود" نہیں "مذموم" ہو جاتا ہے' کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی

رضا پر راضی نہیں اور یہ سخت گناہ ہے۔ رضا بالقضا کے بھی خلاف ہے۔

۲۔ تعزیت کرنا اور غم و صدمہ سے دوچار حضرات کو تسلی دینا اور ان کے غم میں شریک ہونا' نہ صرف متعلقین کا حق ہے بلکہ شرعی حکم بھی ہے اور حدیث سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے' جیسا کہ محمد بن کعب القرظیؒ نے قاسم بن محمدؒ سے تعزیت کی۔

۳۔ تعزیت میں ایسی بات کرنا چاہئے جس سے صاحبِ غم کی تسلی و دلجوئی ہو اور اس کے غم کی شدت میں کمی کا امکان ہو' جیسے محمد بن کعبؒ القرظی نے مذکورہ بالا واقعہ قاسم بن محمدؒ کو سنایا' اور اس کی وجہ بھی ان کی تسلی کا سامان کرنا تھا۔

۴۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ کبھی اہلِ علم اور صلحاء و اتقیاء پر بھی غفلت اور ذہول طاری ہو جاتا ہے اور وہ اپنے علم سے کچھ دیر کے لئے غافل ہو جاتے ہیں لیکن پھر کسی کے معمولی تذکرہ اور یاد دلانے سے یا کسی بھی معمولی واقعہ سے انہیں تنبیہ ہو جاتی ہے اور وہ اس غفلت سے نکل آتے ہیں۔

۵۔ جب کسی صاحب علم' مقتدا اور دینی رہنما سے کسی ذہول یا غفلت کا صدور ہو تو اہلِ عقل و دانش پر لازم ہے کہ وہ پوری بصیرت اور تدبر و حکمت سے اس ذہول اور غفلت کو دور کرنے کی کوشش کریں جس میں وہ مقتدا اور عالم مبتلا ہے' جیسا کہ ان عالم سے ذہول ہوا اور پھر ایک صاحبِ فکر خاتون نے حکمت و بصیرت کے ساتھ ان کی غفلت کے دور کرنے کا سامان کیا۔

۶۔ اس واقعہ سے ایک بات یہ ثابت ہوئی کہ وہ خاتون بڑی صاحبِ بصیرت اور دانشور تھیں اور انہیں اس بات کا خوب اندازہ تھا کہ ایک عالم کی غفلت بعض اوقات کل عالم کی غفلت کا سبب بن جاتی ہے' لہٰذا انہیں اس کیفیت سے نکالنے کی کوشش کرنا چاہیئے اور ان کے نزدیک اس کی اتنی اہمیت تھی کہ ان عالم کی چوکھٹ پکڑلی اور اپنے سارے وقار کو پسِ پشت ڈال دیا۔

۷۔ عورتوں میں بھی بصیرت اور تفقہ پایا جاتا ہے اور بعض اوقات وہ مردوں سے زیادہ صاحبِ فکر و نظر ثابت ہوتی ہیں جس پر یہ واقعہ شاہد ہے۔

۸۔ مثالوں اور نظائر سے بات کی حقیقت سامنے آجاتی ہے اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بات کو کار آمد' موثر اور زیادہ واضح کرنے کے لئے مثالوں اور نظائر سے کام لینا چاہیئے۔

قرآن کریم نے بھی متعدد مقامات پر عجیب مثالوں کے ذریعہ بات کو واضح فرمایا' رسول اللہ ﷺ نے بھی متعدد مثالوں سے اپنی بات کو واضح فرمایا ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں مثالیں پیش کرنا بہتر اور اچھی بات ہے۔

۹۔ بیوی سے شدید محبت ناجائز نہیں ہے بلکہ اس کا حق بھی ہے اور انسان کیلئے عفت کا سبب ہے' حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے' البتہ یہ ضرور ہے کہ بیوی کی محبت اللہ کے احکام پر غالب نہ آجائے

اور اس محبت کی وجہ سے شریعت کے ضروری اور لازمی احکام کو پسِ پشت نہ ڈالا جائے' اگر بیوی کی محبت کی وجہ سے احکامِ شریعت سے غفلت یا گناہوں کا ارتکاب ہو تو ایسی محبت ناجائز ہے۔

۱۰۔ تعزیت کرنے میں ایسے واقعات بیان کرنا جو صاحب غم کی دینی رہنمائی کا بھی ذریعہ بنیں بہتر ہے' غم وصدمہ کے وقت میں عموماً ہمدردی اور دلجوئی کا تو خیال کیا جاتا ہے لیکن اگر صاحبِ غم کسی گناہ یا معصیت کا ارتکاب کر رہا ہے تو یہ سوچ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اس پر تو ویسے ہی غم کا پہاڑ ٹوٹا ہوا ہے ایسے وقت میں اسے کیا نصیحت کریں' یہ سوچ غلط ہے' جہاں صاحبِ غم کی تسلّی' اس سے تعزیت اور اسکی دلجوئی شریعت کا حکم ہے وہیں اگر وہ گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہوں تو اس سے روکنا بھی اصحابِ تعزیت کی ذمہ داری ہے' چنانچہ اس واقعہ میں ان عالم سے غم کی شدت میں نادانستگی میں ایک معصیت کا ارتکاب ہو رہا تھا اور وہ تھی رضاءِ الٰہی پر راضی نہ ہونا تو ان خاتون نے انہیں اس انداز سے نصیحت کی کہ انہیں ناگوار بھی نہ ہوا اور فائدہ بھی ہو گیا کہ وہ صدمہ اور غم کی اس کیفیت سے نکل آئے۔

﴿إنّ فی ذالِك لَعِبرةً لأولی الأبصَار﴾
بلاشبہ اس میں اصحاب بصیرت کیلئے واقعی عبرت کا سامان ہے۔

حصہ پنجم

غلط کاروں کے
عبرت انگیز واقعات

پینتالیسواں قصہ ﴿۴۵﴾

پدرم سلطان بود

تمہید

جس انسان کو زندگی میں کوئی کمال حاصل نہ ہو تو وہ اپنی عزت بنانے کیلئے اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرتا ہے' اگر آباء واجداد پر فخر بطور تحدیث نعمت ہے کہ وہ دینی خدمات کے اعتبار سے ممتاز اور مقتدا تھے تو یہ گناہ نہیں' لیکن بے دین اور خدا سے غافل لوگوں پر انکی دنیاوی حیثیت کے اعتبار سے فخر کرنا نہ صرف غیر مستحسن ہے بلکہ ناجائز اور گناہ ہے' تفاخر بالآباء میں مبتلا دو افراد کا عبرت انگیز واقعہ جس سے اس عمل کی شناعت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

نص الحدیث:

روى أحمد في مسنده عَنْ أُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ: انْتَسَبَ رَجُلان عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: أَنَا فُلانُ بْنُ فُلان، فَمَنْ أَنْتَ لا أُمَّ لَكَ؟

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: (انْتَسَبَ رَجُلان عَلَى عَهْدِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلام، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: أَنَا فُلانُ بْنُ فُلان، حَتَّى عَدَّ تِسْعَةً، فَمَنْ أَنْتَ لا أُمَّ لَكَ؟ قَالَ: أَنَا فُلانُ ابْنُ فُلان ابْنُ الإسْلام. قَالَ: فَأَوْحَى اللهُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلام أَنَّ هَذَيْنِ الْمُنْتَسِبَيْنِ: أَمَّا أَنْتَ أَيُّهَا الْمُنْتَمِي أَوِ الْمُنْتَسِبُ إِلَى تِسْعَةٍ فِي النَّارِ، فَأَنْتَ عَاشِرُهُمْ، وَأَمَّا أَنْتَ يَا هَذَا الْمُنْتَسِبُ إِلَى اثْنَيْنِ فِي الْجَنَّةِ، فَأَنْتَ ثَالِثُهُمَا فِي الْجَنَّةِ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک بار دو افراد نے ایک دوسرے کے نسب کی تحقیق شروع کر دی' چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ:

میں فلاں ابنِ فلاں ہوں' تو کون ہے' تیری ماں نہ رہے؟ (یہ ایک استخفافی کلمہ ہے جس سے بددعا دینا مقصود نہیں ہوتا' جیسے اردو میں کہا جاتا ہے تیرا ستیاناس ہو) رسول اللہ ﷺ نے (یہ بات سنی تو) فرمایا کہ:

''حضرت موسیٰ علیہ اسلام کے عہد میں دو آدمیوں نے ایک دوسرے کے نسب کی تحقیق کرنی شروع کر دی ان میں سے ایک نے کہا کہ: میں فلاں بن فلاں ہوں (یہاں تک کہ اپنے آباء واجداد میں سے نو نام گنوا دیئے اور تو کون ہے' تیری ماں نہ رہے؟ دوسرے نے کہا کہ: میں فلاں بن فلاں بن اسلام ہوں (یعنی میرا نام یہ ہے اور میرے والد فلاں تھے اور وہ اسلام کے بیٹے تھے یعنی مسلمان تھے)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ یہ دونوں نسب بیان کرنے والے ‘ان میں سے وہ جس نے نو تک اپنے آباء واجداد شمار کرائے وہ نو کے نو جہنم میں ہیں اور ان کا دسواں یہ ہے ‘اور اے وہ شخص جس نے دو تک اپنا نسب بیان کیا تو وہ دونوں جنت میں ہیں اور تو انکا تیسرا ہے جنت میں ”۔

تخریج الحدیث :

مسند احمد ۱۲۸/۵۔ رواہ المقدسی فی "المختارۃ" والبیہقی فی "شعب الایمان"۔

تشریح الحدیث

تمام انسانوں کی اصل ایک ہے ‘سب کے سب آدم کی اولاد ہیں۔ علاقہ ‘قبیلہ ‘وطن ‘قوم ‘زبان کی اکائیاں فقط پہچان اور شناخت کے لئے ہیں نہ کہ یہ معیارِ فضیلت ہیں (کلکم لآدمؑ و آدم من تراب) حدیث میں حضور علیہ السلام نے بات واضح فرمادی کہ تم سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے ہیں ‘گویا تم سب کی اصل بھی مٹی ہے اور تمہیں ہونا بھی مٹی ہی ہے یعنی تمہارے وہ مفاخر نہ پہلے تھے نہ آئندہ رہیں گے سب خاک رسیدہ ہوئے ہیں اور سب کو خاک رسیدہ ہونا ہے۔

انسان کی ایک غلط عادت یہ ہے کہ وہ اپنے آباء پر فخر کرتا ہے کہ میرے باپ دادا یوں تھے ‘ایسے تھے ویسے تھے۔ فخر بالآباء کی یہ عادتِ شنعیہ عربوں میں دورِ جہالت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور وہ باقاعدہ اسی مقصد کے لئے مجلسیں منعقد کرتے تھے۔

تفاخر بالآباء در حقیقت اپنے آپ کو دوسروں سے افضل و بلند قرار دینے کا اعلان ہے جو سراسر اسلام کے نظریۂ مساوات سے متصادم ہے بالخصوص کافر باپ دادوں پر فخر کرنا تو بدترین گناہ ہے ‘بادشاہ کے بیٹے کو اس بناء پر کوئی اختصاص وامتیاز اور فضیلت نہیں کہ وہ بادشاہ کا بیٹا ہے ‘تقویٰ سے خالی اور عمل سے عاری بادشاہ کا بیٹا اور بھنگی کا بیٹا برابر ہیں اللہ کی نظر میں ‘اور بھنگی کا بیٹا اگر صاحبِ تقویٰ ہو جائے تو اللہ کی نظر میں بادشاہ کے بیٹے سے افضل ہے ۔

انسان نہیں کوئی بھی انسان سے افضل
معیار ہے تقویٰ کوئی عالم ہو کہ اجہل

یاأیّھاالنّاسُ إنّاخلَقناکُم من ذکَرٍ وَّ أُنثی وجعلناکُم شُعوباً وَّ قبائل لتعارفُوا۔اِنَّ أکرَمکُم عنداللّٰہِ أتقاکُم(الحجرات/۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں بنادیا ہے مختلف ذاتیں اور قبائل تاکہ آپس میں پہچان سکو۔

قرآن کریم نے اس حقیقت کو واضح اور دوٹوک الفاظ میں بتلادیا ہے ‘رنگ ونسل ‘علاقائیت و وطنیت ‘ذات اور قبیلہ کی بنیادیں جاہلی تعصبات ہیں اور انسانیت کیلئے بدبودار ‘متعفن بنیادیں ہیں ‘بارہا

ان پر فخر ومباہات باہمی جنگوں اور خونریزیوں کا باعث بنا ہے۔
کسی متقی اور پرہیز گار کا بیٹا اس بناء پر قابل تکریم اور صاحبِ عظمت نہیں کہ اس کا باپ متقی تھا۔ نبی کا بیٹا ابنِ نبی ہونے کی بناء پر قابلِ اعزاز نہیں اس کا اپنا عمل اسے معزز وذلیل بناتا ہے' نوحؑ کا بیٹا اپنے عمل کی بناء پر مردود ہوا اور یعقوبؑ وابراہیمؑ کے بیٹے اپنے عمل کی بناء پر معزز ومکرم ہوئے۔
بہر کیف! زیر نظر واقعہ میں رسول کریم ﷺ نے دو افراد کو تفاخر بالآباء میں مبتلا دیکھ کر ان کی اصلاح فرمائی اور انہیں عہدِ موسویؑ کا ایک عجیب واقعہ سنایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے دور میں بھی ایک مرتبہ دو آدمیوں کے درمیان تفاخر بالآباء کا واقعہ پیش آیا۔
ایک نے دوسرے کو حقیر سمجھتے ہوئے اور اپنے آپ کو افضل قرار دیتے ہوئے کہا کہ: میں تو فلان بن فلاں بن فلاں.......... ہوں (حتیٰ کہ نو اجداد تک شمار کر دیئے) مگر تو کون ہے؟ تیری ماں نہ ہو' اس نے اپنے آپ کو بہت بڑے خاندان کا ظاہر کیا اور اپنے باپ دادوں پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے اپنے نو اجداد شمار کرا دیئے جو سب کے سب کافر تھے۔ اور دوسرے سے حقارت آمیز انداز میں دریافت کیا کہ تو کون ہے؟
یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ میں تو فرعون بن فرعون بن فرعون ہوں اور تو؟ تیری کیا حیثیت ہے؟ تو کون ہے؟ تجھے تو کوئی جانتا نہیں کہ تو کس باپ کا بیٹا ہے؟ کس ماں کا جنم دیا ہوا ہے؟
غرض دوسرے نے پہلے کا یہ تحقیر آمیز انداز دیکھا اور تحمل سے جواب دیا کہ میں فلاں بن فلاں بن اسلام ہوں۔ یعنی اپنی شناخت بتلا دی کہ میرے باپ کا نام یہ ہے اور دادا کا یہ اور وہ اسلام کے بیٹے تھے' مقصد یہ کہ میرے آباء واجداد میں دادا سے پہلے سب کافر تھے تو اپنے ساتھ کافر ناموں کو کیوں لگاؤں' مجھے کافروں پر فخر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟
حضرت سلمان فارسیؓ کے متعلق آتا ہے کہ ایک بار چند لوگوں نے اپنے آباء واجداد کا ذکر کیا۔ جب حضرت سلمانؓ فارسی کا نمبر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ: میں تو ابنِ اسلام ہوں (اسلام کا بیٹا ہوں) مقصد یہ تھا کہ میرے باپ دادا سب کافر تھے تو اب اسلام کی نعمت ملنے کے بعد اپنے آپ کو ان کی طرف کیوں منسوب کروں؟ جب حضرت عمرؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو رو پڑے اور فرمانے لگے کہ: وانا ابن الإسلام۔ میں بھی اسلام کا بیٹا ہوں کہ حضرت عمرؓ کے والد بھی کافر تھے۔
تو اس شخص نے اپنے مسلمان باپ دادا کا ذکر تو کیا لیکن اس کے بعد چونکہ اجداد سب کافر تھے تو ان کا ذکر کرنے کے بجائے اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کر دیا۔
اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلا دیا کہ پہلا شخص جس نے نو اجداد تک شمار کر کے ان پر فخر کیا باوجود ان کے کافر ہونے کے' تو وہ سب کے سب جن پر اس نے فخر کیا جہنمی

ہیں اور ان کا دسواں یہ ہے جو جہنم میں جائیگا' کیونکہ اس نے کافر آباء پر فخر کا اظہار کیا ہے' جبکہ دوسرا شخص جس نے تحمل سے بات سنی اور دوسرے کے تحقیر کرنے کے باوجود اپنے آباء پر فخر کا اظہار نہیں کیا اور صرف اپنے مسلمان باپ دادا کا ذکر کرنے پر اکتفا کر کے اسلام کی طرف اپنے کو منسوب کیا تو وہ دونوں یعنی اس کے باپ دادا جنتی ہیں اور یہ ان کا تیسرا ہے جنت میں' کہ اس نے اسلام پر فخر کیا اور آباء پر فخر نہ کیا۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ آباءواجداد پر فخر کرنا خصوصاً جب کہ وہ کافر ہوں بدترین گناہ کبیرہ ہے اور ایسا کرنا اسلام کی اہانت کے مترادف ہے۔

۲۔ جاہلی تعصبات' رنگ و نسل کی بنیاد پر تفریق' علاقائیت و وطنیت کے تمام بت اسلام نے توڑ دیئے اور ہر قسم کی عصبیت کو حرام قرار دیا جو انسان کو اپنے رنگ و نسل پر' اپنے علاقہ و وطن پر' اپنے قبیلہ' برادری اور قوم پر فخر کا راستہ دکھائے۔

۳۔ حق پر اپنے آباءواجداد کی اتباع اور اسلام پر ان کی تابعداری عصبیت نہیں۔

۴۔ کسی برائی کو ختم کرنے کیلئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس سے متعلق کوئی عبرت خیز اور سبق آموز واقعہ بتلایا جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے نسب پر فخر کرنے والے دو افراد کی اصلاح کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذکورہ واقعہ سنایا۔

۵۔ کسی کے حقیر کہنے اور سمجھنے سے انسان حقیر نہیں ہو جاتا' اصل حقارت یا اعزاز تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کے یہاں مدار حقارت و اعزاز' نسب کا بلند و پست ہونا اور خاندان و قبیلہ کا اشرف و ارذل ہونا نہیں وہاں معیار شرافت تقویٰ ہے۔ جو اس معیار پر پورا اترے وہ شریف' معزز' مکرم اور قابلِ اعزاز و تکریم ہے اور جو اس معیار پر نہ اترے وہ ذلیل' رذیل' اور قابلِ اہانت و تحقیر ہے۔

چھپالیسواں قصہ ﴿۴۶﴾

جرأتِ گستاخانہ

تمہید

بعض اوقات انسان کی زبان سے نکلا صرف ایک کلمہ اس کی دنیا و آخرت تباہ کرنے کیلئے کافی ہوتا ہے اور عمر بھر کی عبادت وریاضت ضائع ہو جاتی ہے' کسی گناہگار کو حقیر سمجھنا یا اسے ناقابلِ مغفرت تصور کرنا بجائے خود ایک ناقابلِ معافی جرم ہے' مغفرت اور عدم مغفرت کے فیصلے کرنا ظلوم وجہول کی شان نہیں علم و خبیر کی شان ہے' کسی گناہگار کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے یا اس پر کوئی تبصرہ و فیصلہ صادر کرنے والے حضرات اس واقعہ کا ضرور مطالعہ کریں اور اس آئینہ میں اپنی تصویر دیکھیں جو زبانِ نبوت نے دکھائی ہے

نص الحدیث:

روى مسلم في صحيحه عَنْ جُنْدَبٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَدَّثَ أَنَّ(رَجُلا قَالَ: واللهِ لا يَغْفِرُ اللهُ لِفُلان، وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ: (مَنْ ذَا الَّذِي يَتَأَلَّى عَلَيَّ أَنْ لا أَغْفِرَ لِفُلان، فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِفُلان، وَأَحْبَطْتُ عَمَلَكَ) أَوْ كَمَا قَالَ.

وروى أبو داود في سننه: عن أبي هُرَيْرَةَ قال: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: (كَانَ رَجُلان فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ مُتَوَاخِيَيْنِ، فَكَانَ أَحَدُهُمَا يُذْنِبُ، وَالآخَرُ مُجْتَهِدٌ فِي العِبَادَةِ، فَكَانَ لا يَزَالُ الْمُجْتَهِدُ يَرَى الآخَرَ عَلَى الذَّنْبِ فَيَقُولُ: أَقْصِرْ.

فَوَجَدَهُ يَوْمًا عَلَى ذَنْبٍ فَقَالَ لَهُ: أَقْصِرْ. فَقَالَ: خَلِّنِي وَرَبِّي أَبُعِثْتَ عَلَيَّ رَقِيبًا؟ فَقَالَ: واللهِ لا يَغْفِرُ اللهُ لَكَ، أَوْ لاَ يُدْخِلُكَ اللهُ الْجَنَّةَ .

فَقَبَضَ أَرْوَاحَهُمَا، فَاجْتَمَعَا عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فَقَالَ لِهَـذَا الْمُجْتَهِدِ: أَكُنْتَ بِي عَالِمًا، أَوْ كُنْتَ عَلَى مَا فِي يَدِي قَادِرًا؟ وَقَالَ لِلْمُذْنِبِ: اذْهَبْ، فَادْخُلِ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِي، وَقَالَ لِلآخَرِ: اذْهَبُوا بِهِ إِلَى النَّارِ).

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَوْبَقَتْ دُنْيَاهُ وَآخِرَتَهُ.

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے' دونوں میں بہت بھائی چارہ تھا' ایک گناہگار تھا (کثرت سے گناہ

کرتا تھا) جبکہ دوسرا عبادت گزاری میں محنت و مشقت کرتا تھا' عبادت گزار دوست' دوسرے کو جب بھی گناہ پر دیکھتا تو ہمیشہ اسے روکتا اور اسے کہتا کہ باز آجا۔ ایک روز حسبِ معمول اس نے اسے کوئی گناہ کرتے دیکھا تو کہنے لگا کہ: رک جا! وہ گنہگار کہنے لگا: اللہ کیواسطے میرا راستہ چھوڑ دے (میرا پیچھا چھوڑ دے) کیا تجھے میرا نگراں بنا کر بھیجا گیا ہے؟ یہ عبادت گزار کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تیری مغفرت نہیں کریگا یا کہا کہ اللہ تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا!۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں کی روح قبض کرلی اور دونوں (کی روحیں) رب العالمین کے دربار میں جمع ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے عبادت گزار سے فرمایا:

کیا تو میرے فیصلہ کو جانتا تھا یا میرے اختیار میں جو کچھ ہے اس پر قادر تھا؟ (کہ اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتا) اور گناہگار سے فرمایا کہ:

جا! تو جنت میں میری رحمت سے داخل ہو جا اور عبادت گزار کیلئے فرمایا کہ اسے جہنم میں لیجاؤ"۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: قسم ہے اس ذت کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اس نے ایک ایسی بات کہی جس نے اس کی دنیا و آخرت تباہ کردی۔

حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ:

"ایک آدمی نے یوں کہا کہ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں کی مغفرت نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو مجھ پر اتنی جرأتِ گستاخانہ کر رہا ہے کہ میں فلاں کی مغفرت نہیں کروں گا۔ بلاشبہ میں نے فلاں کی مغفرت کردی اور تیرا عمل ضائع کردیا"۔

تخریج الحدیث:

۱۔ سنن ابوداؤد۔ کتاب الأدب رباب فی النہی عن البغی' ۱۹۰۱۔

۲۔ صحیح مسلم رکتاب البر والصلۃ والآداب ر ۲ر' ۳۲۹

تشریح الحدیث

رسول کریم ﷺ نے اس حدیث میں مذکورہ واقعہ بتلا کر ایک خطرناک مرض کی نشاندہی اور اس کا انجام بتلایا ہے اور وہ خطرناک مرض گناہگار اور بدکردار انسان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اسکی تو مغفرت نہیں ہو سکتی یا اسے مغفرت نہ ہونے یا گناہگار ہونے کا طعنہ دینا یا اسے کمتر اور حقیر تصوّر کرنا ہے۔

بلاشبہ گناہ سے نفرت کرنا تو ایمان کی علامت ہے لیکن گناہ سے نفرت کا مطلب یہ نہیں کہ گناہگار سے نفرت کی جائے' اس لئے کہ گناہگار کو اللہ تعالیٰ کسی بھی وقت ہدایت عطا فرما سکتے ہیں اور صاحب اعمال حسنہ سے نیک اعمال کی توفیق کسی بھی وقت سلب کی جاسکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ

جس شخص کو گناہگار، نا قابلِ مغفرت اور حقیر سمجھا جارہا ہے، حقیقتاً اس کا کوئی نیک عمل ایسا ہو جو اس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب بن جائے۔

غرضیکہ کسی کو گناہگار ہونے کی وجہ سے کمتر، حقیر اور نا قابلِ مغفرت سمجھنا ایسا خطرناک مرض ہے جو انسان کی عمر بھر کی نیکیاں، اعمالِ صالحہ اور حسنات کا چشم زدن میں خاتمہ کر دیتا ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ برائی کے مرتکب کو برائی سے بچانا اور اس کیلئے سعی بلیغ کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت واہمیت ہر مسلمان پر واضح ہے لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مرتکب معاصی کو کسی طرح حقارت کا احساس نہ دلایا جائے۔

زیرِ نظر واقعہ میں نیک اعمال والا شخص اپنے بد عمل دوست کو گناہ سے روکنے اور نیک اعمال کی طرف راغب کرنے کی کوشش تو کرتا تھا لیکن فہم اسلام سے چونکہ عاری تھا لہٰذا جب اسے سمجھاتے سمجھاتے اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو اس نے قسم کھا کر یہ دعویٰ کر دیا کہ:

"اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تیری مغفرت نہیں فرمائیں گے یا یہ کہ تو جنت میں داخل نہ ہو گا"۔

یہ جملہ نہایت خطرناک تھا، اس میں ایک جانب تو گنہگار اور بد عمل دوست کی تحقیر، تذلیل اور اسے اللہ کی رحمت سے مایوس کرنے کا عنصر پایا جاتا ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر میں اپنی ٹانگ اڑانے کی احمقانہ کوشش بھی کار فرما نظر آتی ہے اور وہ یوں سمجھ رہا تھا کہ جنت و دوزخ کا وہ خود ٹھیکیدار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا یہ دی کہ اس کو فرمایا کہ: ہم نے تیرے سارے عمر بھر کے اعمال ضائع کر دیئے اور جس کیلئے تو نے نا قابلِ مغفرت ہونے کا دعویٰ صادر کیا تھا اس کی مغفرت فرماتے ہیں۔

بعینہٖ یہی مرض دورِ حاضر میں بھی بہت سے لوگوں کو لاحق ہے، یہ درحقیقت شیطان کا بہکاوا ہے اور شیطان کا یہ بہکاوا بالخصوص ان لوگوں کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے جو حدیث العہد بالأعمال والدین ہوتے ہیں یعنی جن لوگوں نے دینداری کے اعتبار سے دین کے احکام کے مطابق زندگی گزرنا نیا نیا شروع کیا ہوتا ہے وہ جب نیکی اور عمل صالح کی راہ میں قدم رکھتے ہیں تو اپنے سوا ہر دوسرے کو گناہگار سمجھنے لگتے ہیں حتیٰ کہ اگر کسی کو خلافِ سنت کرتے بھی دیکھ لیا تو اسے بے عمل اور بے قیمت تصور کرتے ہیں۔ یہ خطرناک مرض انسان کو جہنم کے گڑھے میں لے جا کر ڈالتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس مرضِ خبیثہ سے محفوظ و مامون فرمائے اور سب مسلمانوں کا احترام و عظمت دلوں میں پیدا فرمائے۔ آمین

چند عبرت ونصائح

۱۔ گناہگار سے نفرت کرنا، اسے قابلِ حقارت سمجھنا، اسے نا قابلِ مغفرت سمجھنا اور اس کی تذلیل

کرنا سخت گناہ ہے۔ گناہ سے تو نفرت کی جائے لیکن گناہ گار سے نہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ پر قسم کھا کر کوئی دعویٰ کر دینا کہ وہ ضرور ایسا کرے گا' یا ایسا نہ کرے گا' سخت گستاخانہ اور حد ادب سے متجاوز عمل ہے اور اللہ کی قضاء و قدر کے اندر مداخلت کے مترادف ہے۔ جس کی سزا بھی بہت سخت ہے۔

البتہ کچھ اللہ کے بندے اس مقام کے حامل ہوتے ہیں جہاں وہ اللہ سے ناز کرتے ہیں اور ان کا مقام یہ ہوتا ہے کہ وہ اگر کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی بزرگی اور اپنے دربار میں ان کے بلند مقام کی وجہ سے ان کے قول اور قسم کی لاج رکھ لیتے ہیں اور ان کی کہی ہوئی بت کو پورا فرما دیتے ہیں' چنانچہ کتبِ حدیث میں اسکی متعدد مثالیں موجود ہیں مثلاً دانت ٹوٹنے کا واقعہ مشہور ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو وہ ان کی قسم کو پورا کر دے"۔

۳۔ کسی شخص کے نیک اعمال کی بناء پر اس کے جنتی ہونے یا برے اعمال پر جہنمی ہونے کا فتویٰ صادر کرنا سخت غلطی اور گناہ ہے' اس لئے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون جہنمی۔ چنانچہ حدیثِ صحیح میں آتا ہے کہ بعض اوقات کوئی شخص جنت کے اعمال کرتے کرتے کوئی ایسا عمل کر دیتا ہے کہ وہ مستحقِ جہنم ہو جاتا ہے اور اس کے برعکس کوئی عملِ جہنم کرتے کرتے کوئی ایسا نیک عمل کر دیتا ہے کہ وہ مستحقِ جنت بن جاتا ہے۔

لہٰذا یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص جنت میں لیجانے والے اعمال کر رہا ہے یا فلاں شخص جہنم واجب کرنے والے گناہوں میں مبتلا ہے لیکن جنتی اور جہنمی ہونے کا فیصلہ صادر کرنا سخت گناہ اور بے احتیاطی کی بات ہے۔

۴۔ سوءِ خاتمہ سے بہت ڈرنا چاہئے' کوئی نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کس طرح ہوگا؟ اس واقعہ میں بھی عمر بھر مجاہدے اور ریاضت کرنے والا اور بے شمار اعمالِ صالحہ کرنے والا شخص اچانک ایک جملہ کے سبب مستحقِ جہنم ہو گیا۔ خاتمہ علی الایمان اور خاتمہ بالخیر کے لئے بہت دعا کرنا چاہئے اور اللہ سے ڈرتے رہنا اور عافیت مانگتے رہنا چاہئے۔

۵۔ حدیث میں اہل السنت کے اس موقف کی دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو کسی گناہگار کو بغیر توبہ کے معاف فرما دیں جیسا کہ اس مرتکبِ معاصی کی بغیر توبہ کے مغفرت فرما دی حالانکہ وہ گناہوں پر مُصر اور جما ہوا تھا۔

سینتالیس واں قصہ ﴿۴۷﴾

سنگ دل عورت کی سفاکی

تمہید

رحمت وکرم، ہمدردی اور مہربانی رحمان ورحیم کی صفات ہیں اور جس بندہ میں پائی جائیں وہ رحمٰن ورحیم کے قریب ہوتا ہے، اسکے برعکس سنگدلی وشقاوت، سفاکی وقساوت شیطانی خصوصیات میں سے ہیں اور جس بندہ میں پائی جائیں اسے شیطان کی اصل کیطرف یعنی آگ کیطرف لیجانے کا باعث بنتی ہیں۔ ایک ظالم وسنگدل عورت کا واقعہ عبرت جسے ایک بے زبان بلی کو تنگ کرنے کے جرم میں آتشِ جہنم کا ایندھن بنایا گیا۔

نص الحدیث:

روى البخاري عَنِ ابنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا، فَلَمْ تُطْعِمْهَا، وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الأَرْضِ).

وفي رواية عند البخاري: (عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ، فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ، لا هِيَ أَطْعَمَتْهَا، وَلا سَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا، وَلا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الأَرْضِ).

وقد رأى الرسول ﷺ هذه المرأة التي ربطت الهرة في النار عندما رأى الجنة والنار في صلاة الكسوف، ففي صحيح البخاري عن أسماء بنت أبي بكر أن الرسول ﷺ قال: (وَدَنَتْ مِنِّي النَّارُ حَتَّى قُلْتُ: أَيْ رَبِّ وَأَنَا مَعَهُمْ؟ فَإِذَا امْرَأَةٌ. حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: تَخْدِشُهَا هِرَّةٌ، قُلْتُ: مَا شَأْنُ هَذِهِ؟ قَالُوا: حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا، لا أَطْعَمَتْهَا، وَلا أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ . قَالَ نَافِعٌ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: مِنْ خَشِيشٍ أَوْ خَشَاشِ الأَرْضِ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے جہنم میں داخل کیا گیا جسے اس نے باندھ رکھا تھا، نہ تو اسے خود کھانا دیتی تھی نہ اسے چھوڑتی تھی کہ از خود زمین کے کیڑے مکوڑے اور حشرات الأرض کا شکار کرکے پیٹ بھرلے"۔

دوسری روایت میں ہیکہ: "بلی کو قید کررکھا یہانتک کہ وہ بھوک پیاس سے مر گئی"

رسول کریم ﷺ نے اس عورت کو جہنم میں عذاب میں مبتلا دیکھا جب نماز کسوف کی ادائیگی کے دوران رسول اللہ ﷺ کو جنت و دوزخ دکھلائی گئی تھیں۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ کسوف کے دوران جہنم کے آگے بڑھنے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اور جہنم کی آگ میرے بہت قریب ہو گئی حتی کہ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! میں ان (لوگوں) میں موجود ہوں (میری موجودگی کے باوجود آپ کا عذاب آرہا ہے) اور میں نے اس آگ میں ایک عورت کو دیکھا (راوی فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہیکہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا) کہ اسے ایک بلی کھونچے مار رہی ہے' میں نے پوچھا کہ اس کا کیا معاملہ ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ: اس نے اس بلی کو قید کر رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی نہ اسے خود کھلاتی تھی نہ چھوڑتی تھی کہ از خود زمین میں پھرنے والے حشرات الأرض کیڑے مکوڑے کھالے"۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ عورت بنی اسرائیل میں سے تھی۔

تخریج الحدیث:

۔ صحیح البخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ باب اذا وقع الذباب فی اناء احدکم ۳۵۶/۶۔

صحیح مسلم۔ کتاب البر والصلۃ والآداب۔ باب تحریم تعذیب الہرۃ ونحوھا من الحیوان ۳۶۹/۲۔

تشریح الحدیث

سفاکی و سنگدلی کی یہ انتہا تھی کہ ایک بے زبان جانور کو باندھ کر بھوکا پیاسا مار دیا' ظالم سے ظالم اور شقی القلب ایسا نہیں کر سکتا۔ اسلام تو صرف انسانوں پر ہی نہیں' جانوروں پر بھی رحم و کرم اور حسنِ سلوک کا درس دیتا ہے۔

بے زبان جانور کے ساتھ یہ ظلم و سفاکی اس بڑھیا کو جہنم میں لیجانے کا سبب بن گئی' حدیث میں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ کسوف کی ادائیگی کے دوران جنت و جہنم کا نظارہ کرتے ہوئے اس عورت کو عذاب ہونے کا منظر دیکھا کہ اسے ایک بلی نوچ رہی ہے' کھرونچے مار رہی ہے ور وہ جہنم کی آگ میں جل رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نماز کسوف کی ادائیگی کے دوران جنت و جہنم کا نظارہ کرایا تھا چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسوف کی نماز میں طویل قرأت فرمائی اور طویل رکوع و سجدے فرمائے اور اسی دوران کبھی آپ آگے بڑھتے اور کبھی پیچھے ہٹتے تھے' نماز میں تو سکون سے کھڑے ہونے کا حکم ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ کو صحابہ آگے پیچھے ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ ان کا حیران و متعجب ہونا فطری امر تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ نماز کے دوران آگے

پیچھے کیوں ہو رہے تھے؟

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے دوران مجھے جنت و جہنم کا نظارہ کروایا' جب جنت سامنے آتی تو میں شوق میں آگے بڑھتا اور جب جہنم سامنے آتی تو اس سے گھبرا کر پیچھے ہٹتا اور جہنم کے بھڑکتے دہکتے شعلوں کو آگے بڑھتا دیکھ کر آپؐ نے فرمایا: اے میرے رب! میں ابھی ان میں موجود ہوں اور جہنم کی آگ بڑھ رہی ہے۔ حالانکہ نبی کی موجودگی میں کسی قوم پر عذاب نہیں آیا کرتا۔

جنت و جہنم کے اس نظارہ میں آپ نے جہنم میں دیکھا کہ ایک عورت کو آگ میں جلایا جا رہا ہے اور ایک بلی اس کو اپنے پنجوں سے کھرونچے مار رہی ہے' آپؐ نے پوچھا کہ اس کا کیا معاملہ ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ: اس کو اسی بلی کی وجہ سے مبتلائے عذاب کیا گیا ہے' یہ بلی کو باندھ کر رکھتی تھی' نہ تو خود کھانا دیتی تھی اور نہ اسے آزاد چھوڑتی تھی کہ خود ہی زمین میں چلتے پھرتے کیڑے مکوڑوں کو اپنی غذا بنا سکے اور اسی حالت میں وہ بھوک پیاس سے مر گئی' بے زبان جانور سے یہ سفاکی اس کے لئے عذاب کا ذریعہ بن گئی۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ جس طرح انسانوں پر رحم اور ہمدردی کرنا فرض ہے' بے زبان مخلوقِ خدا پر بھی رحم کرنا فرض ہے' بدترین درندگی اور سفاکی ہے کہ کسی بے زبان کو بھوکا پیاسا رکھ کر مار دیا جائے۔

۲۔ حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو لوگ بے زبان جانوروں' پرندوں کو قید کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ انکے کھانے پینے اور ان کی ضرورت کا خیال رکھا جائے اللہ کی مخلوق کو ستانا صحیح نہیں۔

۳۔ اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس طرح بعض اوقات کسی چھوٹے سے عمل کے ذریعہ مغفرت ہو جاتی ہے اسیطرح کوئی چھوٹا سا گناہ باعثِ عذاب اور جہنم بھی بن جاتا ہے۔

۴۔ حدیث میں بتایا گیا کہ بلی کو اگر وہ آزاد چھوڑ دیتی تو حشرات الأرض کا شکار کر کے اپنے کھانے کا سامان کرتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حشرات الأرض کو بلا وجہ پیدا نہیں فرمایا۔ جیسا کہ بعض اوقات انسان کے دل میں خیال آتا ہے کہ ان کیڑے مکوڑوں کی تخلیق کی کیا ضرورت تھی؟ (نعوذ باللہ) دیگر بے شمار مصلحتوں کے ساتھ ایک مصلحت یہ بھی سامنے آئی کہ یہ دوسرے جانوروں کی خوراک بنتے ہیں۔

۵۔ ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ جہنم میں ویسا ہی عذاب دیتے ہیں جیسا بندہ کا عمل ہوتا ہے جیسے کہ اس عورت کو بلی کے ذریعہ ہی عذاب دیا گیا اور حدیث میں فرمایا کہ بلی اسے اپنے پنجوں اور ناخنوں سے زخمی کر رہی ہے اور کھرونچے مار رہی ہے۔ گویا عذابِ آخرت' عملِ دنیا کی مناسبت سے ہوتا ہے۔

اڑتالیس واں قصہ ﴿۴۸﴾

ایک رسی کی خاطر......

تمہید

بعض افراد کسی کی جان لینا معمولی کھیل سمجھتے ہیں اور معمولی سی بات کے عوض کسی کی جان لینے سے دریغ نہیں کرتے۔ان کے اندر غصہ کی وہ آگ جل رہی ہوتی ہے کہ خوفِ خدا، فکر آخرت، انسانیت، ہمدردی وغیرہ سب کچھ اس آگ میں خاکستر ہو جاتا ہے۔ایک ایسے شخص کا واقعہ عبرت جس نے صرف ایک معمولی سی رسی کے عوض ایک جان ضائع کر دی۔زمانہ جاہلیت میں رائج دیگر بے شمار برائیوں کے علاوہ ایک خطرناک برائی قتل وغارت گری بھی تھی۔انسانی جان کو بے قیمت سمجھنے اور اس کے داغ کو اپنے دامن سے دھونے کے لئے جھوٹ بولنے والوں کا عبرت ناک انجام۔

نص الحدیث:

روى البخاري في صحيحه: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: « إِنَّ أَوَّلَ قَسَامَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَفِينَا بَنِي هَاشِمٍ، كَانَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ اسْتَأْجَرَهُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ فَخِذٍ أُخْرَى، فَانْطَلَقَ مَعَهُ فِي إِبِلِهِ، فَمَرَّ رَجُلٌ بِهِ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ قَدِ انْقَطَعَتْ عُرْوَةُ جُوَالِقِهِ، فَقَالَ: أَغِثْنِي بِعِقَالٍ أَشُدُّ بِهِ عُرْوَةَ جُوَالِقِي، لا تَنْفِرُ الإِبِلُ، فَأَعْطَاهُ عِقَالا فَشَدَّ بِهِ عُرْوَةَ جُوَالِقِهِ، فَلَمَّا نَزَلُوا عُقِلَتِ الإِبِلُ إِلا بَعِيرًا وَاحِدًا.

فَقَالَ الَّذِي اسْتَأْجَرَهُ: مَا شَأْنُ هَذَا الْبَعِيرِ لَمْ يُعْقَلْ مِنْ بَيْنِ الإِبِلِ؟ قَالَ: لَيْسَ لَهُ عِقَالٌ، قَالَ: فَأَيْنَ عِقَالُهُ؟ قَالَ: فَحَذَفَهُ بِعَصًا كَانَ فِيهَا أَجَلُهُ، فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ، فَقَالَ: أَتَشْهَدُ الْمَوْسِمَ؟ قَالَ: مَا أَشْهَدُ، وَرُبَّمَا شَهِدْتُهُ. قَالَ: هَلْ أَنْتَ مُبْلِغٌ عَنِّي رِسَالَةً مَرَّةً مِنَ الدَّهْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَكَتَبَ: إِذَا أَنْتَ شَهِدْتَ الْمَوْسِمَ فَنَادِ يَا آلَ قُرَيْشٍ، فَإِذَا أَجَابُوكَ، فَنَادِ يَا آلَ بَنِي هَاشِمٍ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَسَلْ عَنْ أَبِي طَالِبٍ، فَأَخْبِرْهُ أَنَّ فُلانًا قَتَلَنِي فِي عِقَالٍ.

وَمَاتَ الْمُسْتَأْجَرُ، فَلَمَّا قَدِمَ الَّذِي اسْتَأْجَرَهُ أَتَاهُ أَبُو طَالِبٍ، فَقَالَ: مَا فَعَلَ صَاحِبُنَا، قَالَ مَرِضَ فَأَحْسَنْتُ الْقِيَامَ عَلَيْهِ، فَوَلِيتُ دَفْنَهُ، قَالَ: قَدْ كَانَ أَهْلَ ذَاكَ

مِنكَ. فَمَكَثَ حِينًا، ثُمَّ إِنَّ الرَّجُلَ الَّذِي أَوْصَى إِلَيْهِ أَنْ يُبْلِغَ عَنْهُ وَافَى الْمَوْسِمَ، فَقَالَ: يَا آلَ قُرَيْشٍ، قَالُوا: هَذِهِ قُرَيْشٌ، قَالَ: يَا آلَ بَنِي هَاشِمٍ، قَالُوا: هَذِهِ بَنُو هَاشِمٍ، قَالَ: أَيْنَ أَبُو طَالِبٍ؟ قَالُوا: هَذَا أَبُو طَالِبٍ، قَالَ: أَمَرَنِي فُلانٌ أَنْ أُبْلِغَكَ رِسَالَةً، أَنَّ فُلانًا قَتَلَهُ فِي عِقَالٍ، فَأَتَاهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَهُ: اخْتَرْ مِنَّا إِحْدَى ثَلاثٍ، إِنْ شِئْتَ أَنْ تُؤَدِّيَ مِائَةً مِنَ الإِبِلِ، فَإِنَّكَ قَتَلْتَ صَاحِبَنَا، وَإِنْ شِئْتَ حَلَفَ خَمْسُونَ مِنْ قَوْمِكَ: إِنَّكَ لَمْ تَقْتُلْهُ، فَإِنْ أَبَيْتَ قَتَلْنَاكَ بِهِ، فَأَتَى قَوْمَهُ، فَقَالُوا: نَحْلِفُ.

فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ كَانَتْ تَحْتَ رَجُلٍ مِنْهُمْ قَدْ وَلَدَتْ لَهُ، فَقَالَتْ: يَا أَبَا طَالِبٍ، أُحِبُّ أَنْ تُجِيزَ ابْنِي هَذَا بِرَجُلٍ مِنَ الْخَمْسِينَ، وَلا تُصْبِرْ يَمِينَهُ حَيْثُ تُصْبَرُ الأَيْمَانُ، فَفَعَلَ. فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ: يَا أَبَا طَالِبٍ، أَرَدْتَ خَمْسِينَ رَجُلا أَنْ يَحْلِفُوا مَكَانَ مِائَةٍ مِنَ الإِبِلِ، يُصِيبُ كُلَّ رَجُلٍ بَعِيرَانِ هَذَانِ بَعِيرَانِ، فَاقْبَلْهُمَا مِنِّي وَلا تُصْبِرْ يَمِينِي حَيْثُ تُصْبَرُ الأَيْمَانُ، فَقَبِلَهُمَا.

وَجَاءَ ثَمَانِيَةٌ وَأَرْبَعُونَ، فَحَلَفُوا».

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: «فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا حَالَ الْحَوْلُ وَمِنَ الثَّمَانِيَةِ وَأَرْبَعِينَ عَيْنٌ تَطْرِفُ» .

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: ''دورِ جاہلیت میں سب سے پہلے قسامت کا واقعہ ہم میں یعنی بنی ہاشم میں پیش آیا''۔ (جس کا واقعہ یہ ہوا کہ)

''بنی ہاشم کے ایک شخص کو ایک قریشی شخص نے جو قریش کے کسی دوسرے قبیلہ سے تھا (بنی ہاشم میں سے نہیں تھا) اجرت پر مزدوری کے لئے مقرر کیا (اپنے اونٹوں کو چرانے اور ان کی دیکھ بھال کے لئے) وہ اس کے ساتھ اس کے اونٹوں کے باڑہ کی طرف چلا۔ وہاں راہ میں ایک اور ہاشمی شخص کا گذر ہوا جس کی چھاگل کا منہ بند ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے اس ہاشمی (مزدور) سے کہا کہ ایک رسی دے کر میری مدد کرو تاکہ میں اپنی چھاگل کا منہ بند کر کے اس سے باندھ لوں۔ اور اونٹوں کو بھی باندھ لوں تاکہ وہ بھی ادھر ادھر منہ نہ ماریں۔

چنانچہ (انسانی ہمدردی اور چیز کے نہایت معمولی ہونے کی بناء پر) ہاشمی مزدور نے اسے رسی دے دی جس سے اس نے اپنی چھاگل کا منہ بند کر دیا (اور وہاں سے چلدیا)۔

چلتے چلتے جب وہ ایک جگہ پر پڑاؤ کیلئے اترے تو ایک اونٹ کے سوا سارے اونٹ باندھے گئے' قریشی (مالک) نے پوچھا کہ اس اونٹ کو دیگر اونٹوں کے ساتھ کیوں نہیں باندھا گیا؟ اس نے کہا کہ اسکی رسی نہیں ہے' پوچھا کہ رسی کہاں گئی؟ اس نے بتادیا (کہ اسطرح فلاں کو دیدی تھی) قریشی (مالک) نے مارے غصہ کے اسے ایک لکڑی سے اس طرح مارا کہ اس کی موت اس میں مقدر تھی' اسی اثناء میں وہاں سے ایک یمنی شخص کا گذر ہوا تو اس ہاشمی شخص نے (جو ابھی زخمی حالت میں تھا اور مرا نہیں تھا) اس یمنی سے کہا کہ کیا تم حج کے موسم میں حج کیلئے حاضر ہو گے؟ اس نے کہا: میں اس سال تو حاضر نہیں ہوں گا لیکن کبھی کبھار حج کیلئے جاتا رہتا ہوں' اس نے کہا کیا تم میرا ایک پیغام کبھی بھی وہاں پہنچا سکتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! اس نے لکھا کہ: جب تم موسم حج میں حاضر ہو تو وہاں جاکر آواز لگانا: اے آلِ قریش! جب وہ جمع ہو جائیں تو آواز لگانا: اے بنی ہاشم! پھر جب وہ جمع ہو جائیں تو ابو طالب کے متعلق پوچھنا اور پھر انہیں بتلانا کہ فلاں قریشی آدمی نے مجھے ایک رسی کے عوض میں قتل کر دیا ہے۔

اتنا لکھ کر وہ مزدور مر گیا۔ جب وہ قریشی (آجر اور مالک) واپس آیا تو ابو طالب اس کے پاس گئے اور اس سے پوچھا کہ ہمارے ساتھی کا (جو تمہارے ساتھ گیا تھا) کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ وہ بیمار ہو گیا تھا' میں نے اس کی اچھی طرح تیمارداری کی (پھر وہ مر گیا تو) میں نے اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے سارے معاملات سنبھالے۔ ابو طالب نے کہا کہ وہ تمہارے اس بہتر سلوک کا مستحق تھا۔

کچھ عرصہ گزرا تھا کہ وہ شخص جسے مقتول نے پیغام پہنچانے کی وصیت کی تھی' حج کے لئے حاضر ہوا اور وہاں آواز لگائی: اے آلِ قریش! انہوں نے کہا قریش یہ رہے۔ اس نے کہا: اے آل بنی ہاشم! وہ کہنے لگے یہ رہے بنی ہاشم! اس نے کہا ابو طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ابو طالب یہ ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے فلاں آدمی نے حکم دیا تھا کہ آپ کو اسکا پیغام پہنچادوں کہ فلاں شخص نے اسے ایک رسی کی خاطر قتل کر دیا ہے۔

ابو طالب یہ سن کر اس قریشی شخص کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ ہماری طرف سے تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لو۔

۱۔ اگر چاہو تو سو اونٹ دیت ادا کرو کیونکہ تم نے ہمارے ساتھی کو قتل کیا ہے۔

۲۔ اور چاہو تو تمہاری قوم کے پچاس افراد قسم کھائیں اس بات پر کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا ہے۔

۳۔ اور اگر تم اس سے انکار کرتے ہو تو ہم اس کے بدلہ میں تمہیں قتل کریں گے (قصاصاً کیونکہ خون کا بدلہ خون ہے)۔

وہ اپنی قوم کے پاس گیا (اور ان سے مشورہ کیا تو) انہوں نے کہا ہم حلف اٹھانے کے لئے تیار ہیں (جھوٹی قسم کھانے پر تیار ہو گئے اور قتل کرنے کے باوجود قتل کا داغ اپنے اوپر نہ لگنے دینا چاہا' نہ ہی

دیت ادا کی)۔ اسی اثناء میں بنی ہاشم کی ایک عورت جو قاتل کے قبیلہ کے ایک شخص کے نکاح میں تھی اور اس کا ایک بیٹا بھی تھا' ابو طالب کے پاس آئی اور ان سے کہا:

اے ابو طالب! میں چاہتی ہوں کہ آپ ان پچاس افراد میں سے ایک شخص کے عوض میرے بیٹے کو اس قسم سے معافی دیجئے اور جس مقام پر قسمیں کھائی جاتی ہیں (جاہلیت میں قسم کھانے کے لئے مقامِ ابراہیم اور حجرِ اسود کے درمیان مقام طے تھا) وہاں اسے قسم لینے پر مجبور نہ کیا جائے' ابو طالب نے ایسا (کرنے کا وعدہ) کر لیا۔

پھر ایک اور شخص انہی میں سے ابو طالب کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابو طالب! آپ نے پچاس افراد سے قسم لینے کا ارادہ کیا ہے سو اونٹوں کی جگہ۔ اس اعتبار سے ہر شخص کی قسم کا عوض دو اونٹ ٹھہرے' تو یہ دو اونٹ حاضر ہیں انہیں میری طرف سے قبول کر لیجئے اور جس جگہ قسمیں کھائی جاتی ہیں وہاں مجھے قسم لینے پر مجبور نہ کیا جائے۔ ابو طالب نے اس سے بھی دو اونٹ قبول کر لئے' باقی اڑتالیس شخص آئے اور انہوں نے (جھوٹی) قسم کھالی (کہ اس قریشی نے مقتول کو قتل نہیں کیا)۔

ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے؟ سال بھر بھی نہ گزرا تھا کہ اُن اڑتالیس میں سے کوئی پھڑکتی آنکھ باقی نہ بچی (یعنی سب کے سب سال بھر کے اندر مر گئے' یہ جھوٹی قسم کھانے اور قاتل کو بچانے کا شاخسانہ تھا)۔

تخریج الحدیث:

صحیح البخاری۔ کتاب مناقب الأنصار۔ ر باب القسامۃ فی الجاہلیۃ۔ ۷/۱۵۵۔

رواہ النسائی فی سننہ۔ کتاب القسامۃ۔ ۲۱۸۔

تشریح الحدیث

قتل ناحق بدترین گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن کریم میں اس کی شناعت متعدد مقامات پر بیان کی گئی ہے' بلکہ ایک مقام پر تو اللہ عزوجل نے اس کی شدّت اور اس کی بدترین سزا کے بارے میں فرمایا:

"جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم میں جس میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ کا غصہ اور لعنت اس پر ہو گی اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔ (النساء/۹۳)

ایک اور مقام پر فرمایا:

"جس نے کسی ایک جان کو قتل کیا' گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کیا۔ (المائدہ/۳۲)

غرضیکہ کسی انسان کا ناحق قتل خصوصاً کلمہ گو مسلمان کا قتل بدترین گناہ اور پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے' چنانچہ شریعتِ اسلامیہ نے اس کی شدّت' شناعت اور اس کے دور رس اثرات

کے پیشِ نظر اس کا سدِّ باب کرنے اور اس کا راستہ بند کرنے کے لئے سخت ترین قوانین نافذ کئے ہیں تا کہ اس کا وقوع کم سے کم ہو۔

قتل کے بدلہ قتل (قصاص) اور ورثاء کے راضی ہو جانے کی صورت میں یا خطاءً قتل کر دینے کی صورت میں بھاری دیت اور مالی معاوضہ (جسے خون بہا کہا جاتا ہے) قوانین مقرر فرمائے' یہ تو دنیاوی سزا ہے اور اخروی اعتبار سے بھی سخت ترین سزا رکھی' چنانچہ اگر کسی کے دل میں ذرا بھی خوفِ خدا اور آخرت کی فکر ہو تو وہ اس شنیع حرکت اور قبیح فعل سے باز رہے۔

پھر بعض اوقات یہ ہوتا ہے بلکہ اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ قاتل نامعلوم ہوتا ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ قاتل کون ہے؟ تو شریعتِ اسلامیہ نے اس کے قاتل تک پہنچنے کے لئے حتی المقدور کوشش کی اور اس کے لئے ایک مخصوص طریقہ متعین فرمایا اور وہ طریقہ ہے "قسامت" کا جو زیرِ نظر واقعہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور قسامت کا مطلب مختصراً یہ ہے کہ اگر کسی علاقہ اور محلّہ میں کوئی شخص مقتول پایا جائے اور قاتل نامعلوم ہو تو قاتل تک پہنچنے کے لئے اس علاقہ اور محلہ کے پچاس معزز و معتبر افراد سے حلف لیا جائے گا اور وہ قسم اٹھائیں گے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا نہ وہ اس کے قتل کو جانتے ہیں' اب ظاہر ہے کہ پچاس افراد تعداد کے اعتبار سے ایک بڑی جمعیت بن جاتی ہے اور اتنے افراد کا عادتاً جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے۔

زیرِ نظر واقعہ میں قاتل تو معلوم تھا۔ لیکن چونکہ ثبوت تو کوئی نہیں تھا لہٰذا ابو طالب اس قاتل کے پاس گئے اور اس کے سامنے تین باتیں رکھیں کہ ان میں سے کوئی ایک بات اختیار کرو' یا تو سو اونٹ کی دیت دو۔ کیونکہ تم نے ہمارے ساتھی کو قتل کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر دیت نہیں دینا چاہتے تو تمہاری قوم کے پچاس افراد حلف اٹھائیں اس بات پر کہ تم نے اسے قتل نہیں کیا ہے اور اگر تم اس کا انکار کرتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ تم ہی اس کے قاتل ہو لہٰذا تیسری صورت پھر یہی رہ جاتی ہے کہ اس کے بدلہ تمہیں قتل کر دیا جائے۔

وہ اپنی قوم کے پاس مشورہ کرنے کیلئے گیا' قوم نے اپنے اوپر سے داغِ قتل مٹانے اور اپنی بڑائی کی وجہ سے کہدیا کہ ہم سب حلف اٹھالیں گے حالانکہ وہ جھوٹے تھے' اب ہوا یہ کہ ایک عورت جو بنو ہاشم میں سے تھی اور قاتل کے قبیلہ کے کسی شخص کے نکاح میں تھی وہ ابو طالب کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ میرے لڑکے سے قسم لینے کے بجائے اسے اس سے معاف رکھیں کیونکہ وہ اپنے بیٹے سے جھوٹی قسم دلوانا نہیں چاہتی تھی' جانتی تھی کہ جھوٹی قسم کا وبال دنیا اور آخرت دونوں میں اٹھانا پڑیگا۔

اس زمانہ میں جب کسی اہم معاملہ میں کسی کو حلف لینا اور اٹھانا منظور ہوتا تھا تو اس کے لئے ایک

مقام متعین تھااور وہ بیت اللہ میں جاکر مقام ابراہیم اور رکن (حجر اسود) کے درمیان قسم کھاتے تھے تو عورت نے کہاکہ جب حلف اٹھانے کا موقع آئے تو جہاں حلف اٹھایا جاتا ہے وہاں پر میرے بیٹے کو حلف اٹھانے پر مجبور نہ کیا جائے۔

اسی طرح ایک اور شخص ان کے پاس آیااور کہنے لگاکہ آپ نے پچاس افراد سے قسم لینے کا ارادہ کیاہے سواونٹوں کے بدلے گویاہر آدمی کی قسم دواونٹ کے مساوی ہوئی' لہٰذا یہ دواونٹ حاضر ہیں یہ قبول کر لیجئے اور حلف لینے کے مقام پر مجھے بھی حلف اٹھانے کیلئے مجبور نہ کیا جائے' باقی اڑتالیس افراد نے جھوٹی قسم کھالی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے؟ سال بھی نہ گزراتھاکہ ان اڑتالیس میں سے کوئی فرد زندہ نہ رہاسب کے سب مر گئے' یہ انجام تھا جھوٹی قسم کھانے کا۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ قسامت کا یہ طریقہ دور جاہلیت میں رائج تھا۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس کو باقی رکھااور اسی طریقہ پر مشروع کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دورِ جاہلیت کا ہر طریقہ غلط نہیں تھا بلکہ اس دور کے بعض احکام اور طریقوں کو شریعت نے برقرار رکھا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھانے کا بدترین اور عبرت ناک انجام بھی حدیث سے معلوم ہوتا ہے جیساکہ اڑتالیس افراد نے جھوٹی قسم کھائی اور سال بھر میں وہ سب موت کی نیند سوئے اور ہلاک ہوگئے' کیونکہ تین بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا تھا' جھوٹی قسم اٹھانا' حق بات کو چھپانااور قاتل کو سزا سے بچانا' سب کے سب بدترین گناہ ہیں۔

۳۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دورِ جاہلیت میں بھی بعض لوگ اللہ کا خوف رکھنے والے اور اسکی پکڑ سے ڈرنے والے تھے' جیساکہ اس عورت اور اس شخص کے عمل سے ثابت ہوتا ہے ان دونوں نے قسم کھانے سے معذرت کرلی تھی' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حلفِ کاذب (جھوٹے حلف) کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ اور عذاب کا سامنا ہوگا۔

۴۔ دورِ جاہلیت کا ایک اچھااور قابلِ تقلید طریقہ یہ تھا کہ انسان مشکل حالات میں اجنبی شخص پر اعتماد کر سکتا تھااور اسے اپنا راز دار بناکر اس سے فائدہ اٹھاسکتا تھااور جب کوئی وعدہ کرلیتا تو اسے نباہتا تھا' جیساکہ مقتول نے آخری لمحات زندگی میں ایک یمنی شخص کو اپنا پیغام دیااور اس نے حسب وعدہ اسے متعلقہ افراد تک پہنچایا۔

انچاسواں واقعہ ﴿۴۹﴾

بنی اسرائیل کی سرکشی

تمہید

منعم کے انعامات کے باوجود اسکے احکامات کے ساتھ استہزاء کرنا رذیل طینت و بد فطرت لوگوں کا کام ہے۔
بنی اسرائیل وہ قوم ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی نعمتوں کی بارش برسی اور ہر دم پر ان کی تمام تر نافرمانیوں' بدعہدیوں' احکاماتِ الٰہیہ کی خلاف ورزیوں اور انبیاء علیہم السلام کیساتھ دوہرے رویوں کے باوجود ان پر معجزانہ نعمتیں ہوتی رہیں' مگر جس قوم کی سرشت ہی بدعہدی اور بد طینتی ہو' اسے ان احکامات کی کوئی فکر نہیں ہو سکتی۔ حماقت ورذالت اور مسخ فطرت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے روّیے کی ایک جھلک بنی اسرائیل کے اس واقعہ میں ملتی ہے۔

نصّ الحدیث:

روی البخاری عن ابی هریرةؓ قال:قال رسول اللهﷺ:(قيل لبنی اسرائيل﴿ادخلوا الباب سجدا وّقولوا حطّةٌ﴾(البقرة/۵۸)فبدّلوا' فدخلوا يزحفون علىٰ استاههم وقالوا:حبّةٌ فی شعرةٍ.
ورواه مسلم بلفظ:(قيل لبنی اسرائيل:ادخُلُوا الُباب سُجّدًا وّقُولُوا حِطّةٌ يغفرلكم خطاياكم' فبدّلوا فدخلوا الباب يزحفون علىٰ استاههم وقالوا:حبّةٌ فی شعرةٍ)۔

ترجمۃ الحدیث:

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"بنی اسرائیل کو کہا گیا تھا کہ "اُدخلوا الباب سُجّداً وّ قُولوا حِطّةٌ" (البقرہ/۵۸) یعنی دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور "حطّة" کے الفاظ کہتے ہوئے داخل ہو' انہوں نے اس حکم کو بدل ڈالا اور اپنی سرینوں کے بل داخل ہوئے یہ کہتے ہوئے: "حبّةٌ فی شعرةٍ" یعنی چھلکے میں جو کا دانہ"۔
مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:
"دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور حطّة کا لفظ کہو تو تمہاری خطائیں معاف کردی جائینگی" الخ۔

تخریج الحدیث:

رواہ البخاری فی صحیحہ۔ کتاب أحادیث الأنبیاء۔ باب حدیث الخضر مع موسیٰ۔ (۴۳۶/۶)
رواہ مسلم۔ کتاب التفسیر (۲۳۱۲/۴)

تشریح الحدیث

بنی اسرائیل وہ تاریخی قوم ہے جس نے نافرمانی' سرکشی و بغاوت' ضد اور ہٹ دھرمی' دنائت و رذالت اور اللہ جل شانہ کے احکامات کے ساتھ تمسخر کرنے وراس کے پیغمبروں کو اذیتیں پہنچانے کا ریکارڈ قائم کیا۔ ان کی فطرت اس حد تک مسخ ہو چکی تھی کہ وہ جب تک کسی عذاب اور مصیبت کا شکار نہ ہو جائے اللہ کی طرف رجوع نہ کرتے اور جب لبِ دم ہو جاتے تو اس سے رجوع کرتے اور تکلیف و عذاب دور ہوتے ہی پھر بغاوت و نافرمانی کا ارتکاب کرنے لگتے اور احکاماتِ الٰہیہ کا مذاق اڑاتے' ان کی اکثریت کا یہی حال تھا۔

ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا کہ مدائن الأرض میں (جو ایک شہر تھا) داخل ہوں تو دروازہ میں داخل ہوتے وقت سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور یہ کہتے ہوئے داخل ہوں کہ "حطۃ" (جس کے معنی مغفرت کے ہیں) اگر ایسا کرو گے تو ہم تمہارے گناہوں کی مغفرت کر دیں گے اور مزید بھلائیاں عطا کریں گے۔

اب چاہیئے تو یہ تھا کہ سیدھے سیدھے اس حکم پر عمل کرتے لیکن اپنی بد طینتی اور وذالت کے ہاتھوں مجبور تھے' جب دروازہ میں داخل ہوئے تو سجدہ کرنے کے بجائے اپنی سرین (کولہوں) کے بَل گھسٹ گھسٹ کر داخل ہوئے' گویا یہ اللہ کے حکم کا صریح استہزاء تھا اور جو لفظ کہنے کا حکم دیا تھا اسے کہنے کے بجائے اس سے ملتا جلتا لفظ کہہ دیا کہ: "حنطةٌ فی شعرة" یعنی جَو کا دانہ اپنے چھلکے میں۔ اب ان کا یہ طرزِ عمل بدترین معصیت اور اللہ کے احکامات کا مذاق اڑانے کے مترادف تھا۔ بجائے اس کے کہ گناہوں کی بخشش کا جو آسان راستہ اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا اس موقع کو غنیمت جانتے' مزید نافرمانی' استہزاء اور بے ہودہ طرز عمل سے اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنا دیا۔

چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

"پس بدل ڈالا ظالم لوگوں نے اس قول کو جو ان سے کہا گیا تھا دوسرے قول سے' تو ہم نے ان کے اوپر آسمانی آفت اور کڑک نازل کی ان کی اس نافرمانی و فسق و فجور کے سبب"۔ (البقرہ)

بلاشبہ احکاماتِ الٰہیہ کا مذاق اڑانے' ان سے روگردانی کرنے اور بغاوت کرنے کا یہی انجام ہے اور برا انجام ہے بدکاروں کے لئے' بنی اسرائیل نے اس عذاب کا سامنا کیا اور مبتلائے عذاب ہوئے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ بنی اسرائیل کی غالب اکثریت تو اس نافرمانی میں مبتلا تھی اور قوم کا غالب حصہ مستقل نافرمانیوں میں مبتلا رہتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے درمیان اچھے لوگ نہیں

تھے۔ بلکہ کچھ اچھے لوگ بھی ان کے درمیان موجود تھے اور ان میں سے بعض کے ایمان افروز واقعات پیچھے گزر چکے ہیں اور انہی کی اچھائیوں کی وجہ سے پوری قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ملتی رہی۔ ہاں ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ اکثریت نافرمانی و فسق و فجور میں مبتلا تھی۔

چند عبرت و نصائح

۱۔ پہلا فائدہ تو حدیث سے یہ حاصل ہوا کہ اللہ کے احکامات کو بدلنا بدترین جرم ہے اور ایسا کرنے والے اللہ کے عذاب کے مستحق بنتے ہیں۔

دورِ حاضر میں بھی کچھ لوگ قرآن کے واضح اور صریح احکامات کو بدلنا چاہتے ہیں اور اپنی خواہشاتِ نفسانی اور اغراض دنیوی کی خاطر قرآن کے احکامات میں تحریف و تأویل کا راستہ اختیار کرتے ہیں ایسے لوگوں کو بنی اسرائیل کا انجام یاد رکھنا چاہیئے۔

مثلاً ہمارے ہاں پردہ کے متعلق، سود کے متعلق، رشوت کے متعلق، شراب کے متعلق اور اسی طرح دیگر معاملات میں تاویل کی جاتی ہے اور قرآن و حدیث کے صریح احکامات کو توڑ مروڑ کر، تحریف کے ذریعہ اپنے مذموم مقاصد کو پورا کرنے کی راہ ہموار کرنے کی ناپاک جسارت کی جاتی ہے، ان لوگوں کے لئے یہ واقعہ ایک درسِ عبرت ہے اور اس سے انہیں سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

۲۔ اس حکم سے ایک تعلیم یہ ملی کہ جب مسلمان کسی شہر اور بستی میں فاتح بن کر داخل ہوں تو حاکمانہ شان و شوکت، اور بڑائی و فخر کا اظہار کرتے ہوئے نہ داخل ہوں بلکہ تواضع اور عاجزی اختیار کریں اور اللہ کا جس نے فتح کی نعمت عطا کی، شکر ادا کرتے ہوئے داخل ہوں تاکہ نعمت میں برکت ہو۔

بنی اسرائیل (یہودیوں) نے تو اس پر عمل نہ کیا لیکن......

الحمدللہ اسلامی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ جب مسلمان کسی شہر میں فاتحانہ شان سے داخل ہوتے تو عاجزی اور مسکنت کے ساتھ داخل ہوتے، ان کی زبانیں اللہ کی تعریف اور شکر سے تر ہوتیں اور پیشانیاں اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتیں۔ خود رسول کریم ﷺ کا فتح مکہ کا واقعہ اس کی روشن مثال ہے۔

۳۔ حدیث سے ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اللہ کی نافرمانی جہاں انسان کو آخرت کے دائمی عذاب کا مستحق بناتی ہے وہیں دنیوی نعمت کے چھن جانے اور سلب ہو جانیکا سبب بھی بنتی ہے گویا نافرمانی کا وبال دنیا و آخرت دونوں کی تباہی و بربادی کی صورت میں نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اطاعت کی کامل توفیق نصیب فرمائی اور ہر قسم کے شر و فتنہ سے تمام مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین

پچاسواں واقعہ ﴿۵۰﴾

اُمّ الخبائث............ ہر گناہ کی جڑ

تمہید

ایک گناہ دوسرے گناہ کو جنم دیتا ہے اور ایک گناہ پر راضی ہونے والا اس بڑے گناہ پر بھی بآسانی راضی ہو جاتا ہے' لیکن شراب خانہ جسے ام الخبائث قرار دیا گیا' اچھے سے اچھے عابد و زاہد کو بھی اپنی ہلاکت خیزی سے فتنہ میں مبتلا کر دیتی ہے' جس نے ام الخبائث کو اختیار کر لیا گویا اس نے دنیا کی ہر برائی کی باگ تھام لی' یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے اسکے بعض منافع کے باوجود اسے نجس قرار دیا' اسکے کسی بھی کام میں ملوث ہونے والے کی کمائی کو حرام قرار دیا اور اس عمل کو بدترین جرم گردانا' یہ ام الخبائث کس طرح انسان کو عقل و خرد سے بیگانہ کر کے شیطنت کی راہ پر گامزن کرتی ہے...... صادق المصدوق علیہ افضل التسلیم کی زبان مبارک اسکی مثال بتلاتی ہے' عبرت کیلئے...... موعظت و نصیحت کیلئے...... فھل من مذکر' تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا؟

نص الحدیث:

روى النسائي عن عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: (اجْتَنِبُوا الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا أُمُّ الْخَبَائِثِ، إِنَّهُ كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ خَلا قَبْلَكُمْ تَعَبَّدَ، فَعَلِقَتْهُ امْرَأَةٌ غَوِيَّةٌ، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ جَارِيَتَهَا، فَقَالَتْ لَهُ: إِنَّا نَدْعُوكَ لِلشَّهَادَةِ، فَانْطَلَقَ مَعَ جَارِيَتِهَا، فَطَفِقَتْ كُلَّمَا دَخَلَ بَابًا أَغْلَقَتْهُ دُونَهُ، حَتَّى أَفْضَى إِلَى امْرَأَةٍ وَضِيئَةٍ عِنْدَهَا غُلامٌ وَبَاطِيَةُ خَمْرٍ، فَقَالَتْ: إِنِّي وَاللَّهِ مَا دَعَوْتُكَ لِلشَّهَادَةِ، وَلَكِنْ دَعَوْتُكَ لِتَقَعَ عَلَيَّ، أَوْ تَشْرَبَ مِنْ هَذِهِ الْخَمْرَةِ كَأْسًا، أَوْ تَقْتُلَ هَذَا الْغُلامَ.

قَالَ فَاسْقِينِي مِنْ هَذَا الْخَمْرِ كَأْسًا، فَسَقَتْهُ كَأْسًا، قَالَ: زِيدُونِي، فَلَمْ يَرِمْ حَتَّى وَقَعَ عَلَيْهَا، وَقَتَلَ النَّفْسَ، فَاجْتَنِبُوا الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا وَاللَّهِ لا يَجْتَمِعُ الإِيمَانُ وَإِدْمَانُ الْخَمْرِ إِلا لَيُوشِكُ أَنْ يُخْرِجَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ) .

أَخْبَرَنَا سُوَيْدٌ، قَالَ: أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ يَقُولُ: (اجْتَنِبُوا الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا أُمُّ الْخَبَائِثِ، فَإِنَّهُ كَانَ رَجُلٌ مِمَّنْ خَلا قَبْلَكُمْ يَتَعَبَّدُ وَيَعْتَزِلُ النَّاسَ) . فَذَكَرَ مِثْلَهُ، قَالَ: (فَاجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهُ وَاللَّهِ لا يَجْتَمِعُ وَالإِيمَانُ أَبَدًا إِلا يُوشِكُ أَحَدُهُمَا أَنْ يُخْرِجَ صَاحِبَهُ).

ترجمۃ الحدیث:

امام نسائیؒ حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث سے نقل کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ کو سنا فرماتے تھے:

"شراب سے اجتناب کرو کہ وہ تمام خبائث و مفاسد کی جڑ ہے' تم سے پچھلی امتوں میں ایک شخص بڑا عابد وزاہد تھا' ایک بدکار و بدکردار عورت اس پر فریفتہ و عاشق ہوگئی' اور اپنی باندی کو اس کے پاس بھیجا اور اس نے جاکر اس عابد سے کہاکہ: ہم آپ کو ایک معاملہ میں گواہی کے لئے بلا رہے ہیں (سچی گواہی دینا ثواب کی بات ہے' نیک اور صالح لوگ نیکی کے ہر کام کے لئے تیار رہتے ہیں) لہٰذا وہ اس باندی کے ہمراہ چل پڑا' وہ باندی یہ کرتی کہ جس دروازہ میں وہ داخل ہوتا تو پیچھے سے اسے بند کردیتی یہاں تک کہ کئی دروازوں سے ہو کر وہ ایک روشن چہرہ والی عورت تک جا پہنچا جس کے پہلو میں ایک کمسن لڑکا اور ایک شراب کا جام پڑا تھا۔

وہ عورت کہنے لگی کہ: اللہ کی قسم! میں نے تمہیں گواہی کے لئے نہیں بلایا' میں نے تو تجھے اس لئے بلایا ہے کہ تو مجھ سے زنا کر یا اس شراب میں سے ایک پیالہ پی لے یا اس بچہ کو قتل کردے"۔

وہ زاہد کہنے لگا کہ: مجھے شراب کا پیالہ پلادے (کہ تینوں باتوں میں سے سب سے ہلکی بات بظاہر یہی ہے) چنانچہ اس زانیہ نے اسے شراب کا پیالہ پلادیا (شراب کا پینا تھا کہ اس کی مستی اور نشہ چڑھ گیا) اور کہنے لگا کہ اور پلاؤ (غرض خوب شراب پی) اور زیادہ دیر نہ گذری کہ اس مستی کے عالم میں اس سے زنا بھی کر بیٹھا اور اس بچہ کو بھی قتل کر ڈالا۔

لہٰذا شراب سے بچو اسلئے کہ یہ ایسی چیز ہے کہ اللہ کی قسم! ایمان اور مسلسل شراب پینا دونوں جمع نہیں ہو سکتے مگر قریب ہے کہ دونوں میں سے ایک دوسرے کو نکال دیگا (یا ایمان شراب سے نجات دے دیگا یا شراب کی مداومت ایمان کو ختم کردیگی)۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ یونس عن الزھری کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"حضرت عثمانؓ فرماتے تھے کہ شراب سے بچاکرو کہ وہ ام الخبائث ہے"۔

طبرانیؒ نے معجم الأوسط میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کی حدیث نقل کی ہے کہ ایک بار حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ بن الخطاب اور رسول اللہ ﷺ کے دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین' رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد باہم بیٹھے ہوئے تھے تو اس بات کا ذکر ہونے لگا کہ کبائر میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ کیا ہے؟ ان سب کے پاس اس کے متعلق کوئی حتمی علم نہیں تھا (جس پر فیصلہ کیا جاسکے) چنانچہ انہوں نے مجھے حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص کے پاس بھیجا کہ ان سے اس کے

متعلق دریافت کروں، انہوں نے مجھے بتایا کہ کبائر میں سب سے بڑا کبیرہ شراب پینا ہے۔

میں ان حضراتِ صحابہؓ کی خدمت میں واپس آیا اور انہیں بتلایا تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور ان سب کے سب نے اکٹھے ان پر ہلہ بول دیا یہاں تک کہ سب ان کے گھر پر آئے۔ حضرت عبداللہؓ نے انہیں بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے ایک شخص کو گرفتار کیا اور اسے چند باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا (کہ ان میں سے ایک کو ضرور اختیار کرنا ہوگا) یا تو یہ شراب پیے، یا کسی بچہ کو قتل کرے یا زنا کرے یا خنزیر کا گوشت کھائے اور اگر وہ انکار کرے گا تو اسے قتل کردیں گے، اس نے شراب پینے کو (ہلکا سمجھ کر) قبول کرلیا، چنانچہ جب اس نے شراب پی لی تو ان میں سے کوئی بات بھی اس کے لئے ممنوع نہ رہی جن کا اسے کہا گیا تھا (اور سب کام کرلئے)" اور اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ہم سے ارشاد فرمایا:

"جو کوئی بھی شراب پیتا ہے تو چالیس رات (دن) تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اگر وہ اس حالت میں مر گیا کہ اس کے مثانہ میں ذراسی بھی شراب موجود ہو تو اس پر جنت حرام ہوتی ہے اور اگر وہ چالیس دن کے اندر اندر مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا"۔

تخریج الحدیث:

حدیث عثمانؓ رواہ النسائی فی سننہ۔ ۸/۳۱۵۔

وحدیث عبداللہؓ بن عمرو بن العاص۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد صحیح مرفوعاً۔

تشریح الحدیث

دونوں احادیث میں بیان کردہ واقعہ بظاہر ایک ہی ہے اور یہ اسرائیلی معاشرہ کے بگاڑ اور فساد کے زمانہ کا واقعہ ہے اور بظاہر وہ شخص جسے ان ممنوع اور مہلک کاموں کے ارتکاب پر مجبور کیا گیا وہ کوئی معروف اور ذی اثر شخص تھا، یا بادشاہ کے قریبی لوگوں میں سے تھا یا ایسے لوگوں میں سے تھا جن کو لوگ قابلِ تقلید سمجھتے اور ان کی اتباع کرتے ہیں۔ بادشاہ کو یہ خدشہ ہوا کہ وہ اپنی عبادت و زہد اور نیکی و تقویٰ کی بدولت قوم میں بڑا باا ثر ہو جائے گا اور اس کی حیثیت بادشاہ کی حیثیت کو کم کرنے کا باعث ہوگی، اور یہ بات شروع سے تمام مفسد اور ظالم بادشاہوں اور حکمرانوں کی سرشت رہی ہے کہ وہ اس قسم کے لوگوں کا وجود برداشت نہیں کرتے اور ان کی مسلّم حیثیت اور لوگوں میں ان کے اثر کو بگاڑنے کی ہر ممکن سعی کرتے ہیں۔

چنانچہ بظاہر ایسا ہوا کہ بادشاہ نے ایک ایسی عورت کو جو اونچے طبقہ کی فاحشہ عورت تھی اس مقصد کے لئے تیار کیا کہ وہ اس عابد و صالح شخص کو کسی طرح فتنہ میں مبتلا کرکے بادشاہ کا مقصد پورا

کرے‘ اور ظاہر ہے کہ عورت کا فتنہ سب سے سخت اور مؤثر فتنہ ہے۔ باطل کا یہ حربہ ہر دور اور زمانہ میں بڑا کارگر ثابت ہوا ہے۔

وہ عورت بڑی مالدار اور معاشرہ کے اونچے طبقہ کی نمائندہ تھی جو معاشرہ میں بڑا معزز سمجھا جاتا ہے لیکن فحاشی اور بے حیائی کے کاموں سے اسے کوئی عار نہیں ہوتا' چنانچہ اس عورت نے بادشاہ کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس عابد صالح کے پاس اپنی باندی کو بھیجا اور اس نے جا کر یہ کہا کہ فلاں عورت آپ کو کسی معاملہ میں گواہی کے لئے بلا رہی ہیں‘ ظاہر ہے عابد نے سوچا ہو گا کہ وہ ایک معزز طبقہ کی عورت ہے اور شہادت و گواہی کے لئے جانا یوں بھی ثواب کی بات ہے لہٰذا جانے میں کوئی حرج نہیں‘ چنانچہ وہ اس کے ساتھ چل دیا۔ وہاں پہنچ کر وہ عابد جب گھر میں داخل ہوا تو پیچھے سے باندی نے دروازہ بند کر دیا‘ اسی طرح کئی دروازوں سے گذر کر وہ ایک خوبصورت عورت کے پاس جا پہنچا‘ اس عورت کے پہلو میں ایک کم سن بچہ بیٹھا ہوا تھا اور قریب ہی ایک صراحی شراب کی رکھی ہوئی تھی‘ اس فاحشہ نے اس عابد سے کہا کہ میں نے تمہیں گواہی وغیرہ کے لئے نہیں بلایا‘ تمہیں یہاں بلانے کا مقصد یہ ہے کہ تم میرے ساتھ فحاشی اور بدکاری کرو‘ اور اگر تم اس پر راضی نہیں ہوتے تو تمہیں اس بچہ کو قتل کرنا ہو گا اور اگر اسے بھی تم رد کرتے ہو تو یہ شراب پینی پڑے گی‘ تینوں میں سے ایک کام ضرر کرنا ہو گا ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا‘ دوسری روایت کے مطابق اس عورت نے چوتھی بار خنزیر کے گوشت کا بھی کہا تھا‘ وہ عابد چونکہ صرف عابد تھا عالم اور علماء سے صحبت یافتہ نہ تھا تو وہ بجائے اس کے کہ عزیمت و استقامت کا مظاہرہ کرتا اور بصیرت دینی اور حمیت مذہبی کا اظہار کرتے ہوئے ان تمام چیزوں سے مکمل برأت کا اظہار کرتا اور اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ کرتا تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے لئے کوئی نہ کوئی راستہ پیدا کر دیتا جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے لئے بند اور مقفل دروازے کھلتے چلے گئے تھے‘ کیونکہ انہوں نے اسے اپنی مجبوری نہ بننے دیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کامل کرتے ہوئے اسی سے دعا کی کہ انہیں فحاشی سے بچائے اور اس کے لئے کوشش کی‘ حق تعالیٰ نے انہیں راستہ عطا فرمایا کہ مقفل دروازے کھلتے چلے گئے۔ لیکن یہ عابد صاحبِ عزیمت و استقامت نہ تھا‘ نہ ہی بصیرت و فراستِ ایمانی سے بہرہ ور تھا‘ اس نے اسی کو انتہا سمجھتے ہوئے سوچا کہ اگر اس عورت کی بات نہیں مانتا تو قتل کر دیا جاؤں گا‘ لہٰذا شراب پی لیتا ہوں کہ وہ سب سے ہلکا گناہ ہے بہ نسبت زنا اور قتل کے۔ چنانچہ اس نے شراب پی لی۔ شراب نے اپنا رنگ دکھایا‘ نشہ چڑھنے لگا اور هل من مزید کی صدا بلند ہوتی رہی‘ نشہ کی اس بدمستی کے عالم میں نہ ایمان کا ہوش رہا نہ خوفِ خدا و فکرِ آخرت کا احساس‘ نہ حیا باقی رہی نہ غیرت‘ نشہ کے عالم میں بدکاری کا بھی مرتکب ہو گیا اور بچہ کو قتل بھی کر بیٹھا۔

حدیث سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سب کا مقصد اس عابد کی عبادت اور نیکی کے اثر کو

زائل کرنا اور اسے معاشرہ میں بدنام کرنا تھا جبھی تو عورت نے زنا اور بدکاری پر ہی زور نہ دیا بلکہ تینوں یا چاروں میں سے کسی ایک کام کی ترغیب دی اور ان میں سے ہر کام نیکی کی ضد اور اس کی نیکی اور شرافت کے لئے زہر تھا۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ کے اس واقعہ کو بیان فرمانے کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ دخترِ رز (شراب) ام الخبائث ہے' اور ہر برائی کی جڑ ہے' اسے پینے کے بعد عقل زائل ہو جاتی اور حواس مختل ہو جاتے ہیں اور اس نشہ کی مدہوشی کے عالم میں انسان ایسے ایسے کام کر بیٹھتا ہے کہ حیا کا جنازہ نکل جاتا ہے اور انسانیت دور کھڑی شرماتی رہ جاتی ہے۔ قرآن نے اسی لئے اسے "رجسٌ من عمل الشیطان" ناپاک اور شیطانی عمل قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے شراب کی حرمت بیان فرماتے ہوئے اس کی وعید بھی بتلائی کہ:

"شرابی کی نماز چالیس رات تک قبول نہیں کی جاتی اور اگر اس حالت میں اسے موت آگئی کہ اس کے جسم میں شراب کا ایک قطرہ بھی موجود ہو تو جنت اس پر حرام کر دی جاتی ہے اور ان چالیس راتوں میں سے کسی میں اس کا انتقال ہو گیا تو جاہلیت کی موت مرا"۔ أعاذنا اللہ والمسلمین منہ

چند عبرت و نصائح

حدیث میں بیان کردہ واقعہ مختلف و متعدد فوائد پر مشتمل ہے۔

۱۔ شراب خانہ خراب کی حرمت اور اس میں کسی بھی طرح سے ملوث ہونے کا شدید گناہ اس حدیث سے ظاہر ہے' اور شراب کے پینے سے جو مفاسد اور برائیاں جنم لیتی ہیں اور فرد و معاشرہ پر اس کے جو برے اور غلط اثرات قائم ہوتے ہیں حدیثِ بالا میں بیان کردہ واقعہ سے پوری طرح ظاہر ہیں کہ ایک شراب پینے کی برائی ہزار بڑی برائیوں کے ارتکاب کا باعث بنتی ہے۔

۲۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کو مختلف آزمائشوں اور امتحانوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اہلِ شر مختلف طریقوں سے اللہ کے نیک بندوں کو گمراہ کرنے اور انہیں نیکی کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

۳۔ بغیر علم کے عبادت انسان کو بعض اوقات گمراہی میں مبتلا کر دیتی ہے' علم کے بغیر عبادت کما حقہ' ادا نہیں کی جا سکتی جس طرح عمل کے بغیر علم بے کار ہے اسی طرح بغیر علم کے عمل بھی دین کی فہم پیدا نہیں کرتا۔ وہ شخص اگر عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ عالم اور دین کی فہم رکھنے والا ہوتا تو وہ ان برائیوں کے اندر پڑنے اور ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے بجائے ہر طرح کی مشکلات کا سامنا کرتا اور اگر ان برائیوں سے بچنے کے لئے موت کا سامنا کرنا پڑتا تو موت سے بھی نہ گھبراتا کہ

موت تو لامحالہ آنی ہے اور ایک ہی بار آنی ہے لہٰذا عزیمت پر جان دیتا اور گمراہی سے محفوظ رہتا۔ بہر حال ہر ایک کے لئے اللہ کا فضل شاملِ حال ہونا بہر حال ضروری ہے۔

۴۔ اس واقعہ کے پیشِ نظر ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ ہر مسلمان صاحبِ خیر و صلاح کو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے اور اللہ سے عافیت طلب کرنے رہنا چاہئے اور گمراہ کن باتوں اور گمراہ کرنے والوں سے اجتناب کرنا چاہئے انسانی و جناتی شیاطین سے بھی محتاط رہنا چاہئے۔

۵۔ نیکی اور بدی کی قوتیں ہمیشہ نبرد آزما رہی ہیں' بظاہر بدی ہمیشہ اکثریت میں اور نیکی ہمیشہ اقلیت میں رہتی ہے۔ نیک لوگوں کی تعداد بروں کی نسبت ہمیشہ کم ہوتی ہے۔ لیکن نیکی اور بدی کے معتبر ہونے کا مدار قلت و کثرت پر نہیں اللہ جل شانہ' کے حکم پر ہے۔ جس کام کو اللہ رب العزت نے بدی اور شر قرار دیا وہ ہمیشہ شر ہی رہے گا خواہ کائنات کا ہر ذی نفس اس کا ارتکاب کرنے اور اسے اچھا سمجھنے لگے' اسی طرح نیکی وہ ہے جسے اللہ نے نیکی اور "حسنہ" قرار دیا۔ خواہ ساری دنیا نیکی کا مفہوم بدل ڈالے لیکن اللہ کے نزدیک نیکی صرف وہی معتبر ہوگی جو اس کے حکم کے مطابق ہو۔

اس قصہ میں اصحاب خیر و صلاح اور اہلِ حسنات کو یہ تعلیم ملتی ہے کہ انہیں اصحابِ عزیمت بھی ہونا چاہئے اور برائی کے ماحول کے اثرات قبول نہ کرنے چاہئیں نہ ہی برائی کے ماحول سے مرعوب و متاثر ہونا چاہئے' بلکہ وہ ہر ماحول اور ہر کیفیت میں نیکی کرنے والے اور برائی سے بچنے والے' اس کی برائی کو پورے عزم و استقامت سے رد کرنے والے ہوں۔ تاکہ اہلِ شر پر ان کی عزیمت و استقامت کا رعب چھا جائے اور وہ ماحول سے متاثر ہونے والے نہ ہوں' ماحول کو متاثر کرنے والے ہوں۔

اکیاونواں قصہ ﴿۵۱﴾

جبرئیلؑ کی فرعون سے نفرت کا عجیب اظہار

تمہید

یہ مختصر سا قصہ ہمیں بتلاتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو اللہ کے باغی، سرکش فرعون سے کس قدر بغض و نفرت تھی کہ وہ اس بات کو بھی ناپسند کرتے تھے کہ وہ ایمان لے آئے اور اس پر اللہ کی رحمت ہو جائے۔

نصّ الحدیث:

روی الترمذی فی سننہ عن ابن عبّاسؓ أنّ النبیﷺ قال:(لمّا أغرق اللّٰہ فرعون قال:﴿امنتُ أنّہ لا إلٰہ إلّا الذی امنتْ بہٖ بنو إسرائیل﴾(یونس/۹۰)، فقال جبریل: یامحمد! فلو رأیتنی وأنا آخذ من حال البحر، فأدسّہ، فی فیہ مخافۃ أن تدرکہ الرحمۃ)۔ قال ابوعیسیٰ :ھذا حدیثٌ حسنٌ۔

وفی روایۃٍ أن النبیﷺ ذکر (أنّ جبریلؑ جعل یدسّ فی فی فرعون الطین خشیۃ أن یقول: لا إلٰہ إلا اللّٰہ، فرحِمہ، اللّٰہ أو خشیۃ أن یرحمہ، اللّٰہ)۔

قال ابوعیسی الترمذی: ھذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ غریبٌ من ھذا الوجہ۔

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق فرمایا تو اس نے (ڈوبتے ڈوبتے) کہا کہ: میں ایمان لاتا ہوں کہ اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں"۔(یونس) تو جبرئیلؑ نے محمد ﷺ سے فرمایا کہ اے محمد! اگر آپ مجھے دیکھتے کہ میں (اسوقت) سمندر کی تہہ سے مٹی اٹھا رہا تھا تو اس مٹی کو میں فرعون کے منہ میں ٹھونس دیتا اس ڈر سے کہ کہیں اللہ کی رحمت اس کو نہ مل جائے۔

دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ذکر فرمایا کہ:

"حضرت جبرئیل علیہ السلام فرعون کے منہ میں گیلی مٹی ڈالنے لگے تھے اس خدشہ کے پیشِ نظر کہ وہ لا إلٰہ إلا اللہ کہہ دے اور اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کر دیں۔

تخریج الحدیث:

سنن الترمذی۔ کتاب التفسیر۔ و قال: ھذا حدیث حسن۔ ۲۸۴/۴

الروایۃ الثانیۃ ایضاً رواہ الترمذی فی سننہ و قال ابوعیسیٰ ھذا حدیث حسن غریب، من ھذا الوجہ۔ ۶۱/۳۔

تشریح الحدیث

فرعون اور اس کی سرکشی و طغیانی کے واقعات عبرت انگیز اور اس کے عبرت ناک انجام کو قرآن کریم میں بڑی تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اور بے شمار مقامات پر اس کے عبرت انگیز اور فکر آمیز پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں صراحتاً فرمایا ہے کہ جب اللہ نے فرعون کو غرق فرمایا اور وہ ڈوبنے لگا تو موت کو سامنے دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھا کہ:

اٰمنتُ أنّهٗ لاإلٰهَ إلاّ الّذی اٰمَنَتْ بهٖ بنوإسرائیلَ وأنا المُسلمِین۔(یونس)

"یقین کرلیا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر وہ جس پر ایمان لائے بنو اسرائیل اور میں ہوں فرمانبرداروں میں سے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تو فرمانبرداری ظاہر کرتا ہے لیکن اس سے پہلے تو فساد پھیلانے والا تھا۔ غرض اسے عبرت ناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

بلاشبہ فرعون دنیا کے چند بڑے متکبرین اور سرکش ترین لوگوں میں سے تھا' اس کے فساد سے ساری زمین بھر گئی تھی اور وہ خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا تھا' گویا اللہ جل شانہ کے مقابلہ پر آگیا تھا۔ چنانچہ جب اس کی مہلت ختم ہوئی تو اس کی دراز رسی اچانک کھینچ لی گئی۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے اور اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ ساتھ اللہ کے فرشتے بھی ان تمام لوگوں سے نفرت اور بغض کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ کے دشمن اور اللہ کے باغی ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں بیان کردہ واقعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین فرشتے اور ملائک کے سردار ہیں' کی اللہ کے دشمن فرعون سے نفرت کا اظہار ہے۔

چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے جب فرعون غرق ہو رہا تھا تو سمندر کی تہہ سے مٹی اٹھالی تھی اور اسے فرعون کے منہ میں ڈالنے والا تھا کہ کہیں وہ اپنی موت اور عبرت ناک انجام کے پیشِ نظر اس موقع پر کلمہ 'توحید کا اقرار کر ڈالے اور اللہ ربّ العالمین جو نہایت ارحم الراحمین ہیں اس کے اقرار توحید پر اس پر رحم فرمادیں اور وہ اپنے کیے کی سزا بھگتنے سے بچ جائے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرعون کی مغفرت فرمادیتے تو اس کی مغفرت جبرئیل علیہ السلام کے لئے کیا نقصان دہ تھی جو انہوں نے یہ بات ارشاد فرمائی؟

جواب اس سوال کا یہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کا یہ قول ظالموں' سرکشوں اور اللہ کے دشمنوں سے اپنی بے پناہ نفرت کا اظہار ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر عدم موافقت کا اظہار۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے سرتابی اور عدمِ موافقت ملائک کے لئے تو ممکن ہی نہیں اور وہ تو جبرئیل علیہ السلام تھے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کا ماننے والا' عدل پسند فطرت کا حامل ہو وہ بھی کسی قیمت پر ہرگز یہ گوارا نہیں کرتا کہ

ظالموں اور سرکش فرعونوں اور اللہ کے دشمنوں پر ذرہ بھر بھی رحم کیا جائے یا انہیں ان کے مکروہ اور گھناؤنے جرائم کی سزا دیئے بغیر چھوڑ دیا جائے۔ لہٰذا جبرئیلؑ کا یہ کہنا ان کی فرعون سے نفرت کا ایک بے اختیار اظہار تھا نہ کہ اللہ کے فیصلہ سے عدمِ موافقت وغیرہ۔ اور بلاشبہ اہلِ ایمان کو اللہ کے دشمنوں سے نفرت کرنا ہی چاہئے۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ اللہ جل شانہ‘ کی عظیم الشان رحمت کا اظہار بھی اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جبرئیلؑ امین جیسی عالم ہستی بھی فرعون جیسے سرکش کے متعلق یہ اندیشہ رکھتی تھی کہ کہیں اس پر اللہ کی رحمت نہ ہو جائے۔

۲۔ کلمہ توحید کی عظیم فضیلت بھی اس واقعہ سے پوری طرح واضح ہے کہ اتنا عظیم کافر و سرکش‘ اللہ کا دشمن اور باغی بھی اگر اس وقت کی آمد سے قبل (جو کہ نزع کا وقت تھا جب توبہ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں) صدقِ دل سے اس کلمہ توحید کا اقرار کر لیتا تو اللہ کی رحمت کا مستحق ہو جاتا۔

۳۔ حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت جبرئیلِ امینؑ اللہ کے دشمنوں سے نفرت فرماتے ہیں۔ گویا جو شخص اللہ کا دشمن ہو اس کے احکامات سے بغاوت کرنے والا ہو اور اس کی نافرمانی کا ارتکاب کرنے والا ہو وہ اللہ کے مقرّب فرشتوں کا بھی مبغوض بن جاتا ہے۔

۴۔ ایک اور بات اس واقعہ سے یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب جب آتا ہے تو اسے روبہ عمل لانے والے حضرت جبرئیلؑ ہوتے ہیں اور تمام معذب امتوں پر انہی کے ذریعہ عذاب نازل کیا گیا۔

باون واں قصہ ﴿۵۲﴾

لکڑی کی ٹانگیں بنانے والی عورت

تمہید

انسان کے اندر فطری طور پر ہمیشہ اس بات کی خواہش رہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو نمایاں کرے۔ عورتوں کو بالخصوص یہ مرض لاحق ہے کہ وہ زیب وزینت اور نت نئے انداز اپنا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کریں۔ زیر نظر واقعہ ایسی ہی ایک عورت کا ہے جس نے اپنے آپ کو لوگوں کی نظر میں اونچا کرنے اور انہیں اپنی جانب ملتفت کرنے کے لئے عجیب طریقہ اپنایا۔

نص الحدیث:

روى مسلم في صحيحه عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: (كَانَتِ امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ قَصِيرَةٌ، تَمْشِي مَعَ امْرَأَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ، فَاتَّخَذَتْ رِجْلَيْنِ مِنْ خَشَبٍ، وَخَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ مُغْلَقٌ مُطْبَقٌ، ثُمَّ حَشَتْهُ مِسْكًا، وَهُوَ أَطْيَبُ الطِّيبِ، فَمَرَّتْ بَيْنَ الْمَرْأَتَيْنِ فَلَمْ يَعْرِفُوهَا، فَقَالَتْ بِيَدِهَا هَكَذَا) وَنَفَضَ شُعْبَةُ يَدَهُ.

وفي رواية أحمد: (فَكَانَتْ إِذَا مَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ حَرَّكَتْهُ، فَنَفَحَ رِيحُهُ).

ورواه ابن خزيمة في التوحيد عن أبي سعيد أو جابر أن النبي ﷺ خطب خطبة فأطالها، وذكر فيها أمر الدنيا والآخرة، فذكر (إِنَّ أَوَّلَ مَا هَلَكَ بَنُو إِسْرَائِيلَ أَنَّ امرَأَةَ الفقِيرِ كَانَتْ تُكَلِّفُهُ مِنَ الثِّيَابِ أَوْ الصِّيَغِ أَوْ قَالَ: مِنَ الصِّيغَةِ مَا تُكَلِّفُ امْرَأَةَ الغنِي، فَذَكَرَ امرأةً مِنْ بنِي إِسْرَائِيلَ كانتَ قَصِيرةً واتَّخذَتْ رِجْلينِ مِنْ خشبَ، وَخَاتَماً لَهُ غَلقٌ وَطَبَقٌ ، وَحَشَتْهُ مسكًا، وَخرجَتْ بَيْنَ امْرَأتيـن طوِيلَتَين، أَوْ جسيمَتَيْنِ، فَبَعَثُوا إنساناً يَتْبَعُهم، فعَرَفَ الطويلتينِ، وَلَمْ يَعْرِفْ صَاحبةَ الرِّجْلَين مِنْ خشَبٍ).

ترجمۃ الحدیث:

حضرت ابو سعید الخدریؓ، سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بنی اسرائیل میں ایک پستہ قامت عورت تھی، وہ دو لمبی اور دراز قامت عورتوں کے درمیان چلا کرتی تھی، اس نے لکڑی کی دو ٹانگیں بنوائیں اور ایک سونے کی انگوٹھی بنوائی جو خول دار تھی اور اوپر

سے بند تھی' پھر اس میں اس نے مشک بھری جو سب سے عمدہ خوشبو ہے' پھر وہ انہی عورتوں کے درمیان چلی تو لوگ اسے پہچان نہ پائے تو اس نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ: جب وہ کسی مجلس سے گزرتی تو انگوٹھی کو حرکت دیتی جس سے اس کی خوشبو پھیل جاتی تھی۔

مسندِ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ:

حضرت ابو سعیدؓ خدری یا حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک روز ایک طویل خطبہ دیا اور اس میں دنیا و آخرت کے بہت سے امور کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ:

"بلاشبہ سب سے پہلے بنو اسرائیل کو جس بات نے ہلاکت میں ڈالا وہ فقیر و محتاج لوگوں کی عورتوں کا معاملہ تھا کہ وہ کپڑوں اور رنگوں میں تکلف کرتی تھیں اور ایسے رنگ دار کپڑے پہنا کرتی تھیں کہ مالداروں کی عورتیں ہی ان کا تکلف کر سکتی ہیں (گویا اپنے فقر و محتاجی کے باوجود تکلف کر کے مالداروں کی عورتوں کی برابری کرنا چاہتی تھی)۔

پھر آپؐ نے ایک عورت کا تذکرہ فرمایا کہ بنو اسرائیل کی وہ عورت کوتاہ قد تھی' اس نے (اپنی پستہ قامتی کو چھپانے کے لئے) لکڑی کی ٹانگیں بنوائیں اور (لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے) انگوٹھی بنوائی جو خول والی تھی اور اوپر سے بند تھی' اور اسے مشک سے بھر دیا۔ پھر وہ دو لمبی یا جسیم شحیم عورتوں کے درمیان نکلی' لوگوں نے ایک آدمی کو ان کے پیچھے بھیجا تو وہ دراز قامت عورتوں کو تو پہچان گیا لیکن لکڑی کی ٹانگوں والی کو نہ پہچان سکا"۔

تخریج الحدیث:

پہلی روایت:۔ صحیح مسلم۔ کتاب الألفاظ من الأدب۔ باب استعمال المسک ۲؍۲۳۹

دوسری روایت:۔ مسند ابن خزیمہ / سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ۔ ۲؍۱۴۰۔

تشریح الحدیث

نبی اکرم ﷺ نے مذکورہ خطبہ میں صحابہ کرامؓ کو وعظ و نصیحت فرماتے ہوئے انہیں دنیا اور اس کی رنگینیوں اور اس کے فتنوں سے متنبہ فرمایا اور انہیں آخرت کے متعلق رغبت دلائی' انہیں اس بات کی نصیحت فرمائی کہ وہ ان مہلک کاموں میں نہ پڑیں جن میں پڑ کر بنو اسرائیل ہلاکت و بربادی کا شکار ہوئے اور بتلایا کہ کس طرح بنو اسرائیل کے اندر فتنہ و فساد اور مہلک باتوں کا آغاز ہوا جس نے بالآخر انہیں تباہی سے دوچار کیا۔

ان کی تباہی کا نقطۂ آغاز یہ تھا کہ ان کے مالدار اور مرفہ الحال قسم کے لوگ اور امراء اپنے ظاہری

مفاخر مثلاً لباس' زیورات' کھانے پینے اور انداز معاشرت اور رہن سہن میں تکلفات سے کام لیتے تھے' اور ان اشیاء کے اوپر بے دریغ خرچ کرتے تھے۔

چنانچہ غریب و فقیر لوگ ان سے مرعوب ہوتے تھے اور انکی عورتیں اپنے فقر و محتاجی اور افلاس کے باوجود امراء کی عورتوں کی برابری کی کوشش کرتی تھیں اور اپنے شوہروں سے ان تکلفات اور خرافات کیلئے بڑے بھاری اخراجات کا مطالبہ کرتی تھیں۔ شوہر دن رات کام کر کے ان کے مطالبات کو پورا کرنے میں لگا رہتا تھا پھر بھی پورے نہ کر پاتا تھا۔

بعینہ یہی حال ہم اپنے معاشروں کا دیکھتے ہیں کہ امراء کی برابری کی کوشش میں غرباء بد حال سے بد حال' مقروض اور پریشان ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جھوٹے تکلفات' دولت و ثروت کے اظہار کے متکلفانہ طور طریقے اور شان و شوکت کے کھوکھلے مفاخر کے اندر ہی انسان لگا رہتا ہے اور اس کی فکر میں انسان کا ہر آنے والا دن گزرے ہوئے دن کے مقابلہ میں مزید پریشانی اور مزید کلفت کا سامان لے کر آتا ہے' وسائلِ حیات کی فراوانی' عیش و عشرت کی سرمستی اور آسائشاتِ زندگانی کی ارزانی کے باوجود راحت و اطمینان خوابِ پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔

بنو اسرائیل کا مذکورہ واقعہ بھی اس صورتحال کا ایک نمونہ ہے' جہاں ایک کوتاہ قد پستہ قامت عورت نے جو لوگوں کی بے توجہی اور عدمِ التفات کا شکار تھی' لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے' ان کی نگاہوں کا مرکز بننے اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ایک عجیب طریقہ اختیار کیا۔

اس نے اپنے لئے لکڑی کی ایسی ٹانگیں تیار کروائیں جو دیکھنے میں نقلی محسوس نہ ہوں اور لوگ اسے بھی طویلِ قامت سمجھیں' ساتھ ہی اس نے سونے کی ایک ایسی انگوٹھی بھی تیار کروائی جو اندر سے خول والی تھی یعنی اس کے وسط میں نگینہ کی جگہ خالی تھی مگر اوپر سے اسے بند کر دیا گیا تھا۔ اس خالی جگہ میں اس نے مشک بھری۔ اور جب کسی مجلس میں وہ گزرتی تو اس کو ہلکا سا جھٹکا دیتی جس سے ہر طرف مشک کی خوشبو پھیل جاتی اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

ایک بار وہ دو طویل اور لمبی عورتوں کے درمیان نکلی تو لوگوں نے ان دونوں کو تو پہچان لیا لیکن اس لکڑی کی ٹانگ والی کو نہ پہچانا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس قصہ کو بتانے کا مقصد' صحابہ کرامؓ کو ان ظاہری و جھوٹے تکلفات کی حقیقت بتلانا اور انہیں اس قسم کے امور سے احتراز کرنے کی ترغیب دینا تھا۔

بلاشبہ! اسلام ظاہری تکلفات و رسومات' شان و شوکت کے جھوٹے مفاخر سے روکتا ہے یہ سب چیزیں انسان کو زندگی کے اصل مقصد سے غافل کرنے والی اور آخرت کی تیاری سے محروم کرنے والی ہیں کہ ان میں لگ کر انسان اعمالِ خیر سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ اسلام تو دنیاوی امور و معاملات

اور طرزِ رہن سہن اور معاشرت میں سادگی کا حکم دیتا ہے اور اسی کو پسند کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فیشن پرستی کے تقاضوں کو پورا کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ بالوں میں مصنوعی بال لگا کر انہیں لمبا کرنے والی عورتیں' ابروؤں کو نوکدار بنانے والی عورتیں' بدن کو گودنے اور گدوانے والی عورتیں (قدیم زمانہ میں اسکا بہت چرچا تھا بلکہ آج بھی بعض علاقوں میں ہے) خوشبو لگا کر باہر پھرنے والی عورتیں' چست اور باریک لباس پہن کر نامحرموں کے سامنے جانے والی عورتیں اللہ کی اور اسکے رسول کی لعنت یافتہ ہیں اور اللہ کے نزدیک برہنہ ہیں۔

بلاشبہ! اسلام حجاب اور پردہ کا حکم دیتا ہے' سادگی اور آسان طرزِ معاشرت کو پسند کرتا ہے' زندگی میں تکلفات کو ناپسند کرتا ہے' ایک مسلمان کی زندگی کا حقیقی مقصد' دنیا' اسکے جھوٹے مفاخر اور شان و شوکت کا حصول نہیں بلکہ آخرت کی تیاری اور اللہ کی رضا ہے جو ان رسمی تکلفات کیساتھ نہیں ہو سکتی۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ رسول کریم ﷺ کا اپنے خطبہ میں یہ قصہ بیان فرمانا دلیل ہے اس بات کی کہ ایک واعظ اور داعی حق کو اپنے وعظ میں تاثیر پیدا کرنے اور لوگوں کے ذہنوں اور قلوب کو زیادہ متوجہ کرنے کیلئے امثال' واقعات اور عبرت ونصیحت آموز حکایات کو بیان کرنا چاہیئے جو بات کو سمجھانے میں مؤثر ہوتے ہیں۔

۲۔ عورتوں کی فطرت ہر دور میں نمود و نمائش کی رہی ہے۔ وہ زمانہ قدیم کی عورت ہو یا دورِ حاضر کی' ہر زمانہ میں اپنے نسوانی حسن کو آشکارا کرنا' زیب و زینت کرنا' نمود و نمائش کرنا' فخر و مباہات کے لئے عمدہ اور فاخرانہ لباس پہننا' زیورات پہننا اور رائج الوقت فیشن کے طریقوں کو اپنانا عورتوں کا محبوب مشغلہ رہا ہے اور اللہ کے نزدیک ان سب کاموں میں ملوث ہونا ہر دور میں مبغوض رہا ہے۔

۳۔ عورتوں کا مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی فطرت اور اوباش مردوں کی عورتوں میں دلچسپی اور ان کی طرف میلان کی فطرت ہر دور میں یکساں رہی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ واقعہ سے ظاہر ہے کہ اس عورت نے مردوں کو مائل کرنے کیلئے یہ سارا طریقہ اختیار کیا اور وہاں کے مردوں نے ایک آدمی کو ان کے تعاقب میں بھیجا کہ معلوم کرے کہ وہ کون ہے؟

۴۔ ہر دور میں اپنے زمانہ کے موجود وسائل کے اعتبار سے انسان کا صنعت میں ماہر ہونا بھی حدیث سے ثابت ہے کہ اس عورت نے لکڑی کی ایسی ٹانگ بنوائی کہ لوگ پہچان نہ سکیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا بنانے والا ماہر کاریگر تھا۔

۵۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ مشک تمام خوشبوؤں میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور عمدہ خوشبو ہے۔

ترپن واں قصہ ﴿۵۳﴾

قومِ عاد کا بدکردار نمائندہ

تمہید

جب کسی قوم کی تباہی آتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں جو اس کی لٹیا ڈبو دیتے ہیں، وہ ایک چیز کو اپنے لئے باعثِ رحمت سمجھتے ہیں جب کہ وہ اس کے لئے عذاب ہوتی ہے اور اس کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ حدیثِ ذیل میں قومِ عاد کی ہلاکت کا سبب بننے والے ایک ایسے شخص کی حالت بیان کی گئی ہے جس کو قوم نے نجات دہندہ بنا کر بھیجا تھا لیکن وہ قوم کے لئے عذاب دہندہ ثابت ہوا۔ اور اس کی نحوست نے پوری قوم کو عذاب میں گرفتار کر دیا۔

نص الحدیث:

روى الإمام أحمد في مسنده: عَنِ الْحَارِثِ بْنِ يَزِيدَ الْبَكْرِيِّ قَالَ: «خَرَجْتُ أَشْكُو الْعَلاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَمَرَرْتُ بِالرَّبَذَةِ، فَإِذَا عَجُوزٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ مُنْقَطِعٌ بِهَا، فَقَالَتْ لِي: يَا عَبْدَ اللهِ، إِنَّ لِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ حَاجَةً، فَهَلْ أَنْتَ مُبَلِّغِي إِلَيْهِ؟ قَالَ: فَحَمَلْتُهَا، فَأَتَيْتُ الْمَدِينَةَ، فَإِذَا الْمَسْجِدُ غَاصٌّ بِأَهْلِهِ، وَإِذَا رَايَةٌ سَوْدَاءُ تَخْفِقُ، وَبِلالٌ مُتَقَلِّدٌ السَّيْفَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقُلْتُ: مَا شَأْنُ النَّاسِ؟ قَالُوا يُرِيدُ أَنْ يَبْعَثَ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ وَجْهًا.

قَالَ: فَجَلَسْتُ، قَالَ: فَدَخَلَ مَنْزِلَهُ أَوْ قَالَ رَحْلَهُ، فَاسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ، فَأَذِنَ لِي، فَدَخَلْتُ فَسَلَّمْتُ، فَقَالَ: (هَلْ كَانَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي تَمِيمٍ شَيْءٌ) . قَالَ: فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ وَكَانَتْ لَنَا الدَّبْرَةُ عَلَيْهِمْ، وَمَرَرْتُ بِعَجُوزٍ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ مُنْقَطِعٌ بِهَا فَسَأَلَتْنِي أَنْ أَحْمِلَهَا إِلَيْكَ، وَهَا هِيَ بِالْبَابِ، فَأَذِنَ لَهَا، فَدَخَلَتْ.

فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنْ رَأَيْتَ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ بَنِي تَمِيمٍ حَاجِزًا فَاجْعَلِ الدَّهْنَاءَ، فَحَمِيَتِ الْعَجُوزُ وَاسْتَوْفَزَتْ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، فَإِلَى أَيْنَ تَضْطَرُّ مُضَرَكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: إِنَّمَا مَثَلِي مَا قَالَ الأَوَّلُ: مِعْزَاءُ حَمَلَتْ حَتْفَهَا، حَمَلْتُ هَذِهِ، وَلا أَشْعُرُ أَنَّهَا كَانَتْ لِي خَصْمًا، أَعُوذُ بِاللهِ وَرَسُولِهِ أَنْ أَكُونَ كَوَافِدِ عَادٍ، قَالَ: (هِيهْ، وَمَا وَافِدُ عَادٍ؟) وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْحَدِيثِ مِنْهُ، وَلَكِنْ يَسْتَطْعِمُهُ.

قُلْتُ: إِنَّ عَادًا قَحَطُوا، فَبَعَثُوا وَافِدًا لَهُمْ يُقَالُ لَهُ: قَيْلٌ، فَمَرَّ بِمُعَاوِيَةَ بْنِ بَكْرٍ، فَأَقَامَ عِنْدَهُ شَهْرًا يَسْقِيهِ الْخَمْرَ، وَتُغَنِّيهِ جَارِيَتَانِ، يُقَالُ لَهُمَا: الْجَرَادَتَانِ، فَلَمَّا مَضَى الشَّهْرُ خَرَجَ جِبَالَ تِهَامَةَ، فَنَادَى، اللَّهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنِّي لَمْ أَجِئْ إِلَى مَرِيضٍ فَأُدَاوِيَهُ، وَلَا إِلَى أَسِيرٍ فَأُفَادِيَهُ، اللَّهُمَّ اسْقِ عَادًا مَا كُنْتَ تَسْقِيهِ.

فَمَرَّتْ بِهِ سَحَابَاتٌ سُودٌ، فَنُودِيَ مِنْهَا: اخْتَرْ، فَأَوْمَأَ إِلَى سَحَابَةٍ مِنْهَا سَوْدَاءَ، فَنُودِيَ مِنْهَا: خُذْهَا رَمَادًا، رِمْدِدًا لَا تُبْقِي مِنْ عَادٍ أَحَدًا. قَالَ: فَمَا بَلَغَنِي أَنَّهُ بُعِثَ عَلَيْهِمْ مِنَ الرِّيحِ إِلَّا قَدْرَ مَا يَجْرِي فِي خَاتِمِي هَذَا، حَتَّى هَلَكُوا) .

قَالَ أَبُو وَائِلٍ: وَصَدَقَ، قَالَ: فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ وَالرَّجُلُ إِذَا بَعَثُوا وَافِدًا لَهُمْ، قَالُوا: لَا تَكُنْ كَوَافِدِ عَادٍ »

ترجمۃ الحدیث:

حارث بن یزید البکریؓ کہتے ہیں کہ: "میں حضرت علاء بن الحضرمیؓ (یمن کے گورنر) کے متعلق بعض شکایات لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کیلئے روانہ ہوا۔ راستہ میں "ربذہ" (جو مدینہ کے قریب ایک بستی ہے) سے گذر ہوا۔ وہاں ایک بنو تمیم کی بوڑھی عورت جو (اپنے قافلہ سے بچھڑی ہوئی) تنہا تھی۔ اس نے مجھ سے کہا اے اللہ کے بندے! مجھے رسول اللہ ﷺ سے ایک کام ہے کیا تو مجھے ان کے پاس پہنچا سکتا ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے اسے اٹھالیا اور مدینہ منورہ آگیا۔ وہاں آکر دیکھا کہ مسجد نبویؐ لوگوں کے ہجوم سے تنگ پڑ گئی ہے اور ایک سیاہ جھنڈا لہرا رہا ہے۔ حضرت بلالؓ تلوار لٹکائے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے کہا: لوگوں کا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ: حضرت عمروؓ بن العاص کو کسی طرف (جہاد کے لئے) بھیج رہے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ میں بیٹھ گیا' آپ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ میں نے بھی حاضری کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت مل گئی۔ میں اندر داخل ہوا اور سلام کیا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کچھ (لڑائی) ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں لیکن ہمارا ان پر غلبہ رہتا ہے اور میرا بنو تمیم کی ایک بڑھیا پر گذر ہوا تھا جو تنہا تھی کوئی اسے اٹھانے والا نہ تھا۔ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ اسے آپؐ کے پاس اٹھا کر لے آؤں (چنانچہ میں اسے اٹھا لایا) وہ وہاں دروازہ پر موجود ہے۔ آپؐ نے اسے اجازت دے دی تو وہ اندر داخل ہو گئی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ ہمارے اور بنو تمیم کے درمیان ایک رکاوٹ اور آڑ کر دیں اور وہ دھنا نامی صحراء ہے۔

یہ سن کر بوڑھی عورت کا رنگ فق ہو گیا اور بیقرار ہو کر کہنے لگی: پھر قبیلہ 'مضر کا کہاں ٹھکانہ

ہو گا؟ میں نے کہا کہ میری مثال ایسی ہے جو پچھلے لوگوں میں سے کسی نے کہا تھا: بھیڑ نے اپنی ہی موت کو اٹھا لیا"۔ (یہ ایک ضرب المثل اور محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دانست میں تو نیک کام کرے لیکن وہ اسکے لئے نقصان دہ ثابت ہو اور اس کا ضرر اور نقصان خود کو ہی اٹھانا پڑ جائے) میں اس بڑھیا کو اٹھا کر یہاں لایا اور مجھے اس کا احساس بھی نہ ہوا کہ یہ میری حریف ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں "وافد عاد" (قومِ عاد کے نمائندہ) کی طرح ہو جاؤں۔

آپؐ نے فرمایا: اور وہ وافد عاد کا کیا قصہ ہے؟ حالانکہ آپ واقعہ زیادہ جاننے والے تھے لیکن آپؐ ان سے (سن کر) حظ (مزہ) حاصل کرنا چاہتے تھے۔

میں نے عرض کیا کہ: ایک بار قوم عاد قحط سالی کا شکار ہو گئے' انہوں نے اپنا نمائندہ جسے "قیل" کہا جاتا تھا بھیجا (مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہاں جا کر قحط سالی کے ختم ہونے کے لئے دعا کرے) راستہ میں وہ معاویہ بن بکر کے پاس سے گزرا تو اس کے پاس ٹھہر گیا اور ایک ماہ تک اس کے یہاں قیام کیا۔ وہاں شراب پیتا اور دو مشہور گانے والی لڑکیاں جن کو "جراد تان" کہا جاتا تھا اس کے سامنے گانا گاتی رہتی تھیں۔ جب ایک ماہ گزر گیا تو وہ تہامہ پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا اور وہاں جا کر پکارا:

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں کسی مریض کے پاس نہیں آیا کہ اس کی دوا علاج کروں' نہ کسی قیدی کے پاس آیا ہوں کہ اس کا فدیہ دوں۔ اے اللہ! جیسے تو پہلے سیراب کرتا رہا ہے اب بھی قومِ عاد کو سیراب کر دے"۔

پھر وہاں سے کچھ سیاہ (ابر آلود) بادل گزرے تو اس کو ندا (آواز) لگائی گئی کہ: ان میں سے کسی بادل کو اختیار کر لے (تاکہ اسے قوم عاد پر برسایا جائے' اس نے ان میں سے ایک سیاہ بادل کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس میں اسے پکارا گیا کہ: اسے پکڑ لے 'راکھ کر دینے والا' راکھ بنا دے اور قوم عاد میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے' فرماتے ہیں کہ: مجھے نہیں اطلاع ملی مگر یہ کہ ان پر (قوم عاد پر) ہوا بھیجی گئی اور وہ میری اس انگوٹھی کے بقدر ہی ان تک پہنچی تھی کہ وہ سب ہلاک ہو گئے۔

ابو وائل کہتے ہیں: انہوں نے سچ کہا: چنانچہ کوئی مرد اور عورت جب ان کی طرف کو بھیجے جاتے تو ان سے کہتے کہ: وافد عاد (عاد کے نمائندہ) کی طرح مت ہونا (جس طرح وہ عاد کے لئے عذاب لانے والا بن گیا حالانکہ رحمت لینے گیا تھا)۔

تخریج الحدیث:

مسند احمد ۳/۴۸۲= رواہ الترمذی۔ کتاب التفسیر/باب من سورۃ یونس ۵/۳۹۱

تشریح الحدیث

یہ واقعہ جن صحابی کا ہے وہ حضرت حارثؓ بن یزید البکری ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حارثؓ بن حسان ہیں جنہیں ان کی قوم ربیعہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس اپنے نمائندہ اور وفد کے طور پر بھیجا تھا تاکہ وہ حضرت علاء بن الحزمیؓ (جو حضورؐ کی طرف سے یمن کے گورنر تھے) کی کچھ شکایات بارگاہِ رسالت میں عرض کریں۔ راستہ میں ربذہ کے مقام پر انہیں ایک تنہا بوڑھی عورت ملی جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جانا چاہتی تھی اس نے حضرت حارثؓ سے کہا کہ وہ انہیں اپنی سواری پر سوار کر کے مدینہ حضورؐ کی خدمت میں لے جائیں۔ وہ ازراہِ ہمدردی اسے اٹھا کر مدینہ لے آئے۔ وہاں آ کر دیکھا کہ مسجدِ نبویؐ میں لوگوں اور مجاہدین کا جمِ غفیر ہے اور مسجد تنگ پڑ گئی ہے لوگوں کے ہجوم کے سامنے اور ایک سیاہ جھنڈا لہرا رہا ہے جب کہ حضرت بلالؓ، رسول اللہ ﷺ کے سامنے تلوار لٹکائے کھڑے ہیں۔ یہ سب دیکھ کر حارثؓ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی کسی سریّہ کی مہم پر روانگی کی تیاری ہے۔

حضرت حارثؓ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ان کی قوم اور بنو تمیم کے درمیان لڑائی کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ جاہلیت کے زمانہ میں انکے اور ہمارے درمیان جنگ جاری رہتی تھی جس میں فتح اور غلبہ ربیعہ کو ہی حاصل ہوتا تھا۔

پھر حارثؓ نے رسول اللہ ﷺ کو اس عورت کے متعلق بتلایا جس کو وہ ربذہ سے لے کر آئے تھے، اور وہ بنی تمیم سے تعلق رکھتی ہے اور اس وقت دروازہ پر اندر داخل ہونے کے لئے آپ کی اجازت کی منتظر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اجازت دے دی، وہ بڑھیا اندر داخل ہو گئی، حارثؓ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے اپنی قوم کا مطالبہ اور درخواست پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ ان کی قوم اور بنو تمیم کے درمیان ایک ایسی رکاوٹ کھڑی کردیں جو ان دونوں اقوام کے درمیان جنگ بندی کی لائن بن جائے اور اس کے لئے انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ صحرائے دھناء قومِ ربیعہ کو دے دیا جائے جو دورِ جاہلیت میں انہی کے پاس تھا۔

حارثؓ نے جب یہ مطالبہ کیا تو وہ بوڑھی عورت جو بنو تمیم سے تعلق رکھتی تھی یہ سن کرِ غصہ اور اضطراب سے کہنے لگی کہ: پھر قبیلۂ مضر کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ (یعنی جب آپؐ دھناء قبیلۂ ربیعہ کے حوالہ کردیں گے تو وہاں بسنے والے قبیلۂ مضر والے کہاں جائیں گے؟)

بڑھیا نے جب یہ بات کہی تو حارثؓ کو یہ احساس وادراک ہوا کہ انہوں نے اس بڑھیا کے ساتھ

احسان کر کے اپنے اور اپنی قوم کیلئے نقصان کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ میری مثال تو ایسی ہو گئی جیسا کہ پچھلے لوگوں نے کہا ہے کہ:

"معزیٰ حملت حتفھا" یعنی بھیڑ نے اپنی ہی موت کو اٹھالیا"۔ میں نے اس بڑھیا کو اٹھالیا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں اپنے حریف کو اٹھا رہا ہوں۔ پھر حارثؓ نے اس بات سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی پناہ مانگی کہ میرا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کی نمائندگی کرنا ایسا نہ ہو جائے جیسا کہ عاد کے نمائندہ نے اپنی قوم کیلئے کیا تھا۔

اور یہ در حقیقت اشارہ تھا ایک دوسری ضرب المثل کی طرف۔ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ جب کسی شخص کی اپنی قوم کے لئے نمائندگی مشکلات اور پریشانی کا باعث بن جاتی تو اسے کہا جاتا کہ: "فلانٌ کوافد عاد" فلاں تو عاد کے نمائندہ کی طرح ہے"۔ جسے بھیجا تو قوم نے خیر کے لئے تھا مگر وہ لے کر شر اور نقصان آیا۔

تو حارثؓ نے حضور علیہ السلام کے سامنے یہی ضرب المثل استعمال کی کہ میں اپنی قوم کے لئے وافدِ عاد کی طرح نہ ہو جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی حقیقت دریافت فرمائی تو حارثؓ نے اس کا قصہ بیان کیا۔

قومِ عاد قدیم عرب کے قبائل میں سے ایک مشہور قبیلہ تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔ انہوں نے ان کی تکذیب کی' جس کے نتیجہ میں وہ اللہ کے عذاب سے دوچار ہوئے جو قحط اور خشک سالی کی صورت میں تھا' انہوں نے اپنے ایک معزز رہنما کو بلدِ حرام مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہاں جا کر بیت اللہ میں اور ارضِ مقدسہ میں اللہ کے حضور استسقاء کیلئے دعا کرے کہ بارش اور بارانِ رحمت نازل ہو جائے اور ہماری خشک سالی دور ہو جائے۔

اہلِ عاد کا خیال تھا کہ اللہ کے ساتھ بھی اسی طرح معاملہ کیا جاتا ہے جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں کے ساتھ کہ جب بادشاہ کی جانب سے کوئی ٹیکس وغیرہ لگے تو اپنا ایک معزز نمائندہ وفد اس کے دربار میں بھیج کر وہ ٹیکس وغیرہ معاف کرالیا جائے۔ وہ اسی زعمِ باطل میں مبتلا تھے کہ اللہ کے یہاں ذاتی و اجتماعی اعمال کے بجائے وفد بھیج کر مسئلہ حل کرایا جاسکتا تھا۔ خواہ وہ اپنے اعمال و افعال' کردار اور اخلاق وغیرہ' میں کتنے ہی گئے گذرے کیوں نہ ہوں۔ حالانکہ اللہ کی معرفت رکھنے والے بندے جانتے ہیں کہ اس کے یہاں کسی وفد کی نمائندگی ضروری نہیں' وہاں تو صرف اپنے انفرادی و اجتماعی اعمال کی اصلاح' اس کی بارگاہ میں خشوع و خضوع اور تضرع کے ساتھ دعا گریہ وزاری اور اپنے اعمالِ بد پر توبہ و استغفار ہی کام آتا ہے' اسی کی برکت سے مسائل حل ہوتے' مصائب دور ہوتے اور فضل و کرم کے دروا ہوتے ہیں نہ یہ کہ کسی فاجر و فاسق' غلیظ فکر و سوچ رکھنے والے کسی شخص کو بھیج دیا جائے اور وہ

جا کر لٹھ مار گستاخانہ انداز میں دعا کرے اور مسئلہ حل ہو جائے۔ اس سے تو مصائب بڑھتے' عذاب آتے اور قہر و غضب کے در کھلتے ہیں جیسا کہ ہوا۔

چنانچہ وہ "معزز نمائندہ" بلاد حرم جانے کے لئے روانہ ہوا تہامہ کی طرف جوارضِ مقدسہ کا پرانا نام تھا' کرب و بلاء میں مبتلا قوم کے لئے خیر اور رحمت کے حصول کی خاطر قوم کا نمائندہ بن کر جا رہا ہے۔ راستہ میں اس کا گذر معاویہ بن بکر کے پاس ہوا جو اس کا دوست تھا۔ اس کے پاس ٹھہر گیا اور مہینہ بھر ٹھہرا رہا' قوم کی تکلیف اور کرب و بلاء سے بے نیاز یہ اس کے یہاں دادِ عیش دیتا رہا' شراب و کباب کی فراوانی اور جراد تان (نامی خوبصورت دوشیزاؤں) کی مست خرامی اور ان کے گانے کی مستی میں چور یہ مہینہ بھر وہاں دادِ عیش دیتا رہا۔ جب خوب عیاشی کر لی تو خیال آیا کہ مجھے تو قوم نے ایک انتہائی اہم مقصد کے لئے روانہ کیا ہے۔ چنانچہ دوبارہ وہاں سے روانہ ہوا اور تہامہ کی وادی میں پہنچا اور وہاں جا کر رب العالمین کی بارگاہ میں دعا کی۔ کیا دعا کی؟ کس انداز سے دعا کی؟

"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں کسی مریض کے پاس نہیں آیا کہ اس کا علاج کروں۔ نہ کسی قیدی کا فدیہ دینے کو آیا ہوں۔ اے اللہ! عاد کو سیراب کر دے جیسا کہ تو ہمیشہ سیراب کرتا رہا ہے"۔

دعا کے الفاظ کو پڑھئے اور اس شخص کی عقل پر ماتم کیجئے جو احکم الحاکمین کی بارگاہِ الٰہی میں ایک ایسی درخواست کر رہا ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت پورا نہیں کر سکتی لیکن کتنے متکبرانہ' جاہلانہ' اور بے ہودہ انداز میں؟ کیا دعا ایسے ہوتی ہے؟ نہ اللہ کی تعریف' نہ اس کی حمد و ثنا' نہ اس کے نبی پر درود و سلام' نہ تضرع نہ عاجزی' نہ گریہ نہ زاری' نہ ادب تمیز نہ انکساری' گویا دعا نہیں مانگ رہا احسان کر رہا ہے' اپنا حق مانگ رہا ہے۔ کیا ایسی دعا قبول ہونے کے لائق ہے؟ یا اس انداز سے دعا کرنے والا عذاب کے کوڑے برسائے جانے کے قابل ہے۔ یقیناً وہ اسی قابل ہے کہ اللہ جل جلالہ' کو تکبر اور متکبرانہ انداز سخت ناپسند ہیں' اسے اور اس کی قوم کو سبق سکھانے کا فیصلہ ہو گیا۔ مہلت حیات ختم ہو گئی۔ اس نے سقیا طلب کی تھی بارش طلب کی تھی' اسے سقیا دی گئی' بارش دی گئی۔ لیکن بارش تو رحمت کی بھی ہوتی ہے اور عذاب کی بھی۔ اس نے رحمت کی بارش نہیں مانگی تھی۔ اس کے سامنے آسمان پر کچھ ابر آلود سیاہ بادل گذرے۔ اسے ایک پکار سنائی دی کہ اپنی قوم میں بارش کے لئے ان بادلوں میں سے کوئی اختیار کر لے۔ اس نے جو سیاہ ترین بادل تھا اسے منتخب کر لیا کہ یہ بہت بارش برسائے گا۔ بے چارہ اس بات سے ناواقف کہ خود اپنے اور اپنی قوم کے لئے عذاب کا بادل منتخب کر رہا ہے۔ جب اس نے بادل منتخب کر لیا تو پکارنے والے کی ندا سنائی دی: اسے اپنے لئے راکھ کرنے والا اور ہر چیز کو تباہ و برباد کرنے والا لے لو اور اس بادل نے پوری قومِ عاد کو تباہ و برباد کر دیا۔

چنانچہ حارثؓ کہتے ہیں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ میری اس انگوٹھی کے بقدر بھی جہاں

جہاں تک اس کی ہوا پہنچی وہ شخص ہلاک ہو گیا یہاں تک کہ سب ہلاک و تباہ ہو گئے۔

اللّٰھم إنا نعوذبك من عقابك وعذابك وسخطك۔

اس وقت سے اہلِ عرب میں یہ واقعہ ضرب المثل ہو گیا کہ فلاں شخص اپنی قوم کیلئے ''وافدِ عاد'' کی مانند ہے۔

تو حارثؓ نے یہی کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں اپنی قوم کے لئے وافدِ عاد کی طرح ہو جاؤں کہ انہوں نے مجھے آپؐ کے پاس بھیجا تو اپنے فائدہ کے حصول کے لئے تھا اور میں ان کے لئے نقصان اور خطرہ کا پیغام لے کر جاؤں۔

چند عبرت ونصائح

۱۔ انسان بعض اوقات اہم معاملات کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیتا ہے جو اس کا اہل نہیں ہوتا، نہ اس کام کی ذمہ داری اور اہمیت کو سمجھتا ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ سب کے لئے وبال ہو جاتا ہے اور پوری قوم کو اس کا وبال بھگتنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ میں قوم عاد نے ایک ایسے شخص کو قوم کا نمائندہ بنا کر ذمہ داری سونپی جو اس کا اہل نہیں تھا نہ ہی اس ذمہ داری کی اہمیت محسوس کرتا تھا لہٰذا اس کی نمائندگی پوری قوم کے لئے وبال وعذاب نازل ہونے کا باعث ہوئی۔

سبق یہ ملا کہ انسان کو اپنے اہم قومی وملی معاملات انہی لوگوں کے سپرد کرنے چاہئیں جو اس ذمہ داری کو اٹھانے کی اہلیت وصلاحیت رکھتے ہوں اور اپنی ذمہ داری کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہوں۔

۲۔ سابق اقوام اور کافر وغیر مسلم اقوام کی اچھی اور نصیحت آموز ضرب الأمثال اور محاورات کا استعمال کرنا اور ان سے کوئی فائدہ اٹھانا جائز بلکہ بہتر ہے۔ جیسا کہ حارثؓ نے قوم عاد کے اس ضرب المثل اور قدیم اہلِ عرب کی ایک عمدہ مثال کو اپنے کلام میں استعمال کیا۔ بلکہ اس ضمن میں تو شریعتِ اسلامی کی تعلیم یہ ہے کہ:

كلمة الحكمة ضالّة المؤمن (الحديث)

کلمہ حکمت تو مومن کی گمشدہ متاع ہے جہاں بھی اسے پاتا ہے اسے اختیار کر لیتا ہے۔

۳۔ اقوام ماضیہ کے عبرت انگیز اور دلچسپی سے لبریز واقعات سننا فطرت انسانی میں شامل ہے اور اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے لہٰذا قرآن حکیم کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی کے اس پہلو کی رعایت فرماتے ہوئے قصص وواقعات کو قرآن کریم کا ایک بڑا جزء بنایا ہے۔

زیرِ نظر حدیث میں رسول کریم ﷺ کا حارثؓ سے وافد عاد کے متعلق واقعہ معلوم کرنے کی خواہش انسانی فطرت کے اسی پہلو کا ایک اظہار ہے اور مسلمان ان واقعات کو نصیحت حاصل کرنے اور

ان سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے سنتا ہے۔

۴۔ بوڑھوں، ضعیفوں اور کمزوروں کی خدمت کرنا اور ان کے کام آنا نہ صرف اسلام کا ایک اہم حکم ہے بلکہ یہ انسانی فطرت کا بھی تقاضا ہے۔ حارثؓ کا بوڑھی عورت کو اس کی خواہش پر اٹھا کر مدینہ لانا اسی انسانی و اسلامی جذبہ کا اظہار ہے اور اسلام ہمیں یہی تعلیم دیتا ہے کہ مجبور و بے کس لوگوں کی حتی الوسع مدد کی جائے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، ذخیرۂ آخرت بنائے، اس کے لکھنے جمع کرنے اور ترتیب دینے میں جو غلطیاں، کوتاہیاں ہوئیں انہیں معاف فرمائے۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ ذہن کے بھٹکنے، قلم کے بھٹکنے اور سوچ کے بھٹکنے سے۔ اللہ تعالیٰ اس کو مفید اور با مقصد بنائے اور ہم سب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

وما توفیقی إلا باللّٰہ۔ علیه توکلت والیه أنیب۔ خادم العلم والعلماء

محمد زکریا اقبال

سیرۃ اور سوانح پر دارالاشاعت کراچی کی مطبوعہ مستند کتب

کتاب	تعارف	مصنف
سیرۃ حلبیہ اردو اعلیٰ ۶ جلد (کمپیوٹر)	سیرۃ النبیؐ پر نہایت مفصل و مستند تصنیف	امام برہان الدین حلبی
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۷ حصص در ۲ جلد	اپنے موضوع پر ایک شاندار علمی تصنیف مستشرقین کے جوابات کے ہمراہ	علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی
رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ۳ حصے یکجا (کمپیوٹر)	عشق میں سرشار ہو کر لکھی جانے والی مستند کتاب	قاضی محمد سلیمان منصور پوری
محسن انسانیت اور انسانی حقوق	خطبہ حجۃ الوداع سے استشہاد اور مستشرقین کے اعتراضات کے جواب	ڈاکٹر حافظ محمد ثانی
رسول اکرم کی سیاسی زندگی	دعوت و تبلیغ سے سرشار حضورؐ کی سیاست اور عملی تعلیم	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
شمائل ترمذی	حضور اقدسؐ کے شمائل و عادات مبارکہ کی تفصیل پر مستند کتاب	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
عہد نبوت کی برگزیدہ خواتین	اس عہد کی برگزیدہ خواتین کے حالات و کارناموں پر مشتمل	احمد خلیل جمعہ
دور تابعین کی نامور خواتین	تابعین کے دور کی خواتین	. . . . .
جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین	اُن خواتین کا تذکرہ جنہوں نے حضورؐ کی زبان مبارک سے خوشخبری پائی	. . . . . .
ازواج مطہرات	حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مستند مجموعہ	ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری
ازواج الانبیاء	انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے حالات پر پہلی کتاب	احمد خلیل جمعہ
ازواج صحابہ کرام	صحابہ کرامؓ کی ازواج کے حالات و کارنامے۔	عبدالعزیز الشناوی
اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	ہر شعبۂ زندگی میں آنحضرتؐ کا اسوۂ حسنہ آسان زبان میں۔	ڈاکٹر عبدالحی عارفی
اسوۂ صحابہ ۲ جلد کامل یکجا	حضور اکرمؐ سے تعلیم یافتہ حضرات صحابہ کرام کا اسوہ۔	شاہ معین الدین ندوی
اسوۂ صحابیات مع سیر الصحابیات	صحابیات کے حالات اور اسوہ پر ایک شاندار علمی کتاب۔	. . . . .
حیاۃ الصحابہ ۳ جلد کامل	صحابہ کرام کی زندگی کے مستند حالات۔ مطالعہ کے لئے راہنما کتاب	مولانا محمد یوسف کاندھلوی
طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات طب پر مبنی کتاب	امام ابن قیم
نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم	. کے حالات اور عربی قصائد مع تراجم پر مشتمل عشق و ادب میں ڈوبی تصنیف	مولانا محمد اشرف علی تھانوی
سیرۃ خاتم الانبیاء	بچوں کے لئے آسان زبان میں مستند سیرت، مدارس میں داخل نصاب	مولانا مفتی محمد شفیع
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم	مشہور کتاب سیرۃ النبیؐ کے مصنف کی بچوں کے لئے آسان کتاب	سید سلیمان ندوی
سیرۃ خلفائے راشدین	مختصر انداز میں ایک جامع کتاب .	مولانا عبدالشکور لکھنوی
الفاروق	حضرت عمر فاروقؓ کے حالات اور کارناموں پر محققانہ کتاب	علامہ شبلی نعمانی
حضرت عثمان ذوالنورین	حضرت عثمانؓ	معراج الحق عثمانی

کتاب	تعارف / مصنف
سیر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم	مختصر و آسان زبان میں حضرت شاہ ولی اللہ
رسول عربیؐ	چھوٹے بچوں کے لئے نظموں کے ساتھ سید فرید الوحیدی
النبی الخاتم	مختصر اور محققانہ کتاب . مناظر احسن گیلانی
سیرۃ عمر بن عبدالعزیز	عہد حکومت اور مجددانہ کارناموں پر ، عبدالسلام ندوی

کتاب	مصنف
پیارے نبی کی پیاری صاحبزادیاں	ڈاکٹر حقانی میاں
داستان یوسف علیہ السلام	حافظ محمد اسحٰق صاحب
بستان اولیاء	. . . . .
مسلمان فاتحین	احمد مصطفیٰ صدیقی

کتاب	تعارف	مصنف
تاریخ اسلام ۴ حصص در ۲ جلد کامل	آغاز اسلام سے آخری خلیفہ کے زوال تک کی مستند تاریخ	شاہ معین الدین ندوی
اخبار الاخیار	ہند و پاک کے مشاہیر صوفیاء کا مستند تذکرہ	شیخ عبدالحق محدث دہلوی
حالات مصنفین درس نظامی	پورا درس نظامی تصنیف کرنے والے ائمہ و علماء کے مستند حالات	مولانا محمد حنیف گنگوہی
نقش حیات	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خود نوشت سوانح۔	مولانا حسین احمد مدنی
جہنم کے پروانہ یافتہ	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچانے والے ملعون کفار کے حالات	احمد خلیل جمعہ

ناشر: دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی ۱ پاکستان، فون و فیکس (۰۲۱) ۳۲۶۳۱۸۶۱
اور مرکز اسلامی و علمی کتب قرآن پاک
دیگر اداروں کی کتب دستیاب ہیں، بیرون ملک بھیجنے کا انتظام ہے۔ فہرست کتب مفت ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں